شمارہ 52-53
شرح چندہ
سالانہ 700 روپے
بیرونی ممالک
بذریعہ ہوائی ڈاک
50 پاؤنڈ
یا 80 ڈالر امریکن یا 60 یورو

جلد 69
ایڈیٹر
منصور احمد
نائب ایڈیٹر
تنویر احمد ناصر ایم اے

15-8 جمادی الاوّل 1442 ہجری قمری • 24-31 فتح 1399 ہجری شمسی • 24-31 دسمبر 2020ء
Postal Reg. No. GDP/001/2019-22

قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی (الاسراء:111)

تُو کہہ دے کہ خواہ اللہ کو پکارو خواہ رحمان کو، جس نام سے بھی تم پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہیں

جلسہ سالانہ برطانیہ 9/اگست 2020 کے موقع پر سیّدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ اسٹیج پر رونق افروز اور دعا کراتے ہوئے

جلسہ سالانہ برطانیہ 9/اگست 2020 کے موقع پر سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطاب فرماتے ہوئے

مورخہ 31/اکتوبر 2020 کو طلباء جامعہ احمدیہ انڈونیشیا کی حضور انور کے ساتھ آن لائن کلاس
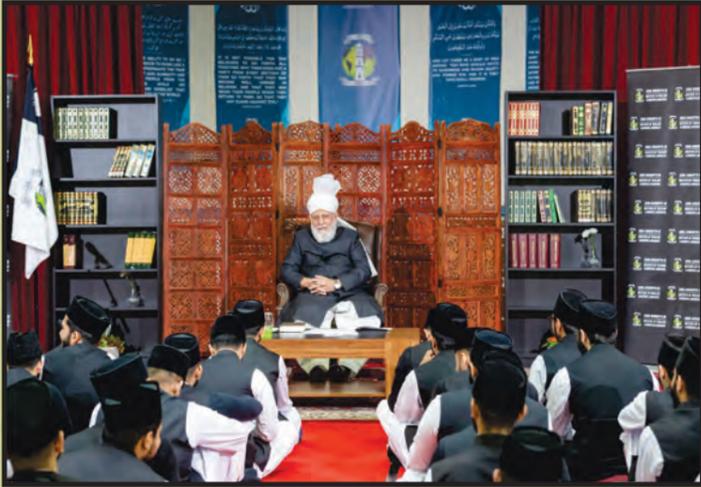
مورخہ 15/دسمبر 2019 کو جامعہ احمدیہ برطانیہ کے طلباء کی حضور انور کے ساتھ ایک نشست

مورخہ 25/اکتوبر 2020 کو ماریشش کے مربیان، ممبران نیشنل مجلس عاملہ و ذیلی تنظیمات کی حضور انور کے ساتھ آن لائن میٹنگ

مورخہ 12/ستمبر 2020 کو ممبران مجلس عاملہ و قائدین مجلس خدام الاحمدیہ آسٹریلیا کی حضور انور کے ساتھ آن لائن میٹنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو النّاصر

اسلام آباد ٹلفورڈ

MA 30-11-2020

آج جبکہ دنیا مادہ پرست ہو چکی ہے، مذہب سے دُور اور اپنے خالق کو بھول چکی ہے
ان حالات میں ہر احمدی کا یہ کام ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کے دلائل سیکھے تعلق باللہ میں ترقی کرے اور
سب دنیا کو اس زندگی بخش حقیقت سے روشناس کرائے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین

قارئین بدر کے لیے سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا محبت بھرا رُوح پرور پیغام

پیارے قارئین ہفت روزہ بدر قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ اخبار بدر کو ”ہستی باری تعالیٰ“ کے عنوان سے ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر لحاظ سے بہت بابرکت فرمائے۔ آمین۔

مجھ سے اس موقع پر پیغام بھجوانے کی درخواست کی گئی ہے۔ میرا پیغام یہ ہے کہ ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی۔ آپؑ نے اپنی کتب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کے حق میں ظاہر ہونے والے نشانات اور دلائل کے ساتھ ہستی باری تعالیٰ کو ثابت فرمایا ہے۔ آپ اپنی کتاب ”کشتیٔ نوح“ میں فرماتے ہیں:

”ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی...... اَے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ مَیں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دَف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے مَیں علاج کروں تا سننے کیلئے لوگوں کے کان کھلیں۔“

(روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 21 تا 22)

ہماری جماعت کے لٹریچر میں ہستی باری تعالیٰ پر کافی مواد موجود ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی ایک کتاب ”ہستی باری تعالیٰ“ کے عنوان سے شائع شدہ ہے۔ اسی طرح آپ کی ایک اور کتاب ”ہستی باری تعالیٰ کے دس دلائل“ بھی ہے جس میں سے اختصار کے ساتھ کچھ نکات کا مفہوم یہاں پیش ہے۔

آپؓ فرماتے ہیں کہ انسان مختلف چیزوں کو مختلف حواس سے پہچانتا ہے کسی چیز کو دیکھ کر، کسی کو چھو کر، کسی کو سونگھ کر، کسی کو سن کر، کسی کو چکھ کر۔ پھر بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا علم بلا واسطہ ان پانچوں حواس سے بھی نہیں ہوتا بلکہ ان کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہی اور ہے مثلاً عقل یا حافظہ یا ذہن ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا انکار دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا لیکن کیا کسی نے عقل کو دیکھا ہے یا سنا یا سونگھا یا چھوا ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف ہے وہ نظر تو آتا ہے لیکن انہیں آنکھوں سے جو اس کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ ہاں اگر کوئی اس کے دیکھنے کا خواہش مند ہو تو وہ اپنی قدرتوں اور طاقتوں سے دنیا کے سامنے ہے اور باوجود پوشیدہ ہونے کے سب سے زیادہ ظاہر ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (الانعام: 104) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں بلکہ وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ لطیف اور خبر دار ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کی ایک اور دلیل ادیانِ عالم کا اس عقیدے پر ایمان ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور خلق کے پھیلانے والے گزرے ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دنیا پر اپنی راستی کا سکہ بٹھا دیا تھا وہ سب کے سب اس بات پر گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جسے مختلف زبانوں میں

اللہ یا گاڈ یا پرمیشور کہا گیا ہے ہندوستان کے راستباز رامچندر، کرشنؑ، ایران کا راستباز زرتشتؑ، مصر کا راستباز موسیٰؑ، ناصرہ کا راستباز مسیحؑ، پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ان کے علاوہ اور ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دنیا میں ہوئے ہیں یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہمکلام ہوئے۔

اسی طرح قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں جن کو فطرت انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا، نجاستوں کے ساتھ تعلق اور جھوٹ سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں؟ گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے اجتناب اس کیلئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جوابدہی کا خوف ہے جو اسکے دل پر طاری ہے گو وہ اسکی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی نے ایک بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے اس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو تو دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے پھر اتنی بڑی مخلوقات کو دیکھ کر میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ واقعی یہ جواب سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہوگئی۔ ان کا جواب اللہ تعالیٰ سورۃ الملک کی آیات 2 تا 5 میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور سے جڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا بلکہ بے جوڑی ہوتی ہے۔ سلطنتوں میں ہزاروں مدبران کی درستی کیلئے رات دن لگے رہتے ہیں لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ ان سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات بالکل تباہ ہو جاتی ہیں لیکن اس دنیا کا کاروبار غلطی نہیں کرتا۔ سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ سب انتظام نظر نہ آتا۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بین دلیل ہے کہ کس طرح خدا کے منکر ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور جس قدر ان کی مخالفت ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں لیکن پھر دنیا اس کے خلاف کیا کر سکی۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدہ: 57) یعنی اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنوں سے دوستی کرتا ہے پس یاد رکھنا چاہئے کہ یہی لوگ، خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ دعا کی قبولیت اپنے ساتھ نشان رکھتی ہے چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوت باری تعالیٰ کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور پر بیمار ہوں چنے جائیں اور بانٹ لئے جائیں اور ایک گروہ کا ڈاکٹر علاج کریں اور ایک طرف میں اپنے حصہ والوں کیلئے دعا کروں پھر دیکھو کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اب اس طریق امتحان میں کیا شک ہو سکتا ہے چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہوگئی اور جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اس کا کوئی علاج نہیں اس کیلئے آپ نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا حالانکہ دیوانے کتے کے کٹے ہوئے دیوانہ ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو ہر زمانے میں انہیں قبول کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں۔ اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دعا کرے گا اور کم سے کم چالیس دن تک اس پر عمل کرے گا تو خواہ اس کی پیدائش کسی بھی مذہب میں ہوئی ہو اور وہ کسی ملک کا باشندہ ہو ربّ العالمین اس کو ضرور ہدایت دے گا اور وہ جلد دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اس پر اپنا وجود ثابت کر دے گا کہ اس کے دل سے شک وشبہ کی نجاست بالکل دُور ہو جائے گی۔

آج جبکہ دنیا مادہ پرست ہو چکی ہے۔ مذہب سے دُور اور اپنے خالق کو بھول چکی ہے ان حالات میں ہر احمدی کا یہ کام ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کے دلائل سیکھے۔ تعلق باللہ میں ترقی کرے اور سب دنیا کو اس زندگی بخش حقیقت سے روشناس کرائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

شبیہ مبارک حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام (1835ء - 1908ء)

سیدنا و امامنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے بے نظیر عشق و محبت

مسلمان ہونے کیلئے سب سے پہلے جس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے وہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ صرف اور صرف وہی ایک ہستی ہے جو قابل پرستش ہے۔ وہی ایک ہستی ہے جو اس لائق ہے کہ انسان اسکے آگے سجدہ ریز ہو اور اسی سے مانگے اور اسی سے اپنی حاجت روائی چاہے کیونکہ اللہ ہی ہمارا خالق و مالک ہے۔ اللہ ہی ہمارا ربّ ہے۔ وہ رحمٰن ہے یعنی بے انتہا رحم کرنے والا اور بن مانگے دینے والا۔ اور رحیم ہے یعنی مانگنے پر دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی توحید و تفرید اس قدر عزیز ہے کہ شرک کو وہ ظلم عظیم قرار دیتا ہے۔ اللہ جل شانہ سب گناہ معاف کرسکتا ہے لیکن شرک کے گناہ کو وہ نا قابل معافی قرار دیتا ہے۔ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ (النساء-117) اس کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ اس (گناہ) کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کا (کسی کو) شریک بنایا جائے اور جو (گناہ) اس سے ادنیٰ ہوگا (اُسے) جس کے حق میں چاہے گا معاف کردیگا اور جو شخص (کسی کو) اللہ کا شریک بنائے تو (سمجھو کہ) وہ (سیدھے راستہ سے) بہت دُور جا پڑا۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت بہت ہی پُرشوکت اور پُرہیبت الفاظ میں کی ہے، فرماتا ہے : وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۹﴾ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَیۡـًٔا اِدًّا ﴿۹۰﴾ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ ہَدًّا ﴿۹۱﴾ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ (مریم-89 تا 92)

اور یہ (لوگ) کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمٰن نے بیٹا بنالیا ہے۔ (تُو کہہ دے) تم ایک بڑی سخت بات کہہ رہے ہو۔ قریب ہے کہ (تمہاری بات سے) آسمان پھٹ کر گِر جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر (زمین پر) جا پڑیں اس لئے کہ ان لوگوں نے (خدائے) رحمٰن کا بیٹا قرار دیا ہے۔

یہی نہیں جو شرک کی حالت میں فوت ہوجائے اس کی دعائے مغفرت کے لئے بھی دربارِ خداوندی سے حکم امتناعی ہے۔ اس میں یہی حکمت ہے کہ جس خدا کا وہ زندگی بھر شریک قرار دیتا رہا اُسی خدا سے اُس کی مغفرت کی دُعا آخر کس منہ سے مانگی جائے۔

ذیل کی سطور میں ہم سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے آقا و مولیٰ سے بے مثال محبت اور توحید کی تبلیغ و اشاعت کے لئے بے نظیر قربانی وجد و جہد کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

عرب کا ماحول شرک سے بھرا ہوا تھا۔ خود خانہ کعبہ میں جو توحید کا علمبردار تھا اور خدا کا پہلا گھر تھا، 360 بُت نصب تھے۔ ایسے ماحول میں شرک سے بچ کر رہنا ایک محال امر تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپؐ کو شرک کی آلودگی سے محفوظ رکھا۔ بنی نوع انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی کشش رکھی ہوئی ہے۔ یہ کشش ہمارے آقا و مولیٰ سرکارِ دو جہاںؐ کی فطرت میں اس درجہ پر تھی کہ آپؐ کو خدا کی تلاش میں حِرا پہاڑ کے ایک غار میں کشاں کشاں لے جاتی جہاں آپؐ کئی کئی دن تک مسلسل عبادت میں مشغول رہتے اور گھر نہ آتے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی کہ اللہ نے تجھے اپنی تلاش میں اپنے وجود سے، دُنیا و مافیہا سے بے خبر اور کھویا ہوا پایا پس اُس نے تجھے اپنی راہ دکھادی۔

منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد توحید کی تبلیغ و اشاعت میں آپؐ نے جو تکالیف اٹھائیں اور ظلم برداشت کئے، یہ داستان بہت لمبی ہے۔ مکہ والے آپؐ پر خاک ڈالتے، آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں اُونٹ کی اوجھڑی آپؐ کی پیٹھ پر ڈال دی، گالیاں دینا تو ایک عام بات تھی، آپؐ کو اپنے مشن میں ناکام کرنے کے لئے ہر طرح کے مظالم روا رکھے اور ہر طرح کے ہتھکنڈے اپنائے اور آخر پر قتل کا پختہ منصوبہ بنایا۔ طائف میں جب آپؐ گئے تو وہاں کے آوارہ نوجوانوں نے آپؐ کو شدید زخمی کیا۔ آپؐ نے طائف کے رئیس اعظم عبد یالیل کو تبلیغ کی تو نہ صرف یہ کہ وہ آپؐ کے ساتھ تمسخر سے پیش آیا بلکہ اُس نے شہر کے آوارہ نوجوانوں کو آپؐ کے پیچھے لگادیا۔ ’’جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے تو یہ لوگ شور کرتے ہوئے آپؐ کے پیچھے ہولئے اور آپؐ پر پتھر برسانے شروع کئے جس سے **آپکا سارا بدن خُون سے تر بتر ہوگیا۔** برابر تین میل تک یہ لوگ آپؐ کے ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور پتّھر برساتے چلے آئے۔‘‘ (سیرت خاتم النّبیین مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد ایم اے رضی اللہ عنہ صفحہ 204)

’’آپؐ کے اِس سفر کے متعلق دشمنوں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اِس سفر میں آپؐ نے بے نظیر قربانی اور استقلال کا نمونہ دکھایا ہے۔ سر ولیم میور اپنی کتاب ’’لائف آف محمدؐ‘‘ میں لکھتے ہیں:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طائف کے سفر میں ایک شاندار اور شجاعانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ اکیلا آدمی جس کی اپنی قوم نے اُس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اُسے دھتکار دیا خدا کے نام پر بہادری کے ساتھ نینوا کے یوناہ نبی کی طرح ایک **بت پرست شہر کو توبہ کی اور خدائی مشن کی دعوت دینے کے لئے نکلا۔** یہ امر اُس کے اِس ایمان پر کہ وہ اپنے آپ کو کلی طور پر خدا کی طرف سے سمجھتا تھا ایک بہت تیز روشنی ڈالتا ہے۔‘‘ (نبیوں کا سردار از مصلح موعودؓ صفحہ 46)

باقی صفحہ نمبر 71 پر ملاحظہ فرمائیں

ہفت روزہ بدر سالانہ نمبر بعنوان ’’ہستی باری تعالیٰ‘‘

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
اداریہ		1
ہستی باری تعالیٰ کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات		2
ہستی باری تعالیٰ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ		3
ہستی باری تعالیٰ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرمعارف ارشادات		5
دس دلائل ہستی باری تعالیٰ	(حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)	7
ہمارا خدا	(حضرت مرزا بشیر احمد ایم اے رضی اللہ عنہ)	12
صفات باری تعالیٰ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں	(مامون الرشید تبریز)	15
ہستی باری تعالیٰ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں	(اطہر احمد شمیم)	20
ہمارا خدا-زندہ خدا	(محمد انعام غوری)	25
ہستی باری تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی تائید و نصرت کی روشنی میں	(محمد کریم الدین شاہد)	28
ہستی باری تعالیٰ کے عظیم الشان عاشق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	(سلیق احمد نائک)	31
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق الٰہی-واقعات کی روشنی میں	(سید سعید الدین احمد)	33
انسانی زندگی کا مقصد عبادت الٰہی ہے	(مشتاق احمد خان)	35
ہستی باری تعالیٰ قبولیت دعا کے آئینہ میں	(سید کلیم الدین احمد)	37
سورۃ فاتحہ میں ہستی باری تعالیٰ کی چار بنیادی صفات	(لئیق احمد ڈار)	40
تعلق باللہ کے ذرائع	(فلاح الدین قمر)	43
جماعت احمدیہ کا لٹریچر اور ہستی باری تعالیٰ	(حافظ سید رسول نیاز)	47
محبت الٰہی انسان کی فطرت میں داخل ہے	(سید طفیل احمد شہباز)	52
ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل	(محمد شریف کوثر)	55
منکرین ہستی باری تعالیٰ کے دلائل اور ان کا ردّ	(محمد عارف ربانی)	58
توحید الٰہی اور مذاہب عالم	(کے این محمد شفیق)	63
ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت دیگر کتب مقدسہ کی روشنی میں	(قمر الحق خان)	66
ہستی باری تعالیٰ کے متعلق دیگر مذاہب کے غلط خیالات کا ردّ	(شیخ مجاہد احمد)	68

......☆......☆......☆......

اللہ ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قائم بالذات ہے

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات

اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ (سورۃ البقرہ آیت:164)

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی رحمٰن (اور) رحیم۔

اللہ زمین و آسمان کا نُور ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (سورہ نُور آیت:36)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے۔

زندگی اور موت اللہ ہی کی طرف سے ہے

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ آیت:29)

ترجمہ: تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو جبکہ تم مُردہ تھے پھر اُس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ (سورۃ الرحمٰن آیت:27-28)

ترجمہ: ہر چیز جو اس پر ہے فانی ہے مگر تیرے ربّ کا جاہ وحشم باقی رہے گا جو صاحبِ جلال و اکرام ہے۔

ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قائم بالذات ہے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ (سورۃ البقرہ آیت:256)

ترجمہ: اللہ! اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قائم بالذات ہے اُسے نہ تو اُونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اُسی کیلئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کون ہے جو اُسکے حضور شفاعت کرے مگر اُسکے اِذن کے ساتھ وہ جانتا ہے جو اُنکے سامنے ہے اور جو اُنکے پیچھے ہے اور وہ اسکے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے اُس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین پر ممتد ہے اور اُن دونوں کی حفاظت اُسے تھکاتی نہیں۔ اور وہ بہت بلند شان (اور) بڑی عظمت والا ہے۔

اللہ بے احتیاج ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ۚ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (سورۃ الاخلاص)

ترجمہ: تُو کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل آیت:45)

ترجمہ: اُسی کی تسبیح کر رہے ہیں سات آسمان اور زمین اور جو بھی اُن میں ہے۔ اور کوئی چیز نہیں مگر وہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہی ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ وہ یقیناً بہت بُردبار اور بخشنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کا پتا دیتا ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۚ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (سورہ الانعام آیت 104)

ترجمہ: آنکھیں اُس کو نہیں پا سکتیں ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔

اللہ انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ (سورہ قٓ آیت 17)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں کہ اُس کا نفس اُسے کیسے کیسے وساوس میں ڈالتا ہے اور ہم اس سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

جسے چاہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (سورہ آل عمران آیت:27)

ترجمہ: تُو کہہ دے اَے میرے اللہ! سلطنت کے مالک! تُو جسے چاہے فرمانروائی عطا کرتا ہے اور جس سے چاہے فرمانروائی چھین لیتا ہے اور تُو جسے چاہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تُو ہر چیز پر جسے تُو چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

......☆......☆......☆......

اَے میرے بندو! مَیں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر رکھا ہے، تم سب گم گشتہ راہ ہو سوائے ان لوگوں کے جن کو مَیں صحیح راستہ کی ہدایت دوں پس مجھ سے ہدایت طلب کرو مَیں تمہیں ہدایت دوں گا

ھستی باری تعالٰی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ

عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا بِهٖ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَل كَذَّبَنِيْ عَبْدِيْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِيْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ، تَكْذِيْبُهٗ اِيَّايَ اَنْ يَّقُوْلَ فَلَنْ يُّعِيْدَنَا كَمَا بَدَأَنَا، وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِيَّايَ يَقُوْلُ اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا، وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِّيْ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (مسند احمد، بحوالہ حدیقۃ الصالحین، حدیث نمبر 11)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میری تکذیب کرتا ہے حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ وہ مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ اسے ایسا کرنے کا حق نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانے سے مُراد یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ دوبارہ ہمیں اس طرح پیدا نہیں کر سکتا جس طرح اس نے ہمیں پہلے پیدا کیا ہے اور مجھے گالی دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میری ذات صمد یعنی بے نیاز ہے اور نہ میرا کوئی بیٹا ہے اور نہ میں جنا گیا ہوں یعنی نہ میں کسی کا بیٹا ہوں اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہو سکتا ہے۔

عنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَّهٗ قَالَ يَا عِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا ، يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِيْ اَهْدِيْكُمْ ، يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ اُطْعِمْكُمْ ، يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهٗ فَاسْتَكْسُوْنِيْ اَكْسُكُمْ، يَاعِبَادِيْ اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ اَغْفِرْلَكُمْ، يَاعِبَادِيْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ، يَاعِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا، يَاعِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا، يَاعِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَاَلُوْنِيْ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْئَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ، يَا عِبَادِيْ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔

(مسلم کتاب البِرّ والصِّلَةِ باب تَحْرِيْمِ الظُّلْمِ، بحوالہ حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 12)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندو! مَیں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر رکھا ہے۔ تم سب گم گشتہ راہ ہو سوائے ان لوگوں کے جن کو مَیں صحیح راستہ کی ہدایت دوں۔ پس مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ مَیں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں۔ پس مجھ سے ہی رزق طلب کرو۔ مَیں تم کو رزق دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو مَیں لباس پہناؤں۔ پس مجھ سے لباس مانگو مَیں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرو تو بھی مَیں تمہارے گناہ بخش سکتا ہوں پس مجھ سے ہی بخشش مانگو مَیں تمہیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ نقصان پہنچانے کا ارادہ کرو اور نہ ہی تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو کہ نفع پہنچانے کی کوشش کرو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جن و اِنس سب کے سب اوّل درجہ کے متقی اور پرہیزگار بن جائیں اور اس شخص کی طرح بن جائیں جو تم میں سے سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہے تو تمہارا ایسا ہو جانا بھی میری بادشاہت میں ایک ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جن و اِنس تم میں سے جو سب سے زیادہ بدکار ہے اس کے قلبِ بدنہاد کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہت میں کسی چیز کی کمی نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جنّ و اِنس ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور مجھ سے حاجات مانگیں اور مَیں ہر ایک انسان کی حاجات پوری کر دوں تو بھی میرے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی جتنی سمندر میں سُوئی ڈال کر اس کو باہر نکالنے سے سمندر کے پانی میں کمی آتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کا مَیں نے حساب کیا ہے۔ مَیں تم کو اُن کا پورا پورا بدلہ دونگا۔ پس جس شخص کا اچھا نتیجہ نکلے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور جو شخص اس کے علاوہ کوئی اور چیز پائے۔ یعنی ناکامی کا منہ دیکھے تو وہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے کہ اس کی اپنی ہی بدعملی کا نتیجہ ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَاَنَا مَعَهٗ حِيْنَ يَذْكُرُنِيْ فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَاِنِ اقْتَرَبَ اِلَيَّ شِبْرًا اِقْتَرَبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَاِنِ اقْتَرَبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا اِقْتَرَبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً۔ (ترمذی ابواب الدعوات، بحوالہ حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 80)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بندے کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ جس وقت بندہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے گا تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کروں گا۔ اور اگر وہ میرا ذکر محفل میں کرے گا تو میں اس بندے کا ذکر اس سے بہتر محفل میں کروں گا۔ اگر وہ میری جانب ایک بالشت بھر آئے گا تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ جاؤں گا۔ اگر میری طرف وہ ایک ہاتھ آئے گا تو میں اس کی طرف دو ہاتھ جاؤں گا۔ اگر وہ میری طرف چل کر آئے گا تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاؤں گا۔

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنۡهُمَا قَالَ قَرَأَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الۡاٰيَةَ وَهُوَ عَلَى الۡمِنۡبَرِ : وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌۢ بِيَمِيۡنِهٖ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۔ قَالَ يَقُوۡلُ اللّٰهُ اَنَا الۡجَبَّارُ، اَنَا الۡمُتَكَبِّرُ، اَنَا الۡمَلِكُ، اَنَا الۡمُتَعَالُ يُمَجِّدُ نَفۡسَهٗ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يُرَدِّدُهَا، حَتّٰى رَجَفَ بِهَا الۡمِنۡبَرُ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيَخِرُّ بِهٖ۔

(مسند احمد بحوالہ حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 10)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ آیت پڑھی ’’آسمان لپٹے ہوئے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند اُن شریکوں سے جو لوگ اس کے مقابل میں ٹھہراتے ہیں‘‘ حضورؐ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’مَیں بڑی طاقتوں والا اور نقصان کی تلافی کرنے والا ہوں۔ میرے لئے ہی بڑائی ہے۔ مَیں بادشاہ ہوں۔ مَیں بلند شان والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اپنی ذات کی مجد اور بزرگی بیان کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کو بار بار بڑے جوش سے دہرا رہے تھے یہاں تک کہ منبر لرزنے لگا اور ہمیں خیال ہوا کہ کہیں آپ منبر سے گر ہی نہ جائیں۔

عَنۡ اَبِيۡ هُرَيۡرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ : قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسۡعَةً وَتِسۡعِيۡنَ اِسۡمًا مَنۡ اَحۡصَاهَا دَخَلَ الۡجَنَّةَ هُوَ الَّذِيۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ، الرَّحِيۡمُ، الۡمَلِكُ، الۡقُدُّوۡسُ، السَّلَامُ، الۡمُؤۡمِنُ، الۡمُهَيۡمِنُ، الۡعَزِيۡزُ، الۡجَبَّارُ، الۡمُتَكَبِّرُ، اَلۡخَالِقُ، الۡبَارِئُ، الۡمُصَوِّرُ، الۡغَفَّارُ، الۡقَهَّارُ، الۡوَهَّابُ، الرَّزَّاقُ، الۡفَتَّاحُ، الۡعَلِيۡمُ، الۡقَابِضُ، الۡبَاسِطُ، الۡخَافِضُ، الرَّافِعُ، الۡمُعِزُّ، الۡمُذِلُّ، السَّمِيۡعُ، الۡبَصِيۡرُ، الۡحَكَمُ، الۡعَدۡلُ، اللَّطِيۡفُ، الۡخَبِيۡرُ، الۡحَلِيۡمُ، الۡعَظِيۡمُ، الۡغَفُوۡرُ، الشَّكُوۡرُ، الۡعَلِيُّ، الۡكَبِيۡرُ، الۡحَفِيۡظُ، الۡمُقِيۡتُ، الۡحَسِيۡبُ، الۡجَلِيۡلُ، الۡكَرِيۡمُ، الرَّقِيۡبُ، الۡمُجِيۡبُ، الۡوَاسِعُ، الۡحَكِيۡمُ، الۡوَدُوۡدُ، الۡمَجِيۡدُ، الۡبَاعِثُ، الشَّهِيۡدُ، الۡحَقُّ، الۡوَكِيۡلُ، الۡقَوِيُّ، الۡمَتِيۡنُ، الۡوَلِيُّ، الۡحَمِيۡدُ، الۡمُحۡصِيۡ، الۡمُبۡدِئُ، الۡمُعِيۡدُ، الۡمُحۡيِيۡ، الۡمُمِيۡتُ، الۡحَيُّ، الۡقَيُّوۡمُ، الۡوَاجِدُ، الۡمَاجِدُ، الۡوَاحِدُ، الۡاَحَدُ، الصَّمَدُ، الۡقَادِرُ، الۡمُقۡتَدِرُ، الۡمُقَدِّمُ، الۡمُؤَخِّرُ، الۡاَوَّلُ، الۡاٰخِرُ، الظَّاهِرُ، الۡبَاطِنُ، الۡوَالِيۡ، الۡمُتَعَالِيۡ، الۡبَرُّ، التَّوَّابُ، الۡمُنۡتَقِمُ، الۡعَفُوُّ، الرَّءُوۡفُ، مَالِكُ الۡمُلۡكِ، ذُوالۡجَلَالِ وَالۡاِكۡرَامِ، الۡمُقۡسِطُ، الۡجَامِعُ، الۡغَنِيُّ، الۡمُغۡنِيۡ، الۡمَانِعُ، الضَّآرُّ، النَّافِعُ، النُّوۡرُ، الۡهَادِيۡ، الۡبَدِيۡعُ، الۡبَاقِيۡ، الۡوَارِثُ، الرَّشِيۡدُ، الصَّبُوۡرُ۔

(ترمذی کتاب الدعوات، بحوالہ حدیقۃ الصالحین مصنفہ مکرم مولانا ملک سیف الرحمٰن صاحب حدیث نمبر 9)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : (اسم ذات ’’اللہ‘‘ کے علاوہ) اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو زندگی میں ان کو مدّنظر رکھے گا اور ان کا مظہر بننے کی کوشش کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح گنے : اللہ تعالیٰ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بن مانگے دینے والا، بار بار رحم کرنے والا، بادشاہ، ہر قسم کے نقائص سے پاک اور منزّہ، تمام آفات سے بچانے والا، امن دینے والا، ہر قسم کے بگاڑ سے محفوظ رکھنے والا، غالب، نقصان کی تلافی کرنے والا، کبریائی والا، پیدا کرنے والا، نیست سے ہست کرنے والا، صورت گری کرنے والا، ڈھانپنے اور پردہ پوشی کرنے والا، مکمل غلبہ رکھنے والا، بے دریغ عطا کرنے والا، روزی رساں، مشکل کُشا، سب کچھ جاننے والا، روک لینے والا، کشادگی پیدا کرنے والا، پست کرنے والا، بالا کرنے والا، عزّت دینے والا، ذلّت دینے والا، سُننے والا، دیکھنے والا، فیصلہ دینے والا، عدل کرنے والا، باریک بین، باخبر، حِلم والا، عظمت والا، خطاپوش، قدردان، بلند مرتبہ، بڑی شان والا، سب کا حافظ وناصر، حساب کتاب لینے والا، جلالتِ شان والا، صاحبِ کرم، نگہبان، قبول کرنے والا، وسعت والا، حکمت والا، بڑا محبّت کرنے والا، بزرگی والا، دوبارہ زندگی دینے والا، ہمہ بین، ہر کمال کا دائمی اہل، کفایت کرنے والا، صاحبِ قوّت، صاحبِ قدرت، مددگار، لائقِ حمد، شمار کنندہ، پہلی بار پیدا کرنے والا، دوبارہ پیدا کرنے والا، زندگی بخشنے والا، موت دینے والا، زندہ جاوید، قائم بالذّات، بے نیاز، صاحبِ بزرگی، یکتا، یگانہ، مستغنی، قدرت والا، صاحبِ اقتدار، آگے بڑھانے والا، پیچھے ہٹانے والا، پہلا، آخری، عیاں، نہاں، مالک، مُتصرّف، بلند وبالا، نیکوں کی قدر کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، انتقام لینے والا، معاف کرنے والا، نرم سلوک کرنے والا، بادشاہت کا مالک، عظمت وکرامت والا، انصاف کرنے والا، یکجا کرنے والا، بے نیاز، بے نیاز کرنے والا، روکنے والا، ضرر کا مالک، نفع دینے والا، نُور ہی نُور، ہدایت دینے والا، نئی سے نئی ایجاد کرنے والا، صاحبِ بقا، اصل مالک، راہنما، سزا دینے میں دھیما۔

......☆......☆......☆......

اللہ تعالیٰ کی محبت میں
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کچھ پاکیزہ اشعار

ہر اک عاشق نے ہے اک بُت بنایا
ہمارے دل میں یہ دلبر سمایا
وہی آرام جاں اور دل کو بھایا
وہی جس کو کہیں ربّ البرایا
مجھے اس یار سے پیوند جاں ہے
وہی جنت وہی دارالاماں ہے
بیاں اس کا کروں طاقت کہاں ہے
محبت کا تو اک دریا رواں ہے

......☆......☆......☆......

جو ہمارا تھا وہ اب دلبر کا سارا ہوگیا
آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہوگیا
شکر لِلّٰہ مل گیا ہم کو وہ لعل بے بدل
کیا ہوا گر قوم کا دل سنگ خارا ہوگیا

......☆......☆......☆......

لوگوں کے بغضوں اور کینوں سے کیا ہوتا ہے
جس کا کوئی بھی نہیں اُس کا خدا ہوتا ہے
بے خدا کوئی بھی ساتھی نہیں تکلیف کے وقت
اپنا سایہ بھی اندھیرے میں جُدا ہوتا ہے

کیا بد بخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے
ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی

خدا ایک پیارا خزانہ ہے اُس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے
تم بغیر اُس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُر معارف ارشادات

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

تقدیر یعنی دنیا کے اندر تمام اشیاء کا ایک اندازہ اور قانون کے ساتھ چلنا اور ٹھہرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا کوئی مُقدّر یعنی اندازہ باندھنے والا ضرور ہے۔ گھڑی کو اگر کسی نے بالارادہ نہیں بنایا تو وہ کیوں اس قدر ایک باقاعدہ نظام کے ساتھ اپنی حرکت کو قائم رکھ کر ہمارے واسطے فائدہ مند ہوتی ہے۔ ایسا ہی آسمان کی گھڑی کہ اُس کی ترتیب اور باقاعدہ اور باضابطہ انتظام یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بالارادہ خاص مقصد اور مطلب اور فائدہ کے واسطے بنائی گئی ہے۔ اس طرح انسان مصنُوع سے صانع کو اور تقدیر سے مقدّر کو پہچان سکتا ہے۔

لیکن اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے ثبوت کا ایک اور ذریعہ قائم کیا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے برگزیدوں کو کسی تقدیر سے اطلاع دے دیتا ہے اور اُن کو بتلا دیتا ہے کہ فلاں وقت اور فلاں دن میں مَیں نے فلاں امر کو مقدر کر دیا ہے چنانچہ وہ شخص جس کو خدا نے اس کام کے واسطے چُنا ہوا ہوتا ہے، پہلے سے لوگوں کو اطلاع دے دیتا ہے کہ ایسا ہوگا اور پھر ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کے واسطے یہ ایسی دلیل ہے کہ ہر ایک دہریہ اس موقع پر شرمندہ اور لاجواب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہزاروں ایسے نشانات عطا کیے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا ہوتا ہے۔

(ملفوظات، جلد اوّل، صفحہ 286، مطبوعہ قادیان 2018)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

کیا بد بخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوب صورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دَف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔

اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے تم سوئے ہوئے ہوگے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا تم دشمن سے غافل ہوگے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے۔ خدا ایک **پیارا خزانہ** ہے اُس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے تم بغیر اُس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔

(کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 21-22)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

اَے سننے والو سنو!! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے، اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے۔ اور دُور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثّل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے مگر اُس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اُس کے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سر چشمہ ہے تمام خوبیوں کا۔ اور جامع ہے تمام طاقتوں کا۔ اور مبدء ہے تمام فیضوں کا۔ اور مرجع ہے ہر ایک شئے کا۔ اور مالک ہے ہر ایک ملک کا۔ اور متصف ہے ہر ایک کمال سے۔ اور منزّہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے۔ اور مخصوص ہے اِس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اُسی کی عبادت کریں اور اُس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اور تمام روح اور اُن کی طاقتیں اور تمام ذرّات اور اُن کی طاقتیں اُسی کی پیدائش ہیں۔ اُس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور اپنی قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اُس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے اور اپنی قدرتیں اُن کو دکھلاتا ہے اِسی سے وہ شناخت کیا جاتا اور اِسی سے اُس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے۔ اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے۔ اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اُس کا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اُس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اُس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے بغیر اُن امور کے جو اُس کی شان کے مخالف ہیں یا اُس کے مواعید کے برخلاف ہیں۔ اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں۔ اور اُس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں اُن کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدؐیہ اُن سب پر مشتمل اور حاوی ہے۔ اور بجز اِس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لئے اِس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہئے تھا۔

(الوصیت، روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 309)

یہ کہنا قرآنی تعلیم کے رو سے سخت مکروہ گناہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور عظمتیں اور رحمتیں ایک حد پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں

تیسرا مذہب ان دو مذہبوں کے مقابل پر جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں اسلام ہے اس مذہب کی خدا شناسی نہایت صاف صاف اور انسانی فطرت کے مطابق ہے اگر تمام مذہبوں کی کتابیں نابود ہو کر ان کے سارے تعلیمی خیالات اور تصورات بھی محو ہو جائیں تب بھی وہ خدا جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے آئینہ قانون قدرت میں صاف صاف نظر آئے گا اور اس کی قدرت اور حکمت سے بھری ہوئی صورت ہر یک ذرّہ میں چمکتی ہوئی دکھائی دے گی۔ غرض وہ خدا جس کا پتہ قرآن شریف بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیت کریمہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کے ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے اس کی طرف جھکنے کے لئے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے۔ اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے کیونکہ نور قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کے لئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلاشبہ اسی کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی ہر یک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے۔ اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے۔ ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کر لے گا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے پس اگر وہ تعلق خدا کا خالق ہونا نہیں تو کوئی آریہ وغیرہ اس بات کا جواب دیں کہ اس تعلق کی وید وغیرہ میں کیا ماہیت لکھی ہے اور اس کا کیا نام ہے۔ کیا یہی سچ ہے کہ خدا صرف زبردستی ہر یک چیز پر حکومت کر رہا ہے اور ان چیزوں میں کوئی طبعی قوت اور شوق خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے کا نہیں ہے۔ معاذ اللہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ایسا خیال کرنا نہ صرف حماقت بلکہ پرلے درجہ کی خباثت بھی ہے مگر افسوس کہ آریوں کے وید نے خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کر کے اس روحانی تعلق کو قبول نہیں کیا جس پر طبعی اطاعت ہر یک چیز کی موقوف ہے اور چونکہ دقیق معرفت اور دقیق گیان سے وہ ہزاروں کوس دور تھے۔ لہٰذا یہ سچا فلسفہ ان سے پوشیدہ رہا ہے کہ ضرور تمام اجسام اور ارواح کو ایک فطرتی تعلق اس ذات قدیم سے پڑا ہوا ہے اور خدا کی حکومت صرف بناوٹ اور زبردستی کی حکومت نہیں بلکہ ہر یک چیز اپنی روح سے اس کو سجدہ کر رہی ہے کیونکہ ذرہ ذرہ اس کے بے انتہا احسانوں میں مستغرق اور اس کے ہاتھ سے نکلا ہوا ہے مگر افسوس کہ تمام مخالف مذہب والوں نے خدا تعالیٰ کے وسیع دریائے قدرت اور رحمت اور تقدس کو اپنی تنگ دلی کی وجہ سے زبردستی روکنا چاہا ہے اور انہیں وجوہ سے ان کے فرضی خداؤں پر کمزوری اور ناپاکی اور بناوٹ اور بے جا غضب اور بے جا حکومت کے طرح طرح کے داغ لگ گئے ہیں لیکن اسلام نے خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کی تیز رو دھاروں کو کہیں نہیں روکا وہ آریوں کی طرح اس عقیدہ کی تعلیم نہیں دیتا کہ زمین و آسمان کی روحیں اور ذرات اجسام اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں اور جس کا پرمیشر نام ہے وہ کسی نامعلوم سبب سے محض ایک راجہ کے طور پر ان پر حکمران ہے اور نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھلاتا ہے کہ خدا نے انسان کی طرح ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا...... اسلام ان سب نقصانوں اور ناپاک حالتوں سے خدائے حقیقی ذوالجلال کو منزہ اور پاک سمجھتا ہے اور اس وحشیانہ غضب سے بھی اس کی ذات کو برتر قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی کے گلے میں پھانسی کا رسہ نہ ڈالے تب تک اپنے بندوں کے بخشنے کے لئے کوئی سبیل اس کو یاد نہ آوے اور خدا تعالیٰ کے وجود اور صفات کے بارے میں قرآن کریم یہ سچی اور پاک اور کامل معرفت سکھاتا ہے کہ اس کی قدرت اور رحمت اور عظمت اور تقدس بے انتہا ہے اور یہ کہنا قرآنی تعلیم کے رو سے سخت مکروہ گناہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور عظمتیں اور رحمتیں ایک حد پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں یا کسی موقعہ پر پہنچ کر اس کا ضعف اسے مانع آ جاتا ہے بلکہ اس کی تمام قدرتیں اس مستحکم قاعدہ پر چل رہی ہیں کہ باستثنا ان امور کے جو اس کے تقدس اور کمال اور صفات کاملہ کے مخالف ہیں یا اس کے مواعید غیر متبدلہ کے منافی ہیں باقی جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ (معیارُ المذاہب رُوحانی خزائن جلد 9 صفحہ 486)

احقر کو میرے پیارے اِک دم نہ دُور کرنا

پاکیزہ منظوم کلام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی آمین کے وقت کہے گئے اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے کچھ پاکیزہ اشعار

حمد و ثنا اُسی کو جو ذات جاودانی — ہمسر نہیں ہے اس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اس کے سب ہیں فانی — غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اک دل کا یار جانی
دل میں مرے یہی ہے سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے پاک پاک قدرت عظمت ہے اس کی عظمت — لرزاں ہیں اہل قربت کرّوبیوں پہ ہیبت
ہے عام اس کی رحمت کیونکر ہو شکر نعمت — ہم سب ہیں اس کی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا الفت کب چاہے اس کی غیرت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

جو کچھ ہمیں ہے راحت سب اس کی جود و منت — اس سے ہے دل کی بیعت دل میں ہے اس کی عظمت
بہتر ہے اس کی طاعت، طاعت میں ہے سعادت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا — ہم کو وہی پیارا دلبر وہی ہمارا
اس بن نہیں گزارا، غیر اس کے جھوٹ سارا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یاربّ ہے تیرا احساں مَیں تیرے در پہ قرباں — تُو نے دیا ہے ایماں تُو ہر زماں نگہباں
تیرا کرم ہے ہر آں تُو ہے رحیم و رحماں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

کیونکر ہو شکر تیرا، تیرا ہے جو ہے میرا — تُو نے ہر اِک کرم سے گھر بھر دیا ہے میرا
جب تیرا نُور آیا جاتا رہا اندھیرا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اَے قادر و توانا آفات سے بچانا — ہم تیرے در پہ آئے ہم نے ہے تجھ کو مانا
غیروں سے دل غنی ہے جب سے ہے تجھ کو جانا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

احقر کو میرے پیارے اِک دم نہ دُور کرنا — بہتر ہے زندگی سے تیرے حضور مرنا
واللہ خوشی سے بہتر، غم سے ترے گزرنا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

سب کام تُو بنائے لڑکے بھی تجھ سے پائے — سب کچھ تری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے
تُو نے ہی میرے جانی، خوشیوں کے دن دکھائے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

میری دعائیں ساری کریو قبول باری — مَیں جاؤں تیرے واری کر تُو مدد ہماری
ہم تیرے در پہ آئے لے کر اُمید بھاری
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

دس دلائل ہستی باری تعالیٰ

(از۔ سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اس زمانہ میں عقائد وایمانیات پر جو مادی دنیا نے اعتراضات کئے ہیں ان میں سے سب سے بڑا مسئلہ انکار ذات باری ہے۔ مشرک گو خدا کا شریک ان کو بناتا ہے لیکن کم سے کم خدا تعالیٰ کے وجود کا تو قائل ہے۔ دہریہ بالکل ہی انکاری ہے۔ موجودہ سائنس نے ہر چیز کی بنیاد مشاہدات پر رکھی ہے اس لئے دہریہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کوئی خدا ہے تو ہمیں دکھاؤ ہم بغیر دیکھے کے اسے کیونکر مان لیں۔ چونکہ اس وقت کی ہوا نے اکثر نوجوانوں کے دلوں میں اس پاک ذات کے نقش کو مٹا دیا ہے اور کالجوں کے سینکڑوں طالب علم اور بیرسٹر وغیرہ وجود باری کے منکر ہو رہے ہیں اور انکی تعداد روز افزوں ہے اور ہزاروں آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو بظاہر قوم وملک کے خوف سے اظہار تو نہیں کرتے لیکن فی الحقیقت اپنے دلوں میں وہ خدا پر کچھ یقین نہیں رکھتے۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے تو میں اس پر ایک چھوٹا سا ٹریکٹ لکھ کر شائع کروں شاید کسی سعید روح کو اس سے فائدہ پہنچ جائے۔

(1) دہریوں کا پہلا سوال یہ ہے کہ اگر خدا ہمیں دکھا دو تو ہم مان لیتے ہیں۔

مجھے اس سوال کے سننے کا کئی بار موقع ملا ہے لیکن ہمیشہ اسکے سننے سے حیرت ہوتی ہے انسان مختلف چیزوں کو مختلف حواس سے پہچانتا ہے کسی چیز کو دیکھ کر، کسی کو چھو کر، کسی کو سونگھ کر، کسی کو سن کر، کسی کو چکھ کر، رنگ کا علم دیکھنے سے ہو سکتا ہے سونگھنے یا چھونے یا چکھنے سے نہیں پھر اگر کوئی شخص کہے کہ میں تو رنگ کو تب مانوں گا کہ اگر مجھے اسکی آواز سنواؤ تو کیا وہ شخص بیوقوف ہے یا نہیں۔ اسی طرح آواز کا علم سننے سے ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے فلاں شخص کی آواز دکھاؤ پھر میں دیکھ کر مانوں گا کہ وہ بولتا ہے تو کیا ایسا شخص جاہل ہوگا یا نہیں۔ ایسا ہی خوشبو سونگھ کر معلوم ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شخص طلب کرے کہ اگر تم مجھے گلاب کی خوشبو چکھا دو تو تب میں مانوں گا تو کیا ایسے شخص کو دانا کہہ سکیں گے۔ اسکے خلاف چکھ کر معلوم کرنے والی چیزوں یعنی ترشی، شیرینی، کڑواہٹ، نمکینی کو اگر کوئی سونگھ کر معلوم کرنا چاہے تو کبھی نہیں کر سکتا پس یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو چیز سامنے نظر آئے اسے تو ہم مان لیں اور جو چیز سامنے نظر نہ آئے اسے نہ مانیں ورنہ اس طرح تو گلاب کی خوشبو، لیموں کی ترشی، شہد کی مٹھاس، مصبّر کی کڑواہٹ، لوہے کی سختی، آواز کی خوبی سب کا انکار کرنا پڑیگا کیونکہ یہ چیزیں تو نظر نہیں آتیں بلکہ سونگھنے چکھنے چھونے اور سننے سے معلوم ہوتی ہیں پس یہ اعتراض کیسا غلط ہے کہ خدا کو ہمیں دکھاؤ تب ہم مانیں گے کیا۔ یہ معترض گلاب کی خوشبو کو دیکھ کر مانتے ہیں یا شہد کی شیرینی کو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ شرط پیش کی جاتی ہے کہ دکھا دو تب مانیں گے۔

علاوہ ازیں انسان کے وجود میں خود ایسی چیزیں موجود ہیں کہ جن کو بغیر دیکھے کے یہ مانتا ہے اور اسے ماننا پڑتا ہے۔ کیا سب انسان اپنے دل جگر دماغ انتڑیاں پھیپھڑے اور تلی کو دیکھ کر مانتے ہیں یا بغیر دیکھے کے۔ اگر ان چیزوں کو اس کے دکھانے کیلئے نکالا جاوے تو انسان اسی وقت مر جائے اور دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہ مثالیں تو میں نے اس بات کی دی ہیں کہ سب چیزیں صرف دیکھنے سے ہی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ پانچ مختلف حواس سے ان کا علم ہوتا ہے۔ اب میں بتاتا ہوں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جنکا علم بلا واسطہ ان پانچوں حواس سے بھی نہیں ہوتا بلکہ ان کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہی اور ہے۔ مثلاً عقل یا حافظہ یا ذہن ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا انکار دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا لیکن کیا کسی نے عقل کو دیکھا ہے یا سنا یا چکھا یا سونگھا یا چھؤا ہے پھر کیونکر معلوم ہوا کہ عقل کوئی چیز ہے یا حافظہ کا کوئی وجود ہے۔ پھر قوت ہی کو لے لو ہر انسان میں تھوڑی بہت قوت موجود ہے کوئی کمزور ہو یا طاقت ور مگر کچھ نہ کچھ طاقت ضرور رکھتا ہے مگر کیا قوت کو آج تک کسی نے دیکھا یا سنا یا چھوایا چکھا ہے پھر کیونکر معلوم ہوا کہ قوت بھی کوئی چیز ہے اس بات کو ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ ان چیزوں کو ہم نے اپنے حواس سے معلوم نہیں کیا بلکہ ان کے اثرات کو معلوم کر کے انکا پتا لگایا ہے مثلاً جب ہم نے دیکھا کہ انسان مختلف مشکلات میں گھِر کر کچھ دیر غور کرتا ہے اور کوئی ایسی تدبیر نکالتا ہے جس سے وہ اپنی مشکلات دور کر لیتا ہے جب اس طرح مشکلات کو حل ہوتے ہوئے ہم نے دیکھا تو یقین کر لیا کہ کوئی چیز ایسی انسان میں موجود ہے جو ان موقعوں پر اس کے کام آتی ہے اور اس چیز کا نام ہم نے عقل رکھا۔ پس عقل کو بلا واسطہ ہم نے پانچوں حواسوں میں سے کسی سے بھی دریافت نہیں کیا بلکہ اسکے کرشموں کو دیکھ کر اسکا علم حاصل کیا اسی طرح جب ہم نے انسان کو بڑے بڑے بوجھ اٹھاتے دیکھا تو معلوم کیا کہ اس میں کچھ ایسا مادہ ہے جسکی وجہ سے یہ بوجھ اٹھا سکتا ہے اپنے سے کمزور چیزوں کو قابو کر لیتا ہے اور اس کا نام قوت یا طاقت رکھ دیا۔

اس طرح جس قدر لطیف سے لطیف اشیاء کو لیتے جاؤ گے انکے وجود انسانوں کی نظروں سے غائب ہی نظر آئیں گے اور ہمیشہ ان کے وجود کا پتہ ان کے اثر سے معلوم ہوگا نہ کہ خود انہیں دیکھ کر یا سونگھ کر یا چکھ اور چُھو کر۔

پس اللہ تعالیٰ کی ذات جو الطف سے الطف ہے اسکا علم حاصل کرنے کیلئے ایسی ایسی قیدیں لگانی کس طرح جائز ہو سکتی ہیں کہ آنکھوں کے دیکھے بغیر اسے نہیں مانیں گے کیا بجلی کو کہیں کسی نے دیکھا پھر کیا الیکٹری سٹی کی مدد سے جو تار خبریں پہنچتی ہیں یا مشینیں چلتی ہیں یا روشنی کی جاتی ہے اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ ایتھر کی تحقیقات نے فزیکل علوم کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے لیکن کیا اب تک سائنس کے ماہرین اسکے دیکھنے سننے سونگھنے چھونے یا چکھنے کا کوئی ذریعہ نکال سکے۔ لیکن اس کا وجود نہ مانیں تو پھر یہ بات حل ہی نہیں ہو سکتی کہ سورج کی روشنی دنیا تک پہنچتی کیونکر ہے۔ پس کیسا ظلم ہے کہ ان شواہد کے ہوتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ خدا کو دکھاؤ تو ہم مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نظر تو آتا ہے لیکن انہیں آنکھوں سے جو اسکے دیکھنے کے قابل ہیں۔ ہاں اگر کوئی اسکے دیکھنے کا خواہشمند ہو تو وہ اپنی قدرتوں اور طاقتوں سے دنیا کے سامنے ہے اور باوجود پوشیدہ ہونے کے سب سے زیادہ ظاہر ہے۔ قرآن شریف میں اس مضمون کو نہایت ہی مختصر لیکن بے نظیر پیرایہ میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الانعام: 104) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں بلکہ وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ لطیف اور خبردار ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ تیری نظر اس قابل نہیں کہ خدا کی ذات کو دیکھ سکے کیونکہ وہ تو لطیف ذات ہے اور لطیف اشیاء تو نظر نہیں آتیں جیسا کہ قوت ہے عقل ہے روح ہے بجلی ہے ایتھر ہے یہ چیزیں کبھی کسی کو نظر نہیں آتیں پھر خدا کی لطیف ذات تک انسان کی نظریں کب پہنچ سکتی ہیں۔ ہاں پھر خدا کو لوگ کس طرح دیکھ سکتے ہیں اور اسکی معرفت کے حاصل کرنے کا کیا طریق ہے اسکا جواب دیا کہ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ یعنی خود وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور باوجود اسکے کہ انسانی نظر کمزوری کی وجہ سے اسکی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی وہ اپنی طاقت اور قوت کے اظہار سے وہ اپنی صفات کاملہ کے جلوہ سے اپنا وجود آپ انسان کو دکھاتا ہے اور گو نظر انسانی اس کے دیکھنے سے قاصر ہے مگر وہ خود اپنا وجود اپنی لاانتہاء قوتوں اور قدرتوں سے مختلف پیراؤں میں ظاہر کرتا ہے کبھی قہری نشانوں سے کبھی انبیاءؑ کے ذریعہ سے کبھی آثار رحمت سے اور کبھی قبولیت دعا سے۔

اب اس بات کے ثابت کر چکنے کے بعد کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ماننا اس بات پر منحصر کیا جائے کہ ہم اسے دکھا دیں اور سوائے دیکھنے کے کسی چیز کو مانا ہی نہ جائے تو دنیا کی قریباً 4/5 اشیاء کا انکار کرنا پڑیگا اور بعض فلاسفروں کے قول کے مطابق تو کل اشیاء کا۔ کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ دنیا میں کوئی چیز نظر نہیں آتی بلکہ صرف صفات ہی صفات نظر آتی ہیں۔ اب میں اسطرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ کون سے دلائل ہیں جن سے وجود باری تعالیٰ کا پتہ لگتا ہے اور انسان کو یقین ہوتا ہے کہ میرا خالق کوئی اور ہے اور میں ہی اپنا خالق نہیں۔

دلیل اوّل

میں اپنے اس عقیدہ کے ماتحت کہ قرآن شریف نے کمالات روحانی کے حصول کے تمام ذرائع بیان فرمائے ہیں۔ ہستی باری کے کل دلائل قرآن شریف سے ہی پیش کرونگا۔ وَمِنَ اللّٰہِ التَّوْفِیْقُ اور چونکہ سب سے پہلا علم جو انسان کو اس دنیا میں آکر ہوتا ہے وہ کانوں سے ہوتا ہے اسلئے میں بھی سب سے پہلے سماعی دلیل ہی لیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ○ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ○ (الاعلیٰ: 15 تا 20) یعنی مظفر و منصور ہو گیا وہ شخص کہ جو پاک ہؤا اور اسنے اپنے رب کا زبان سے اقرار کیا اور پھر زبان سے ہی نہیں بلکہ عملی طور سے عبادت کر کے اپنے اقرار کا ثبوت دیا لیکن تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار

کرتے ہو حالانکہ انجام کار کی بہتری ہی اصل بہتری اور دیر پا ہے۔اور یہ بات صرف قرآن شریف ہی پیش نہیں کرتا بلکہ سب پہلی کتابوں میں یہ دعویٰ موجود ہے چنانچہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ نے جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی اسمیں بھی یہ تعلیم موجود ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ قرآن پر یہ حجت پیش کی ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں سے بچنے والے خدا کی ذات کا اقرار کرنیوالے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب اور مظفر ہوتے ہیں۔اور اس تعلیم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بات پہلے مذاہب میں مشترک ہے چنانچہ اس وقت کے بڑے مذاہب مسیحی یہودی اور کفار مکہ پر حجت کیلئے حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی مثال دیتا ہے کہ ان کو تو تم مانتے ہو انہوں نے بھی یہ تعلیم دی ہے پس قرآن شریف نے ہستی باری تعالیٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی دیا ہے کہ کل مذاہب اس پر متفق ہیں اور سب اقوام کا یہ مشترک مسئلہ ہے چنانچہ جس قدر اس دلیل پر غور کیا جائے نہایت صاف اور سچی معلوم ہوتی ہے۔حقیقت میں کل مذاہب دنیا اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے کل جہان کو پیدا کیا۔مختلف ممالک اور احوال کے تغیر کی وجہ سے خیالات اور عقائد میں بھی فرق پڑتا ہے لیکن باوجود اس کے جس قدر تاریخی مذاہب ہیں سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللسان ہیں گو اسکی صفات کے متعلق ان میں اختلاف ہو موجودہ مذاہب یعنی اسلام، مسیحیت، یہودیت، بدھ ازم، سکھ ازم، ہندو ازم اور زرتشتی سب کے سب ایک خدا ایلو ہیم، پرم ایشور، پرم آتما، ست گرو، یا یزدان کے قائل ہی ہیں مگر جو مذاہب دنیا کے پردہ سے مٹ چکے ہیں ان کے متعلق بھی آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا کے قائل اور معتقد تھے۔خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جدا شدہ ملک میں پیدا ہوئے ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں خواہ روما میں خواہ انگلستان میں خواہ جاوا و سماٹرا میں خواہ جاپان اور چین میں خواہ سائبیریا و منچوریا میں۔یہ اتفاق مذاہب کیونکر ہوا اور کون تھا جس نے امریکہ کے رہنے والے باشندوں کو ہندوستان کے عقائد سے یا چین کے باشندوں کو اہل افریقہ کے عقائد سے آگاہ کیا۔پہلے زمانہ میں ریل و تار اور ڈاک کا یہ انتظام تو تھا نہیں جو اَب ہے۔نہ اس طرح جہازوں کی آمدورفت کی کثرت تھی گھوڑوں اور خچروں کی سواری تھی اور بادبانی جہاز آجکل کے دنوں کا سفر مہینوں میں کرتے تھے اور بہت سے علاقے تو اس وقت دریافت بھی نہ ہوئے تھے پھر ان میں مختلف المذاق اور مختلف الرسوم اور ایک دوسرے سے نا آشنا ممالک میں اس ایک عقیدہ پر کیونکر اتفاق ہو گیا۔من گھڑت ڈھکوسلوں میں تو دو آدمیوں کا اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے پھر کیا اس قدر قوموں کا اور ملکوں کا اتفاق جو آپس میں کوئی تبادلہ خیالات کا ذریعہ نہ رکھتی تھیں اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ عقیدہ ایک امر واقعہ ہے اور کسی نا معلوم ذریعہ سے جسے اسلام نے کھول دیا ہے ہر قوم پر اور ہر ملک میں اسکا اظہار کیا گیا ہے۔اہل تاریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس مسئلہ پر مختلف اقوام کے مؤرّخ متفق ہو جاویں اسکی راستی میں شک نہیں کرتے۔پس جب اس مسئلہ پر ہزاروں لاکھوں قوموں نے اتفاق کیا ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ کسی جلوہ کو دیکھ کر ہی سب دنیا اس خیال کی قائل ہوئی ہے۔

دلیل دوم

دوسری دلیل جو قرآن شریف میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق دی ہے ان آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ○ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ○ (الانعام:84 تا87) پھر کچھ آیات کے بعد فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام:91) یعنی ایک دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابل میں دی اور ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں تحقیق تیرا رب بڑا حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے اسے اسحاق و یعقوب دیئے ہر ایک کو ہم نے سچا راستہ دکھایا اور نوح کو بھی ہم نے سچا راستہ دکھایا اس سے پہلے اور اسکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان ایوب یوسف موسیٰ اور ہارون کو بھی اور ہم نیک اعمال میں کمال کرنے والوں کے ساتھ اسی طرح سلوک کیا کرتے ہیں اور زکریا یحیٰی عیسیٰ اور الیاس کو بھی راہ دکھایا اور یہ سب لوگ نیک تھے اور اسمٰعیل اور یسع اور لوط کو بھی راستہ دکھایا اور ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی تھی اور پھر فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو خدا نے ہدایت دی پس تو ان کے طریق کی پیروی کر۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس قدر نیک اور پاک لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جائے یا وہ بات جو دوسرے ناواقف لوگ کہتے ہیں اور اپنے چال چلن سے ان کے چال چلن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔سیدھی بات ہے کہ انہیں لوگوں کی بات کو وقعت دی جاویگی جو اپنے چال چلن اور اپنے عمل سے دنیا پر اپنی نیکی اور پاکیزگی اور گناہوں سے بچنا اور جھوٹ سے پرہیز کرنا ثابت کر چکے ہیں پس ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ انہیں کا تتبّع کرے اور ان کے مقابل میں دوسرے لوگوں کی بات کا انکار کر دے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور خلق کے پھیلانے والے گزرے ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دنیا پر اپنی راستی کا سکہ بٹھا دیا تھا وہ سب کے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جسے مختلف زبانوں میں اللہ یا گاڈ یا پرمیشور کہا گیا ہے ہندوستان کے راستباز رامچندرؑ کرشنؑ، ایران کا راستباز زرتشتؑ، مصر کا راستباز موسیٰؑ، ناصرہ کا راستباز مسیحؑ، پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس کو اسکی قوم نے بچپن سے صادق کا خطاب دیا اور جو کہتا ہے کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا (یونس:17) میں نے تو تم میں اپنی عمر گزاری ہے کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو اور اسکی قوم کوئی اعتراض نہیں کرتی اور ان کے علاوہ اور ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دنیا میں ہوئے ہیں یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہم کلام ہوئے۔بڑے سے بڑے فلاسفر جنہوں نے دنیا میں کوئی کام کیا ہو وہ ان میں سے ایک کے کام کا ہزارواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتے بلکہ اگر ان لوگوں اور فلاسفروں کی زندگی کا مقابلہ کیا جائے تو فلاسفروں کی زندگی میں اقوال سے بڑھ کر افعال کے باب بہت ہی کم نظر آئیں گے۔وہ صدق اور راستی جو انہوں نے دکھائی وہ فلاسفر کہاں دکھا سکے؟ وہ لوگوں کو راستی کی تعلیم دیتے ہیں مگر خود جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے۔لیکن اسکے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا نام میں اوپر لے چکا ہوں صرف راستی کی خاطر ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن کبھی ان کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلا انکے قتل کرنے کے منصوبے کئے گئے۔ان کو وطنوں سے خارج کیا گیا، ان کو گلیوں اور بازاروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی، ان سے کل دنیا نے قطع تعلق کر لیا مگر انہوں نے اپنی بات نہ چھوڑی اور کبھی نہ کیا کہ لوگوں کی خاطر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بچا لیتے اور ان کے عمل نے، انکی دنیا سے نفرت نے، نمائش سے علیحدگی نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ بے غرض تھے اور کسی نفسانی غرض سے کوئی کام نہ کرتے تھے۔پھر ایسے صادق ایسے قابل اعتبار یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اسکی آواز سنی اور اسکے جلوے کا مشاہدہ کیا تو ان کے قول کا انکار کرنے کی کسی کے پاس کیا وجہ ہے۔جن لوگوں کو ہم روز جھوٹ بولتے سنتے ہیں وہ بھی چند مل کر ایک بات کی گواہی دیتے ہیں تو ماننا ہی پڑتا ہے جن کے احوال سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں وہ اخباروں میں اپنی تحقیقات شائع کرتے ہیں تو ہم تسلیم کر لیں گے مگر نہیں مانتے تو ان راستبازوں کا کلام نہیں مانتے۔دنیا کہتی ہے کہ لندن ایک شہر ہے اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں جغرافیہ والے لکھتے ہیں کہ امریکہ ایک برّاعظم ہے اور ہم اسکی تصدیق کرتے ہیں سیاح کہتے ہیں کہ سائبیریا ایک وسیع اور غیر آباد علاقہ ہے ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔کیوں؟ اس لئے کہ بہت سے لوگوں کی گواہی اس پر ہو گئی ہے۔حالانکہ ہم ان گواہوں کے حالات سے واقف نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں یا سچے مگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر عینی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں کہ جن کی سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہے انہوں نے اپنے مال و جان وطن عزت و آبرو کو تباہ کر کے راستی کو دنیا میں قائم کیا پھر ان سیاحوں اور جغرافیہ والوں کی بات کو ماننا اور ان راستبازوں کی بات کو نہ ماننا کہاں کی راستبازی ہے۔اگر لندن کا وجود چند لوگوں سے سن کر ثابت ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود ہزاروں راستبازوں کی گواہی پر کیوں ثابت نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ ہزاروں راستبازوں کی شہادت جو اپنے عینی مشاہدہ پر خدا تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کسی صورت میں بھی رد کے قابل نہیں ہو سکتی تعجب ہے کہ جو اس کوچہ میں پڑے ہیں وہ تو سب باتفاق کہہ رہے ہیں کہ خدا ہے لیکن جو روحانیت کے کوچہ سے بالکل بے بہرہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات نہ مانو کہ خدا ہے حالانکہ اصول شہادت کے لحاظ سے اگر دو برابر کے راستباز آدمی بھی ایک معاملہ کے متعلق گواہی دیں تو جو کہتا ہے کہ میں نے فلاں چیز کو دیکھا اسکی گواہی کو اسکی گواہی پر جو کہتا ہے میں نے اس چیز کو نہیں دیکھا ترجیح دی جائے گی کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک کی نظر اس چیز پر نہ پڑی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک نے نہ دیکھا ہو اور سمجھ لے کہ میں نے دیکھا ہے پس خدا کے دیکھنے والوں کی گواہی اسکے منکروں پر بہر حال حجت ہوگی۔

دلیل سوم

تیسری دلیل جو قرآن شریف سے معلوم

ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرت انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا ہے۔ پاخانہ پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں کے ساتھ تعلق ہے۔ جھوٹ ہے یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں؟ وہ کیوں ماں اور بہن اور دوسری عورتوں میں کچھ فرق جانتا ہے جھوٹ کو کیوں برا جانتا ہے۔ کیا دلائل ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اسکی نظر میں بدنما قرار دیا ہے اگر کسی بالائی طاقت کا رعب اسکے دل پر نہیں تو وہ کیوں ان سے احتراز کرتا ہے؟ اس کیلئے تو جھوٹ اور سچ ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہئے جو دل کی خوشی ہوئی کرلیا۔ وہ کونسی شریعت ہے جو اسکے جذبات پر حکومت کرتی ہے جس نے دل پر اپنا تخت رکھا ہے۔ اور گو ایک دہریہ زبان سے اسکی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اسکی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا اور گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے اجتناب اس کیلئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جوابدہی کا خوف ہے جو اسکے دل پر طاری ہے گو وہ اسکی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیٰمۃ:3،2) یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ جزا سزا ہے ایسا نہیں بلکہ ہم ان امور کی شہادت کیلئے دو چیزیں پیش کرتے ہیں ایک تو اس بات کو کہ ہر بات کیلئے ایک قیامت کا دن مقرر ہے جس میں کہ اسکا فیصلہ ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدمل جاتا ہے اگر خدا نہیں تو جزاء و سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامت کبریٰ کے منکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ قیامت تو اس دنیا سے شروع ہے زانی کو آتشک وسوزاک ہوتا ہے شادی شدہ کو تو نہیں ہوتا حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ دوسری شہادت نفس لوّامہ ہے یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ بات بری ہے اور گندی ہے دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو برا جانیں گے تکبر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے مگر کیوں؟ ان کے پاس تو کوئی شریعت نہیں۔ اس لئے نا کہ ان کا دل برا مانتا ہے اور دل اسی لئے برا مانتا ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکم اعلیٰ کی طرف سے سزا ملے گی گو وہ لفظوں میں اسے ادا نہیں کرسکتا اسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس:9) اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی زبردست دلیل ہے اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جاوے جو دل میں آئے لوگ کیا کریں۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذات باری کے متعلق معلوم ہوتی ہے یہ ہے وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ○ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ○ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ○ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ○ (النجم:43-47) یعنی یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچادی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہاء اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت اور حیات سب اسی کے ہاتھ میں ہیں اور اسنے مرد و عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز سے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کے کرنے والا بھی کوئی ہو پس اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہو گی کہ سب اشیاء آخر جا کر ذات باری پر ختم ہوتی ہیں اور وہی انتہاء ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارے سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسکی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کر کے فرمایا ہے کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم تو جوں جوں پیچھے جاتے ہو اور حقیر ہوتے جاتے ہو پھر تم کیونکر اپنے خالق ہو سکتے ہو جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اور انسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اسکی حالت پر جس قدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اس حالت کو پہنچتا ہے اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہوسکتا تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لا انتہاء ہیں۔ غرضیکہ جس قدر انسان کی درجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں اسکے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جا کر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہو گیا اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے اور ہر ایک سائنس دان کو آخر ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى یعنی ہر ایک چیز کی انتہاء ہوتی ہے اور آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لا سکتے اور وہی خدا ہے یہ ایک موٹی دلیل ہے کہ جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی نے ایک بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے اس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے پھر اتنی بڑی مخلوقات کو دیکھ کر میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اسکا کوئی خالق ہے واقعی یہ جواب ایک سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا۔

پانچویں دلیل

پانچویں دلیل ہستی باری کی جو قرآن شریف نے دی ہے گو اسی رنگ کی ہے لیکن اس سے زیادہ زبردست ہے اور وہاں استدلال بالاَولیٰ سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ○ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ○ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○ (الملک:2 تا 5) یعنی بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تا کہ دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ نیک عمل کرتا ہے اور وہ غالب ہے بخشندہ ہے اس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے اور ان میں آپس میں موافقت اور مطابقت رکھی ہے تو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا پس اپنی آنکھ کو لوٹا کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے دوبارہ اپنی نظر کو لوٹا کر دیکھ تیری نظر تیری طرف تھک کر اور ماندہ ہو کر لوٹے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی اور اتفاقی طور پر مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا اور سائنس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ دنیا خود بخود جڑ کر آپ ہی چلتی جائے اور اس کا پھر بنانیوالا کوئی نہ ہو۔ لیکن ان کا جواب اللہ تعالیٰ ان آیات میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور سے جڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا بلکہ بے جوڑی ہوتی ہے مختلف رنگوں سے مل کر ایک تصویر بنتی ہے لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینک دیں تو اس سے تصویر بن جائے گی۔ اینٹوں سے مکان بنتا ہے لیکن کیا اینٹیں ایک دوسرے پر پھینک دینے سے مکان بن جائے گا۔ بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض واقعات اتفاقاً بھی ہوجاتے ہیں لیکن نظام عالم کو دیکھ کر کبھی کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود ہی مادہ سے زمین پیدا ہوگئی اور یہ بھی مان لیا کہ اتفاقاً ہی انسان پیدا ہو گیا لیکن انسان کی خلقت پر نظر تو کرو کہ ایسی کامل پیدائش کبھی خود بخود ہوسکتی ہے عام طور سے دنیا میں ایک صفت کی خوبی سے اسکے صنّاع کا پتہ لگتا ہے ایک عمدہ تصویر کو دیکھ کر فوراً خیال ہوتا ہے کہ کسی بڑے مصور نے بنائی ہے ایک عمدہ تحریر کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ کسی بڑے کاتب نے لکھی ہے اور جس قدر ربط بڑھتا جائے اسی قدر اسکے بنانے یا لکھنے والے کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے پھر کیونکر تصور کیا جاتا ہے کہ ایسی منتظم دنیا خود بخود اور یونہی پیدا ہوگئی۔ ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قویٰ ہیں وہاں اسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کیلئے عقل دی گئی ہے اور اسکا جسم بھی اسکے مطابق بنایا گیا ہے چونکہ اس کو محنت سے رزق کمانا تھا اس لئے اسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کرلے درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اسے جڑیں دیں کہ وہ اسکے اندر سے اپنا پیٹ بھر لے۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اسے شکار مارنے کیلئے ناخن دیئے اور اگر گھوڑے اور بیل کیلئے گھاس کھانا مقدر کیا تو انکو ایسی گردن دی جو جھک کر گھاس پکڑ سکے اور اگر اونٹ کیلئے درختوں کے پتے اور کانٹے مقرر کئے تو اسکی گردن بھی اونچی بنائی کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا۔ کیا اتفاق نے اس بات کو معلوم کرلیا تھا کہ اونٹ کو گردن لمبی دوں اور شیر کو پنجے اور درخت کو جڑیں اور انسان کو ٹانگیں۔ ہاں کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کام خود بخود ہو گیا اس میں اس قدر انتظام رکھا گیا ہو۔ پھر اگر انسان کیلئے پھیپھڑا بنایا تو اس کیلئے ہوا بھی پیدا کی اگر پانی پر اسکی زندگی رکھی تو سورج کے ذریعہ بادلوں کی معرفت اسے پانی پہنچایا اور اگر آنکھیں دیں تو انکے کارآمد بنانے کیلئے سورج کی روشنی بھی دی تا کہ وہ اس میں دیکھ بھی سکے کان دیئے تو ساتھ اسکے خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں زبان کے ساتھ ذائقہ دار چیزیں بھی عطا فرمائیں ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیا کر دی ممکن تھا کہ اتفاق انسان میں پھیپھڑا پیدا کر دیتا لیکن اس کیلئے یہ ہوا کا سامان کیوں کر پیدا ہو گیا اور ممکن تھا کہ آنکھیں انسان کی پیدا ہو جاتیں لیکن وہ عجیب اتفاق تھا کہ جس نے کروڑوں میلوں پر

جا کر ایک سورج بھی پیدا کر دیا تا کہ وہ اپنا کام کر سکیں اگر ایک طرف اتفاق نے کان پیدا کر دیئے تھے تو یہ کونسی طاقت تھی جس نے دوسری طرف آواز بھی پیدا کر دی برفانی ممالک میں مان لیا کہ کتے یا ریچھوں کو تو اتفاق نے پیدا کر دیا لیکن کیا سبب کہ ان کتوں یا ریچھوں کے بال اتنے لمبے بن گئے کہ وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ اتفاق ہی نے ہزاروں بیماریاں پیدا کیں اتفاق ہی نے ان کے علاج بنا دیئے اتفاق ہی نے بچھو بوٹی جسکے چھونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے پیدا کی اور اس نے اسکے ساتھ پالک کا پودا اگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے۔ دہریوں کا اتفاق بھی عجیب ہے کہ جن چیزوں کیلئے موت تجویز کی ان کے ساتھ توالد کا سلسلہ بھی قائم کر دیا اور جن چیزوں کے ساتھ موت نہ تھی وہاں یہ سلسلہ ہی نہیں رکھا انسان اگر پیدا ہوتا اور مرتا نہیں تو کچھ سالوں میں ہی دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اس لئے اسکے ساتھ فنا لگا دی لیکن سورج اور چاند اور زمین نہ نئے پیدا ہو تے ہیں نہ اگلے فنا ہوتے ہیں۔ کیا یہ انتظام کچھ کم تعجب انگیز ہے کہ زمین اور سورج میں چونکہ کشش رکھی ہے اس لئے ان کو ایک دوسرے سے اتنی دور رکھا کہ آپس میں ٹکرا نہ جاویں کیا یہ باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہیں کہ ان سب چیزوں کا خالق وہ ہے جو نہ صرف علیم ہے بلکہ غیر محدود علم والا ہے اس کے قواعد ایسے منضبط ہیں کہ ان میں کچھ اختلاف نہیں اور نہ کچھ کمی ہے مجھے تو اپنی انگلیاں بھی اسکی ہستی کا ایک ثبوت معلوم ہوتی ہیں مجھے جہاں علم دیا تھا اگر شیر کا پنجہ مل جاتا تو کیا میں اس سے لکھ سکتا تھا شیر کو علم نہیں دیا اسے پنجے دیئے مجھے علم دیا لکھنے کیلئے انگلیاں بھی دیں۔

سلطنتوں میں ہزاروں مدبر انکی درستی کیلئے رات دن لگے رہتے ہیں لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ ان سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات بالکل تباہ ہو جاتی ہیں لیکن اگر اس دنیا کا کاروبار صرف اتفاق پر ہے تو تعجب ہے کہ ہزاروں دانا دماغ تو غلطی کرتے ہیں لیکن یہ اتفاق تو غلطی نہیں کرتا لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ انتظام نظر نہ آتا۔ اب جس طرف نظر دوڑا کر دیکھو تمہاری نظر قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق خائب و خاسر واپس آئیگی اور ہر ایک چیز میں ایک انتظام معلوم ہوگا نیک جزاء اور بدکار سزا پا رہے ہیں ہر ایک چیز اپنا مفوّضہ کام کر رہی ہے اور ایک دم کیلئے سست نہیں ہوئی یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے لیکن میں اسے یہیں ختم کرتا ہوں۔

عاقل را اشارہ کافی است۔

دلیل ششم

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک ثبوت ہے ان کے باطل پر ہونے کا کیونکہ اللہ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ فتوحات دیتا ہے اور وہ اپنے مخالفوں پر غالب رہتے ہیں اگر کوئی خدا نہیں تو یہ نصرت اور تائید کہاں سے آتی ہے چنانچہ فرعون موسیٰ کی نسبت فرماتا ہے کہ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی ○ فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الۡاٰخِرَۃِ وَالۡاُوۡلٰی ○(النّٰزِعٰت: 25 تا 26) یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے اسے اطاعت الٰہی کی نسبت کہا تو اس نے تکبر سے جواب دیا کہ خدا کیسا، خدا تو میں ہوں پس اللہ تعالیٰ نے اسے اس جہاں میں بھی اور اگلے جہاں میں بھی ذلیل کر دیا چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بیّن دلیل ہے کہ کس طرح خدا کے منکر ذلیل وخوار ہو تے رہتے ہیں علاوہ ازیں دنیا میں کبھی کوئی سلطنت دہریوں نے قائم نہیں کی بلکہ دنیا کے فاتح اور ملکوں کے مصلح اور تاریخ کے بنانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو خدا کے قائل ہیں کیا یہ انکی ذلت ونکبت اور قوم کی صورت میں کبھی دنیا کے سامنے نہ آنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

ساتویں دلیل

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے کہ اسکی ذات کے ماننے والے اور اس پر ایمان رکھنے والے اور اس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور باوجود لوگوں کی مخالفت کے ان پر کوئی مصیبت نہیں آتی خدا تعالیٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور جس قدر ان کی مخالفت ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں لیکن پھر دنیا اسکے خلاف کیا کر سکی۔ رامچندر کو بن باس دینے والوں نے کیا سکھ پایا؟ اور راون نے کونسی عشرت حاصل کر لی؟ کیا رامچندر کا نام ہزاروں سال کیلئے زندہ نہیں ہو گیا اور کیا راون کا نام ہمیشہ کیلئے بدنام نہیں ہوا؟ اور کرشنؑ کی بات کا ردّ کر کے کوروں نے کیا فائدہ حاصل کیا۔ کیا وہ کروچھتر کے میدان میں تباہ نہ ہوئے؟ فرعون بادشاہ جو بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھواتا تھا اس نے موسیٰؑ جیسے بے کس انسان کی مخالفت کی مگر کیا موسیٰؑ کا کچھ بگاڑ سکا؟ وہ غرق ہو گیا اور موسیٰؑ بادشاہ ہو گئے۔ حضرت مسیحؑ کی دنیا نے جو کچھ مخالفت کی وہ بھی ظاہر ہے اور انکی ترقی بھی جو کچھ ہوئی پوشیدہ نہیں ان کے دشمن تو تباہ ہوئے اور ان کے غلام ملکوں کے بادشاہ ہو گئے۔ ہمارے آقا بھی دنیا میں سب سے زیادہ اس پاک ذات کے نام کے پھیلانے والے تھے یہاں تک کہ ایک یورپ کا مصنف کہتا ہے کہ ان کو خدا کا جنون تھا۔ (نعوذ باللہ) ہر وقت خدا خدا ہی کہتے رہتے تھے۔ ان کی سات قوموں نے مخالفت کی اپنے پرائے سب دشمن ہو گئے مگر کیا پھر آپ کے ہاتھ پر دنیا کے خزانے فتح نہیں ہوئے؟ اگر خدا نہیں تو یہ تائید کس نے کی؟ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو کوئی مبعوث تو ایسا ہوتا جو خدا کی خدائی ثابت کرنے آتا اور دنیا اسے ذلیل کر دیتی مگر جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے والا اٹھا وہ معزز و ممتاز ہی ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ مَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ (المائدہ:57) اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول اور مؤمنوں سے دوستی کرتا ہے پس یاد رکھنا چاہئے کہ یہی لوگ خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔

دلیل ہشتم

آٹھویں دلیل جو قرآن شریف سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے یہ ہے کہ وہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے جب کوئی انسان گھبرا کر اسکے حضور میں دعا کرتا ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے۔ اور یہ بات کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں بلکہ ہر زمانہ میں اسکے نظارے موجود ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّھُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ○(البقرہ:187) یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال کریں تو انہیں کہہ دو کہ میں ہوں اور پھر قریب ہوں پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں اب اگر کوئی شخص کہے کہ کیونکر معلوم ہو کہ دعا خدا سنتا ہے کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض دعا کرنے والے کے کام ہو جاتے ہیں جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے۔ اگر سب دعائیں قبول ہو جائیں تب بھی کچھ بات تھی لیکن بعض کے قبول ہونے سے کیونکر معلوم ہو کہ اتفاق نہ تھا بلکہ کسی ہستی نے قبول کر لیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت اپنے ساتھ نشان رکھتی ہے چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوت باری تعالیٰ کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور پر بیمار ہوں چنے جائیں اور بانٹ لئے جائیں اور ایک گروہ کا ڈاکٹر علاج کریں اور ایک طرف میں اپنے حصہ والوں کیلئے دعا کروں پھر دیکھو کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اب اس طریق امتحان میں کیا شک ہو سکتا ہے چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہو گئی اور جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اس کا کوئی علاج نہیں اس کیلئے آپ نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا حالانکہ دیوانے کتے کے کٹے ہوئے دیوانہ ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو انہیں قبول کرتی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کسی خاص زمانہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر زمانے میں اسکے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں جیسے پہلے زمانہ میں دعائیں قبول ہوتی تھیں ویسے ہی اب بھی ہوتی ہیں۔

دلیل نہم

نویں دلیل قرآن شریف سے وجود باری کی الہام معلوم ہوتی ہے یہ دلیل اگرچہ میں نے نویں نمبر پر رکھی ہے لیکن درحقیقت نہایت عظیم الشان دلیل ہے جو خدا تعالیٰ کے وجود کو یقینی طور سے ثابت کر دیتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ (ابراہیم : 28) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اس دنیا اور اگلی دنیا میں پکی باتیں سنا سنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے پس جب کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہم کلام ہوتا رہتا ہے تو پھر اس کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے اور نہ صرف انبیاءؑ اور رسولوں کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی باتیں کرتا ہے اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر بھی رحم کر کے اس کی تشفّی کیلئے کلام کرتا ہے چنانچہ اس عاجز سے بھی اس نے کلام کیا اور اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندے اور بد باطن آدمیوں سے بھی ان پر حجت قائم کرنے کیلئے بول لیتا ہے چنانچہ بعض دفعہ چوہڑوں چماروں کنچنیوں تک کو خوابیں اور الہام ہو جاتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ان میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بدہضمی کا نتیجہ تھا اور بعض دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تا کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ موجودہ واقعات خواب میں سامنے آگئے اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے چنانچہ توریت اور قرآن شریف میں مسیحیوں کی ان ترقیوں کا جنکو دیکھ کر اب دنیا حیران ہے پہلے ذکر موجود تھا اور پھر صریح لفظوں میں تفصیل کے ساتھ۔ بلکہ ان واقعات کا بھی ذکر ہے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں مثلاً اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ

(التکویر:5) یعنی ایک وقت آتا ہے کہ اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی اور حدیث مسلم میں اسکی تفسیر یہ ہے وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا یعنی اونٹنیوں سے کام نہ لیا جائے گا چنانچہ اس زمانے میں ریل کے اجراء سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی ریل کے متعلق نبی کریم ﷺ کے کلام میں ایسے ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ریل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ کلام نبوت میں بھی سواری (مراد) ہے جو حبس ماء (Steam) سے چلے گی اور اپنے آگے دھوئیں کا ایک پہاڑ رکھے گی اور سواری اور بار برداری کے لحاظ سے حمار کی طرح ہوگی اور چلتے وقت ایک آواز کرے گی وَغَيْرُ ذٰلِكَ۔

دوم۔ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر: 11) یعنی کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا آجکل بباعث چھاپہ کی کلوں کے جس قدر اس زمانہ میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی ہے اسکے بیان کی ضرورت نہیں۔

سوم۔ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر: 8) نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہو جانا کہ موجودہ زمانے سے بڑھ کر متصور نہیں۔

چہارم۔ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (النّٰزعٰت:6) متواتر اور غیر معمولی زلزلوں کا آنا یہاں تک کہ زمین کا نپنے والی بن جائے سو یہ زمانہ اس کیلئے بھی خصوصیت سے مشہور ہے۔

پنجم۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا (بنی اسرائیل: 59) کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے پہلے ہلاک نہیں کریں گے یا کسی حد تک اس پر عذاب وارد نہیں کریں گے چنانچہ اسی زمانہ میں طاعون اور زلزلوں اور طوفان اور آتش فشاں پہاڑوں کے صدمات اور باہمی جنگوں سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور اس قدر اسباب موت کے اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں اور اس شدت سے وقوع میں آئے ہیں کہ اس مجموعی حالت کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔

پھر اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ ہر صدی میں اسکے ماننے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں اور خارق عادت نشانات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قادر و توانا، مدبّر بالا رادہ ہستی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے مامور پر نہایت بے بسی و گمنامی کی حالت میں خدا نے وحی نازل کی یَاْتِیْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ (دیکھو براہین احمدیہ مطبوعہ 1881ء صفحہ 241، روحانی خزائن، جلد 1، صفحہ 267 حاشیہ) کہ ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ایسی کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں عمیق ہو جائیں گی۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ القاء کریں گے مگر چاہئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بدخلقی نہ کرے اور چاہئے کہ تو ان کی ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ ایک شخص ایک گاؤں میں رہنے والا جس کے نام سے مہذب دنیا میں سے کوئی آگاہ نہ تھا یہ اعلان کرتا ہے پھر باوجود سخت مخالفتوں اور روکوں کے ایک دنیا دیکھتی ہے کہ امریکہ اور افریقہ سے لیکر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر رہتے ہیں اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے مصافحہ و ملاقات کرنا معمولی آدمی کا کام نہیں ایک مقتدر جماعت اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر یہاں رہنا اختیار کرتی ہے اور قادیان کا نام تمام دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے اور یہ ایسا نشان ہے جسے معمولی نظر سے ٹال دیا جائے؟

دوم عیسائیوں میں سے ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کئے کہ ”میں خدا سے دعا کرتا ہوں وہ دن جلد آئے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جائے اے خدا تو ایسا ہی کر۔ اے خدا اسلام کو ہلاک کر“ تو صرف یہ حضور مسیح موعود ہمارے امام علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اسکے مقابلہ میں اشتہار دیا کہ اے شخص جو مدعی نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مباہلہ کر ہمارا مقابلہ دعا سے ہوگا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ہم میں سے جو شخص کذّاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو (ٹیلیگراف 5/ جولائی 1903ء) لیکن اس نے رعونت سے کہا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا اگر میں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ان کو کچل کر مار ڈالوں (ڈوئی کا پرچہ دسمبر 1903ء) مگر حضور نے فرمایا تھا اور اسی اشتہار 23/ اگست 1903ء میں شائع کیا تھا کہ اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اسکے صیحون پر جلد آفت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا یہ فیصلہ جلد کر اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔ پھر اسکے بعد معزز ناظرین سنو کیا ہوا۔ وہ جو شہزادوں کی زندگی بسر کرتا تھا جس کے پاس سات کروڑ نقد تھا اس کی بیوی اور اسکا بیٹا دشمن ہو گئے اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے آخر اس پر فالج گرا پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا آخر مارچ 1907ء میں بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے مامور کو پہلے اطلاع دی اور جیسا کہ حضرت اقدس نے 20/ فروری 1907ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ ”میں ایک تازہ نشان ظاہر کروں گا جس میں فتح عظیم ہوگی وہ تمام دنیا کیلئے ایک نشان ہوگا“ ہلاک ہو کر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دنیا۔ پرانی دنیا نئی دنیا۔ دونوں پر حضور کی فتح تھی۔

سوم اس ملک میں آریوں کا زور ہے انکا زعیم لیکھرام تھا رسالہ کرامات الصادقین مطبوعہ صفر 1311ھ میں یہ پیشگوئی درج کی کہ لیکھرام کی نسبت خدا نے میری دعا قبول کر کے مجھے خبر دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہوگا اور اس کا جرم یہ ہے کہ وہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا اور بُرے لفظوں کے ساتھ توہین کرتا تھا پھر 22/ فروری 1893ء کے اشتہار میں اسکے مرنے کی صورت بھی بتا دی عِجْلٌ جَسَدٌ لَّهٗ خُوَارٌ لَهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ یعنی لیکھرام گوسالہ سامری ہے جو بیجان ہے اور اس میں محض ایک آواز ہے جس میں روحانیت نہیں اس لئے اس کو عذاب دیا جاوے گا جو گوسالہ سامری کو دیا گیا تھا ہر ایک شخص جانتا ہے کہ گوسالہ سامری کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا اور پھر جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا تھا پھر 2/ اپریل 1893ء کو آپ نے ایک کشف دیکھا۔ (دیکھو برکات الدعا کا حاشیہ، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 33) ایک قوی مہیب شکل جو گویا انسان نہیں ملائک شداد اور غلاظ سے ہے وہ پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے پھر کرامات الصادقین کے اس شعر سے دن بھی بتا دیا۔

وَبَشَّرَنِيْ رَبِّيْ وَقَالَ مُبَشِّرًا
سَتَعْرِفُ يَوْمَ الْعِيْدِ وَالْعِيْدُ اَقْرَبُ

یعنی عید سے دوسرے دن ہفتہ والے دن اور

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

پانچ سال پہلے شائع کر کے قتل کی صورت بھی بتا دی آخر لیکھرام 6/ مارچ 1897ء کو قتل کیا گیا اور سب نے متفق اللفظ مان لیا کہ یہ پیشگوئی بڑی صفائی کے ساتھ پوری ہو کر اللہ کی ہستی کیلئے حجت ناطقہ ٹھہری پس الہام الٰہی ایک ایسی چیز ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے خدا کا انکار کرنا نہایت بے حیائی بے شرمی ہوگی۔

دلیل دہم

دسویں دلیل جو ہر ایک نزاع کے فیصلہ کیلئے قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے اس آیت سے نکلتی ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: 70) یعنی جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں اور اس آیت پر جن لوگوں نے عمل کیا وہ ہمیشہ نفع میں رہے ہیں۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا منکر ہو اسے تو ضرور خیال کر لینا چاہئے کہ اگر خدا ہے تو اس کیلئے بہت مشکل ہو گی پس اس خیال سے اگر سچائی کے دریافت کرنے کی اسکے دل میں تڑپ ہو تو اسے چاہئے کہ گڑگڑا کر اور بہت زور لگا کر وہ اس رنگ میں دعا کرے کہ اے خدا اگر تو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تو غیر محدود طاقتوں والا ہے تو مجھ پر رحم کر اور مجھے اپنی طرف ہدایت کر اور میرے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تا کہ میں محروم نہ رہ جاؤں اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دعا کرے گا اور کم سے کم چالیس دن تک اس پر عمل کرے گا تو خواہ اس کی پیدائش کسی مذہب میں ہوئی ہو اور وہ کسی ملک کا باشندہ ہو رب العالمین اس کو ضرور ہدایت کرے گا اور وہ جلد دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اس پر اپنا وجود ثابت کر دے گا کہ اسکے دل سے شک وشبہ کی نجاست بالکل دور ہو جائے گی۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس طریق فیصلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہو سکتا پس سچائی کے طالبوں کیلئے اس پر عمل کرنا کیا مشکل ہے؟

فی الحال ان دس دلائل پر ہی میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں اور گو قرآن شریف میں اور دلائل بھی ہیں لیکن میں سردست انہیں پر اکتفا کرتا ہوں اگر کوئی اس پر غور کرے گا تو انہیں دلائل میں سے اس کیلئے اور دلائل بھی نکل آئیں گے وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

آخر میں ان احباب سے جن کے ہاتھ میں یہ پمفلٹ پہنچے استدعا کرتا ہوں کہ اسے پڑھنے کے بعد کسی اور ایسے دوست کو دے دیں کہ جس کیلئے اسے مفید سمجھیں۔

(انوار العلوم، جلد 1، صفحہ 413)

......☆......☆......☆......

ہمارا خدا

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم.اے رضی اللہ عنہ)

نوٹ: حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ کی کتاب ’’ہمارا خدا‘‘ کا خلاصہ ذیل میں پیش ہے۔ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں عقلی و نقلی دلائل پر مشتمل بہت ہی دلچسپ اور عام فہم کتاب ہے۔ اب جبکہ ہستی باری تعالیٰ کے عنوان سے خصوصی شمارہ کی اشاعت ہو رہی ہے، اس کتاب کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن تنگیٔ صفحات کے باعث اس کا خلاصہ ہی پیش کیا جا سکا ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ اپنی اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

’’مجھے خوشی ہے کہ ملک کے نوتعلیمیافتہ طبقہ نے جس کیلئے یہ کتاب لکھی گئی تھی اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور بعض ڈگمگاتے ہوئے قدموں اور بعض لرزتے ہوئے دلوں نے میری اس کتاب کے ذریعہ روحانی تسکین حاصل کی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ الْمُسْتَعَانُ‘‘

ہمیں اُمید ہے کہ قارئین اصل کتاب کا مطالعہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کریں گے تا دہریوں سے گفتگو کے وقت یہ دلائل اُن کے کام آسکیں۔ (ایڈیٹر)

اس زمانہ میں ایمان باللہ کی حالت

سب سے پہلے مَیں اس جگہ اس حد درجہ قابلِ افسوس اور نہایت دردناک حالت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو اس زمانہ میں ایمان باللہ کے متعلق لوگوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ کہنے کو تو جتنے مذاہب بھی دنیا میں موجود ہیں وہ سب خدا کے قائل ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا کے قائل نہیں اور اُن کے دل ایمان سے اسی طرح خالی ہیں جس طرح ایک اُجڑا ہوا مکان مکین سے خالی ہوتا ہے۔

تمام مذاہب کے متبعین یعنی زرتشتی، بدھ، ہندو، یہودی، عیسائی، سکھ، مسلمان وغیرہ سب میں یہ زہر جسے بے ایمانی کا زہر کہنا چاہئے کم وبیش سرایت کر چکا ہے اور مادیت کی گرم اور شرربار ہواؤں نے دنیا کا کوئی چمنستانِ ایمان نہیں چھوڑا کہ اسے جلا کر خاک نہ کر دیا ہو۔ کیا خدا کے متعلق وہ ایسا ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ مثلاً انہیں یہ ایمان ہے کہ یہ سورج ہے اور یہ چاند ہے اور یہ پہاڑ ہے اور یہ دریا ہے اور یہ ہمارا مکان ہے اور یہ ہمارا باپ ہے اور یہ ہمارا دوست ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر خوب سمجھ لو کہ یہ کوئی ایمان نہیں ہے۔

اگر خدا ہے تو وہ نظر کیوں نہیں آتا؟

ایک شبہ جو خدا تعالیٰ کے متعلق عموماً لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی خدا ہے تو وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ یہ شبہ آج کا نہیں بلکہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ دنیا میں مختلف چیزوں کے متعلق علم حاصل کرنے کے ذرائع مختلف ہیں مثلاً کسی چیز کے متعلق ہمیں دیکھنے سے علم حاصل ہوتا ہے کسی کے متعلق سُننے سے کسی کے متعلق چکھنے سے کسی کے متعلق سونگھنے سے کسی کے متعلق ٹٹولنے سے اور کسی کے متعلق چھونے سے وغیرہ وغیرہ اور یہ سب علم ایک جیسے ہی یقینی اور قابل اعتماد ہوتے ہیں اور ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم یہ مطالبہ کریں کہ جب تک ہمیں فلاں چیز کے متعلق فلاں ذریعہ سے علم حاصل نہیں ہوگا ہم اُسے نہیں مانیں گے۔ اب یہ سراسر دیوانگی ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ جب تک ہم آنکھ کے ذریعہ فلاں خوشبو کو نہیں دیکھ لیں گے ہم نہیں مانیں گے۔ یا جب تک ہم ناک کے ذریعہ فلاں رنگ کو سُونگھ نہ سکیں گے۔ ہم تسلیم نہیں کرینگے۔ یا جب تک ہم فلاں آواز کو ہاتھ سے ٹٹول نہ لیں گے ہماری تسلی نہ ہوگی۔ جو شخص ایسے اعتراضات اُٹھائیگا وہ پاگل کہلائے گا اور اگر وہ پاگل خانہ میں نہیں بھیجا جائیگا تو کم از کم گلی کے شریر اور شوخ بچوں کا تماشہ ضرور بن جائیگا۔ بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے دنیا میں مختلف چیزوں کے متعلق علم حاصل کرنے کیلئے مختلف ذرائع مقرر ہیں۔

عزیزو! اس بات کو خوب سمجھ لو کہ کوئی چیز جتنی کثیف ہوتی ہے اتنا ہی اس کا ادراک یعنی اُس کے متعلق علم حاصل کرنا انسان کے ظاہری حواس کے قریب ہوتا ہے اور جتنی کوئی چیز لطیف ہوتی ہے اتنا ہی اسکا ادراک انسان کے ظاہری حواس سے دور ہوتا ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیزیں بہت لطیف ہوتی ہیں ان کے ادراک کیلئے عموماً ان کے اثرات وافعال ونتائج کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے کیونکہ ان کا ادراک ہمارے ظاہری حواس کیلئے براہ راست ممکن نہیں ہوتا۔ تم کہتے ہو کہ ہم خدا کو اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم اس کو ان ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر خدا ان آنکھوں سے نظر آنے لگے تو میرے نزدیک وہ اس قابل ہی نہیں رہے گا کہ ہم اس پر ایمان لائیں چہ جائیکہ اس کا ماننا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی کئی دوسری صفات کو باطل قرار دینا ہوگا۔ مثلاً وہ لطیف ہے مگر اس صورت میں وہ لطیف نہیں رہے گا بلکہ کثیف ہو جائے گا۔ وہ غیر محدود ہے مگر اس صورت میں وہ غیر محدود نہیں رہے گا بلکہ محدود ہو جائیگا وغیرہ ذالک۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کمال کا یہی تقاضا ہے کہ وہ لطیف ہو اور ظاہری آنکھوں سے مخفی رہے مگر اس وجہ سے اسکی ہستی کے متعلق ہرگز ہرگز کوئی شبہ پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ اسے شناخت کرنے کیلئے اس راستہ سے بہت زیادہ یقینی اور قطعی راستے کھلے ہیں جو ہماری ان مادی آنکھوں کو میسر ہیں۔

خدا کے متعلق کیوں تحقیق کی جائے؟

فطرت اور عقلِ انسانی ہر دو ہستی باری تعالیٰ کے سوال کو ایسے رنگ میں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ہم اس تحقیق میں پڑنے سے قطعاً انکار نہیں کر سکتے۔ کیا یہ سوال ہمارے لئے ایک لاتعلق سوال ہے کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے یا نہیں؟ کیا یہ سوال ہمارے لئے ایک لاتعلق سوال ہے کہ اگر ہمیں کسی نے پیدا کیا ہے تو وہ کون ہےَ کہاں ہے؟ کیا کیا صفت رکھتا ہے؟ کیا یہ سوال ہمارے لیے ایک لاتعلق سوال ہے کہ اگر ہمیں کسی نے پیدا کیا ہے تو ہماری پیدائش کی غرض کیا ہے؟ کیا یہ سوال ہمارے لئے ایک لاتعلق سوال ہے کہ اگر ہماری پیدائش کی کوئی غرض ہے تو وہ غرض کس طرح حاصل ہوسکتی ہے؟ اگر یہ سوالات لاتعلق نہیں ہیں اور ہرگز نہیں ہیں تو کون عقلمند ہے جو اس تحقیق میں پڑنے سے انکار کرسکتا ہے؟ دنیا میں جو مذاہب بھی پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی ہستی کا سوال ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور نہ صرف پیش کرتے ہیں بلکہ ان کی تعلیم کا مرکزی نقطہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات ہے۔

دنیا کے مختلف مذاہب کی تعلیم میں کتنا بھی اختلاف ہو اس بات پر وہ سب متفق ہیں کہ اس کارخانۂ عالم کا ایک خالق و مالک ہے جس کے قبضۂ تصرف میں ہماری جانیں ہیں اور یہ کہ ہمارے اس خالق و مالک نے ہماری زندگیوں کا ایک مقصد مقرر کیا ہے جس کے حصول کا طریق بھی اس نے خود ہمیں بتا دیا ہے اور یہ کہ موت انسانی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ موت کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں انسان اپنی موجودہ زندگی کے اعمال کا ثمرہ پائیگا وغیرہ وغیرہ۔

خدا کے متعلق تحقیق کا طریق

اب میں نہایت اختصار کے ساتھ یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے متعلق تحقیق کا طریق کیا ہونا چاہے؟ کیونکہ جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ کسی چیز کے متعلق تحقیق کا صحیح طریق کیا ہے اس وقت تک کامیابی نہایت مشکل ہے۔ ایک غلط طریق کو اختیار کر کے ہم اپنی ساری کوشش بلاسود ضائع کر سکتے ہیں۔

تحقیق کے میدان میں نیّت کا دخل

ایک فلسفی کے طرز پر خدا کی تحقیق بے سود ہے۔ وہ صرف معلومات کے خزانے میں ایک اضافہ کی خاطر اس میدان میں قدم زن ہوتا ہے۔ اسے اس سے غرض نہیں کہ خدا ہے تو کن صفات والا ہے اور اسکا اپنے بندوں کے ساتھ کیا تعلق ہے اور بندوں کا اسکے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہئے اور اس تک پہنچنے کا کیا ذریعہ ہے؟

اے میرے عزیزو! تم خدا کے متعلق کبھی بھی فلسفیانہ طریق تحقیق اختیار نہ کرو کیونکہ اس طرح تم خدا کو کبھی نہیں پاسکتے اور یہ تلاش ہے بھی بے سود۔ اس قسم کی کوشش کے نتیجہ میں خدا کبھی بھی اپنا چہرہ ہم پر ظاہر نہیں کرے گا بلکہ وہ صرف اسی صورت میں ہم پر ظاہر ہوگا جب وہ یہ دیکھے گا کہ ہم ایک سچی تڑپ کے ساتھ اس تک پہنچنا چاہتے ہیں تا کہ اسکے قرب کی برکات سے مستفید ہوں اور اسکے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کر کے اپنے لئے اعلیٰ ترقیات کا دروازہ کھول سکیں جو انسانی زندگی کا مقصد ہے۔

ایمان باللہ کے دو درجے

ایمان باللہ دو درجوں میں منقسم ہے۔ ابتدائی درجہ وہ ہے جسکا حصول مجرد عقل کی امداد سے ممکن ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے جس کا حصول مجرد عقل سے ممکن نہیں بلکہ اسکے واسطے عقل کی امداد کیلئے خدا کی طرف سے خود خاص انتظام ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ’’ہونا چاہئے‘‘ کا ہے اور دوسرا ’’ہے‘‘ کا۔ مجرد عقل کبھی بھی ہمیں ’’ہے‘‘ کے مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی بلکہ اس کا کام صرف اس قدر ہے کہ وہ خدا کے متعلق ’’ہونا چاہئے‘‘ تک کا یقین ہمارے اندر پیدا کر دے۔

خدا کی ہستی کے متعلق عقلی دلائل

(احتیاطی دلیل) کہتے ہیں کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا تھا کہ خدا کی ہستی کا کیا ثبوت ہے؟ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سائل ایک سیدھا سادہ آدمی ہے اسے یہی جواب دیا کہ دیکھو تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر تو کوئی خدا نہیں ہے تو ماننے والے اور نہ ماننے والے

سب برابر ہیں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر خدا ہے تو خوب یاد رکھو کہ انکار کرنے والے کی خیر نہیں۔ اُس شخص کی اسی دلیل سے تسلی ہوگئی اور اس نے آگے کوئی سوال نہ کیا۔ واقعی اگر تو کوئی خدا نہیں ہے تو ہمیں مان لینے میں حرج کیا ہے؟ وہ کونسی چیز ہے جو خدا کو مان کر ہمیں چھوڑنی پڑتی ہے؟ تم جائز طور پر کھاؤ پیو۔ سوؤ جاگو۔ اُٹھو بیٹھو۔ کھیلو کودو۔ پڑھو لکھو۔ دنیا کے کام کرو۔ مال کماؤ۔ دوستیاں لگاؤ۔ بیویاں کر کے گھر بساؤ، اولاد پیدا کرو۔ تمہارا خدا پر ایمان لانا ہرگز تمہیں کسی کام سے نہیں روکتا بلکہ وہ صرف ایسے کاموں سے منع کرتا ہے جو تمہاری ذات کیلئے یا دوسروں کی ذات کیلئے ضرررساں اور نقصان دہ ہیں اور ایسے کاموں سے باز رہنا خود تمہاری فطرت اور عقل اور قانون تمدن اور قانون سیاست کا بھی تقاضا ہے۔

(فطری دلیل) سب سے پہلی دلیل جو ہستی باری تعالیٰ کے متعلق میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ فطری دلیل ہے۔ ہماری فطرت خود اس سوال کو ہمارے اندر پیدا کر رہی ہے کہ آیا کائنات عالم کا کوئی خالق و مالک ہے یا نہیں؟ اس لئے ہم اس سوال کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ (نوٹ: اس عنوان پر ایک مستقل مضمون شامل اشاعت ہے قارئین وہاں سے استفادہ کریں)

کائنات خلق اور نظام عالم کی دلیل

پہلا حصہ دلیل کا جو مخلوق کے وجود سے خالق کے وجود کی طرف جانے سے تعلق رکھتا ہے اپنی ظاہری صورت میں بہت سادہ ہے۔ افسوس اس دنیا میں لاکھوں ایسے لوگ ہیں جو ہم سے یہ بات منوانا چاہتے ہیں کہ یہ زمین، یہ آسمان، یہ حیوانات، یہ نباتات، یہ جمادات، یہ اجرام سماوی، یہ طبقات ارضی، یہ جسم انسانی، کسی صانع کی صنعت کا ثمرہ نہیں بلکہ خود بخود ہمیشہ سے چلے آئے ہیں۔ میں ان کی بات کو کس طرح مان لوں؟ میرے سامنے اس وقت عرب کے ایک بدوی کا قول ہے جس سے کسی نے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا:

البعرۃ تدل علی البعیر واثر القدم علی السفیر فالسماء ذات البروج والارض ذات الفجاج اما تدل علی قدیر

یعنی جب کوئی شخص جنگل میں سے گزرتا ہوا ایک اونٹ کی مینگنی دیکھتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس جگہ سے کسی اونٹ کا گزر ہوا ہے اور جب وہ صحرا کی ریت پر کسی آدمی کے پاؤں کا نشان پاتا ہے تو یقین کر لیتا ہے کہ یہاں سے کوئی مسافر گزرا ہے تو کیا تمہیں یہ زمین مع اپنے وسیع راستوں اور یہ آسمان مع اپنے سورج اور چاند اور ستاروں کے دیکھ کر اس طرف خیال نہیں جاتا کہ ان کا بھی کوئی بنانے والا ہوگا۔ اللہ اللہ! کیا ہی سچا، کیا ہی تصنع سے خالی مگر دانائی سے پُر یہ کلام ہے جو اس ریگستان کے ناخواندہ فرزند کے منہ سے نکلا، مگر جسکی گہرائی تک یورپ و امریکہ کا فلسفی باوجود اپنی حکمت وفلسفہ کے نہ پہنچ سکا۔

مغربی محققین اور خدا کا عقیدہ

ان لوگوں کا یہ بیان ہے کہ مادہ کے اندر مختلف صورتیں اختیار کر سکنے کا جوہر طبعی طور پر پایا جاتا ہے اور مادہ میں یہ بھی ایک فطری خاصہ ہے کہ وہ ایک وقت تک ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی کرتا جاتا ہے۔ مغربی محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا ہمیشہ سے ایک خاص معین قانون کے ماتحت کام کرتی چلی آئی ہے اور اب بھی دنیا کی ہر اک چیز ایک خاص قانون کے ماتحت چل رہی ہے اور ہم علمی تحقیق کے ذریعہ سے ہر تغیر اور ہر حرکت اور ہر سکون کی وجہ دریافت کر سکتے ہیں۔

اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض ایک بالکل بودا اعتراض ہے۔ مسئلہ اِرتقا ذات باری تعالیٰ کے خلاف ہرگز بطور دلیل کے پیش نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مسئلہ کائنات کے حقیقی آغاز کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالتا بلکہ اس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ دنیا کی موجودہ چیزیں ہمیشہ سے اسی طرح نہیں بلکہ ایک ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اپنی موجودہ حالت کو پہنچی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ابتدائی ادنیٰ حالت کی چیزیں کہاں سے آئیں؟ اسکے متعلق حامیان مسئلہ ارتقاء علمی طور پر کوئی یقینی روشنی نہیں ڈالتے۔ محض مسئلہ ارتقاء کو خدا کے انکار کے ثبوت میں پیش کرنا قطعاً کوئی اثر نہیں رکھتا۔

اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو اس مادی دنیا کی وہ ابتدائی حالت جو بیان کی جاتی ہے (قطع نظر اس کے کہ وہ درست ہے یا نہیں) موجودہ کائنات سے بھی زیادہ عجیب وغریب اور انسانی عقل کو دنگ کرنے والی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ ابتدائی حالت موجودہ دنیا کیلئے بطور تخم کے تھی اور ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ تخم درخت کی نسبت زیادہ عجیب وغریب اور زیادہ پُر حکمت چیز ہوتا ہے۔ باقی رہا دوسرا اعتراض یعنی یہ کہ دنیا کی ہر ایک چیز اور ہر تغیر اور ہر سکون ایک خاص قانون کے ماتحت ہے اور ہم اب دن بدن اس مخفی قانون قدرت کی زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں۔ ایک نہایت بودا اور کمزور اعتراض ہے۔

حق یہ ہے کہ نظام عالم اور قانون نیچر کا جتنا بھی کمال ظاہر ہوتا جاتا ہے اتنا ہی یہ عالم سفلی اہل بصیرت کے نزدیک ایک حکیم وعلیم، قدیر ومتصرف خالق کی طرف اشارہ کرنے میں زیادہ وضاحت اختیار کرتا جاتا ہے۔ چنانچہ خود مغربی محققین میں بھی ایک کافی طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا پر ایمان لاتے ہیں اور یہ جدید تحقیقاتیں ان کے اس ایمان کے رستہ میں قطعاً کوئی روک نہیں ہوتیں بلکہ انہیں وہ دہریت کے خلاف بطور ایک حربہ کے استعمال کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ بدقسمتی سے لوگ سائنس کے متعلق عموماً ایک خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ یعنی وہ سائنسدانوں کے قیاسات اور سائنس کے ثابت شدہ حقائق میں تمیز نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ سائنسدانوں کے اعلانات تین قسموں میں منقسم ہوتے ہیں:

(اوّل) سائنس دانوں کے قیاسات

(دوم) سائنس کے نامکمل تجربات، اور

(سوم) سائنس کے ثابت شدہ حقائق

یہ تینوں الگ الگ حیثیت اور الگ الگ درجہ رکھتے ہیں اور انہیں ایک سا وزن دینا خطرناک غلطی ہے حالانکہ ہر شخص جو تھوڑا بہت علم رکھتا ہے جانتا ہے کہ قیاس اور نامکمل تجربات اور چیز ہیں اور ثابت شدہ حقائق اور چیز ہیں۔

خدا غیر مخلوق ہے

ایک جگہ ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے جو اس موقع پر بعض ناواقف لوگوں خصوصاً نوجوانوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ جو ہستی اس دنیا کی خالق و مالک ہے اسے کسی اور بالا ہستی نے پیدا کیا ہے تو ہم اس بالا ہستی ہی کا نام خدا رکھیں گے اور اس ماتحت ہستی کو مخلوقات میں سے قرار دینگے۔

اور اگر کسی شخص کو یہ خیال گزرے کہ چونکہ ہر ہستی کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا جائے گا کہ اسکا خالق و مالک کون ہے اس لئے کوئی ایسی ہستی ثابت ہی نہ ہو سکے گی جسے ابتدائی ہستی کہا جا سکے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات عقلاً ناممکن ہے کہ اس سلسلہ کی کوئی ابتدائی ہستی نہ ہو کیونکہ اگر کوئی ابتدائی ہستی تسلیم نہ کی جائے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیچے کی تمام ہستیوں کے وجود سے جو ابتدائی ہستی کا نتیجہ ہیں اور جن میں سے ایک دنیا بھی ہے انکار کرنا پڑتا ہے۔

دراصل یہ سوال ہی غلط ہے کہ خدا کا خالق و مالک کون ہے کیونکہ خدا کے متعلق ایسا سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ بات یہ ہے کہ خدائیت اور مخلوقیت کا مفہوم ایک دوسرے کے بالکل منافی واقع ہوئے ہیں اور یہ بات عقلاً ناممکن ہے کہ یہ دونوں مفہوم ایک وجود میں جمع ہوں کیونکہ جہاں خدائیت کا مفہوم اس بات کا تقاضا کر رہا ہے کہ صرف اس ہستی کا نام خدا رکھا جائے جو سب سے بالا ہے وہاں مخلوقیت کا مفہوم اس بات کا متقاضی ہے کہ جس ہستی کو ہم مخلوق قرار دیں اس کے اوپر کوئی اور ہستی بھی ہو۔ پس یہ دونوں مفہوم کسی صورت میں بھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

یعنی یہ ناممکن ہے کہ ایک ہستی خدا بھی ہو اور مخلوق بھی اور جب یہ ناممکن ہوا تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب ہم کسی ہستی کو خدا مان لیں تو پھر اسکے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا کہ اسکا خالق کون ہے۔ تیسرا جواب جو میں اس شبہ کا دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آؤ ہم تھوڑی دیر کیلئے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ خدا مخلوق ہے اور پھر دیکھتے ہیں کہ اسکا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ اگر خدا کو مخلوق مانیں تو اسکی تمام صفات سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً یہ ظاہر ہے کہ اگر خدا مخلوق ہے تو وہ قدیم نہیں ہوسکتا بلکہ اسے حادث ماننا پڑے گا۔ اگر خدا مخلوق ہے تو وہ غیر فانی نہیں ہوسکتا بلکہ اسے فانی ماننا پڑیگا۔ اگر خدا مخلوق ہے تو وہ قائم بالذات نہیں رہ سکتا بلکہ اسے اس ہستی کے سہارے پر قائم ماننا پڑیگا جو اس کی خالق و مالک ہے۔

کیوں نہ اس دنیا کو ہی غیر مخلوق سمجھ لیا جائے؟

اسکے بعد میں ایک اور شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر ہم نے خدا کو غیر مخلوق قرار دیکر اسے خود بخود ہمیشہ سے بغیر کسی خالق و مالک کے ماننا ہے تو کیوں نہ اس دنیا کو ہی قائم بالذات اور غیر مخلوق قرار دے لیا جائے۔ یہ شبہ سراسر قلت تدبر پر مبنی اور محض عامیانہ تخیل کا نتیجہ ہے اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم نے جو دنیا کو مخلوق مانا ہے تو اس بنا پر نہیں کہ چونکہ ہر چیز کا مخلوق ہونا ضروری ہے اس لئے دنیا بھی مخلوق ہونی چاہئے بلکہ اس لئے کہ دنیا کے حالات اسے مخلوق ثابت کر رہے ہیں۔ ہر اک چیز اپنے اپنے مخصوص حالات رکھتی ہے اور انہیں مخصوص حالات کے ماتحت اسکے متعلق کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ دنیا کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں کہ جسے اگر مخلوق مانا جائے تو ہمیں اسکی کسی مخصوص صفت کا انکار کرنا پڑے بمقابلہ خدا کے کہ جسے مخلوق مان کر اسکی تمام اصولی صفات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

نیکی بدی کے شعور کی دلیل

اسکے بعد جو عقلی دلیل ہستی باری تعالیٰ کے متعلق میں اس جگہ پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اس

اخلاقی قانون سے تعلق رکھتی ہے جو ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے۔ نیکی بدی کا شعور فطرتاً ہر انسان کے اندر موجود ہے اور یہ شعور اس بات کی ایک زبردست دلیل ہے کہ انسان خود بخود کسی اتفاق کا ثمرہ نہیں اور نہ کسی اندھے قانون کا نتیجہ ہے بلکہ ایک علیم وحکیم ہستی نے اسے ایک خاص غرض کے ماتحت پیدا کیا ہے اور وہ غرض یہی ہے کہ انسان اپنے اس فطری شعور کو جو بطور ایک تخم کے اسکے اندر رکھا گیا ہے نشوونما دیکر اپنے لئے اعلیٰ ترقیات کے دروازے کھولے اور اس کامل منبع حسن واحسان اور اس وحید چشمہ حیات یعنی ذات باری تعالیٰ کا عکس اپنے اندر پیدا کرتا ہوا ابدالآباد کیلئے ہر قسم کے حسن واحسان کی بلند ترین چوٹیوں کی طرف چڑھتا چلا جائے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (سورة الشّمس: 9) یعنی ’’خدانے ہر انسان کی فطرت میں بدی اور نیکی کا شعور رکھ دیا ہوا ہے اور اسے اس کی فطرت کے ذریعے بتادیا ہے کہ یہ راستہ برا ہے اور یہ راستہ اچھا ہے۔‘‘ اور دوسری جگہ فرمایا ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (سورة البلد: 11) یعنی ’’ہم نے انسان کو نیکی اور بدی ہر دو کے رستے (اس کی فطرت کے ذریعہ) دکھادیئے ہوئے ہیں۔‘‘

قبولیت عامہ کی دلیل

اس کے بعد جو دلیل میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ قبولیت عامہ کی دلیل ہے اور یہ دلیل اس اصول پر مبنی ہے کہ دنیا میں کسی خیال یا عقیدہ کی عالمگیر مقبولیت جو ہر زمانہ میں قائم رہی ہو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خیال یا عقیدہ اپنے اصل کے لحاظ سے حق وراستی پر مبنی ہے۔

اب اس اصل کے ماتحت ہم سوال زیر بحث پر نظر ڈالتے ہیں تو ایمان باللہ کا عقیدہ ایک ایسا عقیدہ ثابت ہوتا ہے جس سے کسی عقلمند انسان کو انکار نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں جتنی بھی قومیں آباد ہیں خواہ بڑی ہیں یا چھوٹی، متمدن ہیں یا غیر متمدن، تعلیم یافتہ ہیں یا جاہل۔ غرض جتنی بھی قومیں ہیں اور جہاں بھی ہیں وہ باوجود اپنے بے شمار اختلافات کے اس بات میں متفق ہیں کہ دنیا ومافیہا خود بخود اپنے آپ سے نہیں ہے بلکہ اسکا کوئی خالق ومالک ہے اور یہ خیال صرف اس زمانہ کی اقوام تک ہی محدود نہیں بلکہ جس جس زمانہ کی بھی تاریخ ہمارے سامنے محفوظ ہے اس میں بلا استثناء یہی منظر نظر آتا ہے کہ کوئی قوم بھی اس عقیدہ سے خالی نہیں کہ یہ دنیا کسی بالا ہستی کی مخلوق ومملوک ہے۔

کیا خدا کا عقیدہ توہّم پرستی کا نتیجہ ہے؟

اس جگہ اگر کسی کو یہ شبہ گزرے کہ بعض مغربی مصنفین نے لکھا ہے کہ دنیا میں بعض قومیں ایسی بھی گزری ہیں جو بحیثیت قوم خدا کے عقیدہ سے بے بہرہ رہی ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک بعض مصنفین نے ایسا لکھا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان مصنفین کو دھوکا لگا ہے اور انہوں نے پوری تحقیق سے کام نہیں لیا اور خصوصاً ان کو یہ غلطی لگی ہے کہ انہوں نے بعض قدیم مشرک قوموں کے مشرکانہ عقائد کو محض خوف اور جہالت اور توہم پرستی کی طرف منسوب کردیا ہے اور غلط طور پر یہ سمجھ لیا ہے کہ خدائے واحد کا عقیدہ کبھی بھی ان کے اندر پایا نہیں گیا۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور حق یہ ہے کہ شرک کا عقیدہ گووہ جہالت کا نتیجہ ہی ہوتا ہے مگر وہ یقیناً خدا کے عقیدہ کی ایک فرع ہے نہ کہ اصل۔ یعنی مشرکانہ عقائد ہمیشہ ایمان باللہ کی بگڑی ہوئی حالت کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور ایسا نہیں ہوتا کہ خدا کا عقیدہ بالکل مفقود ہونے کی صورت میں بھی شرک کے عقائد پیدا ہوجائیں۔ چنانچہ تاریخ عالم میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک قوم پہلے خدا کے عقیدے پر قائم نظر آتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس میں مشرکانہ خیالات کا دخل شروع ہوجاتا ہے۔

غلبہ رُسل کی دلیل

جب سے دنیا کی تاریخ محفوظ ہے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب کبھی بھی خدا پر ایمان لانے والوں اور خدا کا انکار کرنے والوں کا (خواہ وہ انکار عقیدہ کا ہو یا عملی) مقابلہ ہوا ہے غلبہ ہمیشہ ایمان لانے والوں کے ساتھ رہا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ ایمان لانے والوں کی نصرت میں کوئی غیبی ہاتھ کام کرتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کے اختلاف میں مومن بہر حال کافر کے خلاف فتح پاتا ہے کیونکہ عام حالات میں فتح وشکست قانون نیچر کے ماتحت آتی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر ایک کافر کامیابی کے طریق کو اختیار کرتا ہے اور ایک مومن نہیں کرتا تو کافر کو فتح نصیب نہ ہو اور مومن کو ہوجائے۔ عام حالات میں ایسا کبھی نہیں ہوگا بلکہ کامیابی اُسی کا حصہ رہے گی جو کامیابی کے رستے پر چلتا ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ پس اس جگہ دنیا کے عام اختلافات اور مقابلے میرے مدنظر نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی راستباز شخص اس دعویٰ کے ساتھ دنیا میں کھڑا ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے میری زندگی کا یہ مشن مقرر کیا گیا ہے کہ میں ایمان کو دنیا میں قائم کروں تو پھر وہ ضرور اپنے مشن میں کامیاب ہوکر رہتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کی کامیابی کے رستہ میں روک نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کررکھا ہے کہ وہ اور اس کے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے۔

شہادت صالحین کی دلیل

آخری عقلی دلیل جو میں اس مضمون میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں وہ شہادت صالحین سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی اس اصول پر مبنی ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جن کی راست گفتاری مسلم ہے اور ان کے صحیح الدماغ ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں اس بات کی ذاتی شہادت پیش کرتے ہیں کہ واقعی ہمارا ایک خدا ہے جسے ہم نے اسی طرح دیکھا اور پہچانا ہے جس طرح ہم دوسری غیر مرئی چیزوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔

ایمان باللہ کے عظیم الشان فوائد

اسکے بعد میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق چند ایسے دلائل بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس اصول پر مبنی ہیں کہ خدا پر ایمان لانا اپنے اندر بعض ایسے اہم فوائد رکھتا ہے جو بغیر اس پر ایمان لانے کے کسی اور طریق سے پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتے۔

ایمان باللہ وحدت اور اخوت کا جذبہ پیدا کرتا ہے

سب سے پہلے جو فائدہ ایمان باللہ کا میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدا کا خیال لوگوں کے دلوں میں وحدت واخوت کے جذبات پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور یہ جذبات نسل انسانی کی ترقی اور بہبودی کیلئے نہایت درجہ ضروری اور مفید ہیں۔ اس جگہ کسی شخص کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ خدا کے منکرین بھی بسااوقات دوسروں کے ساتھ محبت وہمدردی کا سلوک کرتے اور رفاہِ عام کے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جذبات کے پیدا کرنے کیلئے خدا پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ یہ جذبات سوائے ایمان باللہ کے اور کسی ذریعہ سے پیدا ہی نہیں ہوسکتے بلکہ ہم تو خود اس بات کے قائل ہیں کہ بہت سی چیزیں کم وبیش اس کا موجب ہوتی ہیں۔ لیکن ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ تمام بنی نوع آدم میں مجموعی طور پر اکمل واتم صورت میں یہ جذبات صرف ایمان باللہ کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوسکتے ہیں اور باقی ذرائع اپنی کیفیت اور کمیّت میں اسکا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

خدا کا عقیدہ بدی کے ارتکاب سے روکتا اور نیکی کی طرف رغبت پیدا کرتا ہے

دوسرا بڑا فائدہ جو خدا پر ایمان لانے کے نتیجہ میں دنیا کو عمومی طور پر حاصل ہوسکتا ہے یہ ہے کہ خدا پر ایمان لانا انسان کو بدی کے ارتکاب سے روکتا ہے۔ کیونکہ جو کوئی بھی خدا پر ایمان لاتا ہے وہ ساتھ ہی اس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ اگر میں نے بدی کا ارتکاب کیا تو خدا تعالیٰ مجھ پر ناراض ہوگا اور اس ناراضگی کے نتیجہ میں مجھے کوئی تکلیف پہنچے گی یا کوئی سزا بھگتنی پڑے گی اور اگر میں بدی سے کنارہ کش رہا تو خدا مجھ پر خوش ہوگا اور اس کی خوشنودی میرے فائدہ کا موجب ہوگی اور مجھے انعام واکرام کا حقدار بنائے گی۔ پس اس خیال کے ماتحت ہر وہ شخص جو خدا پر ایمان لاتا ہے اور اس کا ایمان محض دکھاوے کا ایمان نہیں وہ یقیناً دوسروں کی نسبت گناہ سے زیادہ بچا ہوا ہوگا۔

خدا کا عقیدہ حقائق الاشیاء کی تحقیق میں مد ہے

خدا پر ایمان لانے والے شخص کا دل اس یقین وایمان سے پر ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز میرے خدا کی پیدا کردہ ہے اور یہ کہ خدا نے ہر چیز کو ایک خاص غرض وغایت کے ماتحت پیدا کیا ہے اور اس لئے دنیا کی کوئی چیز بھی عبث اور باطل نہیں بلکہ اپنی اپنی خلقت کی غرض وغایت کے ماتحت اپنے اپنے مفوضہ کام کو سرانجام دے رہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ یقین حقائق الاشیاء کی تحقیق کے معاملہ میں انسان کے اندر ایک خاص ذوق وشوق اور امید ورجا کی کیفیت پیدا کردیتا ہے جو بغیر اسکے کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

خدا کا عقیدہ اطمینان قلب پیدا کرتا ہے

پانچواں بڑا فائدہ جو خدا کے عقیدہ سے دنیا کو حاصل ہوسکتا ہے یہ ہے کہ خدا پر ایمان لانا انسان کے دل میں ایک گونہ اطمینان کی حالت پیدا کردیتا ہے اور یہ اطمینان قلب زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کے کام آتا ہے۔

خدا کے عقیدہ سے اخلاق کا معیار قائم ہوتا ہے

چھٹا بڑا فائدہ جو خدا پر ایمان لانے کے نتیجہ میں دنیا کو حاصل ہوسکتا ہے یہ ہے کہ خدا کا عقیدہ دنیا میں اخلاق کا معیار قائم کرنے کا موجب ہے جو خدا کے بغیر کبھی بھی قائم نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ انسان ایک بالا ہستی کا پیدا کردہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں انسان کیلئے اس بالا ہستی کے سوا اور کوئی نمونہ قابل تقلید نہیں ہوسکتا اور اس کے اخلاق کا معیار سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اپنے آپ کو اپنے خالق ومالک کی صفات کے رنگ میں رنگین کرے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ یعنی ’’اے لوگو! تم اپنے اخلاق کو خدا کے اخلاق کے مطابق بناؤ۔‘‘

......☆......☆......☆......

صفات باری تعالیٰ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں

(مامون الرشید تبریز، مربی سلسلہ، شعبہ تاریخ احمدیت قادیان)

اپنی صفات کا علم خدا تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاعراف: 181) اور اللہ ہی کے سب خوبصورت نام (صفات) ہیں۔ پس اسے ان (ناموں) سے پکارا کرو۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں (صفات) کے بارہ میں کج روی سے کام لیتے ہیں۔ ان کو اپنے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ وہ کرتے رہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے اسماءِ حسنیٰ کا علم انسان کو اس لئے دیا کہ انسان خود بھی ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (صفاتی) نام ہیں، جو زندگی میں ان کو مدّنظر رکھے گا اور ان کا مظہر بننے کی کوشش کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ذیل میں اُن تمام اسماء کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ الرَّحْمٰنُ: قرآن کریم کی پہلی آیت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' میں اسکا ذکر کیا گیا۔ صفت رحمٰن ایسی صفت ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کچھ مانگے بغیر ہی انسان کو بہت کچھ عطا کرنے والا ہے۔ اس عطا کیلئے کچھ بھی مشروط نہیں رکھا گیا۔ جیسے پانی، روشنی، ہوا وغیرہ جو انسان کے فائدہ کیلئے یکساں پیدا کی ہیں صفت رحمٰن کے تحت مخلوق کو بغیر تفریق رنگ ونسل کے اللہ فائدہ پہنچا رہا ہے۔

2۔ الرَّحِيْمُ: پھر پہلی ہی آیت میں صفت رحیمیت کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جس کے معنے ہیں نیک اعمال کو ضائع نہ کرتے ہوئے اپنی مخلوق کو اپنے رحم سے ثمرات حسنہ عطا کرنے والا۔

3۔ الْمَلِكُ: صفت ملك سے خدا تعالیٰ کا کل عالم کی ہر شے اور ذرّہ ذرّہ پر کامل ملکیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہ ہر چیز کی تخلیق اور اسکی بقاء پر بھی وہ پورا مالک ہے۔

4۔ الْقُدُّوْسُ: ایسے تمام اسباب اور عیوب سے پاک جن کو انسان محسوس کر سکے یا خیال اور تصور کرے یا پھر وہم اس طرف جائے یا قلبی قویٰ سمجھ سکیں۔

5۔ السَّلٰمُ: تمام نقصانات سے محفوظ۔ سلامتی کا سرچشمہ اور امن بخشنے والا۔

اصل میں یہ مصدر ہے جسکے معنی سلامتی کے ہیں۔ لیکن اسماء الٰہی میں یہ سالم کے معنے میں آتا ہے۔ یعنی وہ ذات پاک جو ہر قسم کے عیب اور نقصان سے محفوظ ہے۔

6۔ الْمُؤْمِنُ: اپنے وعدوں میں سچا۔ اپنے عذاب سے اور ہر قسم کے دکھوں اور مصیبتوں سے امن بخشنے والا۔ اپنے کمالات وتوحید پر دلائل قائم کرنے والا۔ تمام صداقتوں کا ماننے والا۔

7۔ الْمُهَيْمِنُ: سب کے اعمال کا محافظ اور واقف اور گواہ۔

8۔ الْعَزِيْزُ: بے نظیر۔ سب پر غالب۔ ذرہ ذرہ پر تصرف قائم رکھنے والی ذات۔ معزز کرنے والا۔ جسکے حضور کوئی امر ناممکن نہ ہو۔ جس کی قدرت میں کوئی نقص نہ ہو۔

9۔ الْجَبَّارُ: سنوارنے والا۔ انسانی غلطیوں پر اصلاح کے سامان پیدا کرنے والا۔ بڑے رعب والا۔

دراصل جبار مبالغہ کا صیغہ ہے جو جبر سے مشتق ہے۔ اور جبر کے معنے ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا اور کسی کے حال کی اصلاح کرنا اور کسی کو زور اور غلبہ سے کسی کام پر آمادہ کرنا۔

10۔ الْمُتَكَبِّرُ: تمام مخلوق کے عیوب اور مخلوق کے اوصاف سے مبّرا۔ تمام چھوٹے بڑے ہر قسم کے شرک سے اس کی ذات پاک اور بلند۔ کمال عظمت وبزرگی کا مالک اور مستحق اور کبریائی والا۔

11۔ الْخَالِقُ: ہر چیز کا کامل حکمت کے ساتھ اندازہ کرنے والا۔ ہر شے جو اس عالم میں موجود ہے اس کا پیدا کرنے والا۔

12۔ الْبَارِئُ: ہر ایک چیز سے عمدہ خلاصہ الگ کرنے والا۔ نیست سے ہست کرنے والا۔ عدم سے وجود میں لانے والا۔

13۔ الْمُصَوِّرُ: مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا۔ شکل دینے والا۔ صورت گری کرنے والا۔

خالق، باری اور مصوّر اردو زبان میں عدم وسعت کی وجہ سے مترادف المعنی سمجھے جاتے ہیں اور تینوں کے ہی معنے پیدا کرنے کیلئے جانے جاتے ہیں۔ لیکن دراصل پیدائش کی تین مختلف حالتوں کے اظہار کو یہ صفات بتاتی ہیں۔ مثلاً خلق کا لفظ تب مستعمل ہوتا ہے جب کہ قبل از وجود اسکا اندازہ کیا جائے۔ اور باری تراش خراش کر کے تخلیق کو نکھارنے کے معنوں میں لیا جائے گا جو کہ پیدائش کا دوسرا مرحلہ ہے۔ اور پھر مصوّر انتہائی حالت کے معنوں میں آئے گا یعنی تصویر بنانے اور ہیئت اور شکل دینے کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔

نمبر 5 سے نمبر 12 تک صفات الٰہیہ کا ذکر قرآن شریف کی سورۃ حشر کے آخر میں اس طرح آتا ہے: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الحشر: 24-23)

14۔ الْغَفَّارُ: بہت بخشنے والا۔ گناہوں کو ڈھانکنے اور چھپانے والا۔

چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (صٓ: 67) یعنی آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پرورش کرنے والا اور اسکی تکمیل کرنے والا ربّ ہے اور وہ قدرت والا اور بہت بخشنے والا ہے۔

15۔ الْقَهَّارُ: مکمل غلبہ رکھنے والا۔ حکمران۔

قھر کے معنی عربی زبان میں غلبہ اور طاقت کے ہیں۔ قاھر کے معنے غالب اور طاقتور کے ہیں۔ القاھر جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس کے معنی ہیں وہ ذات پاک جو سب پر غالب ہے۔ القھار دراصل القاھر کا مبالغہ ہے۔ خود قرآن کریم نے القاھر کے معنے کر دیئے ہیں چنانچہ فرمایا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف: 40) اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ معبود اچھے ہیں یا ایک واحد خدا جو سب سے طاقتور اور غالب ہے۔

16۔ الْوَهَّابُ: عطا کرنے والا۔ بخشنے اور عطا کرنے کو وہب اور ہبہ کہتے ہیں۔ وَهَّاب مبالغہ ہے یعنی کثیر الھبہ اور دائم العطاء۔ چنانچہ قرآن شریف میں صفت وہاب کا یوں ذکر آیا ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران: 9) یعنی اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو زنگ آلودہ نہ بنا بعد ازاں کہ تو نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی۔ اور ہم کو اپنے حضور سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بڑا دائم العطاء ہے۔

17۔ الرَّزَّاقُ: مخلوقات کو روزی پہنچانے والا۔

یہ صفت رازق کا مبالغہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تمام مخلوقات کو مناسب حال اور موافق حکمت رزق پہنچاتا ہے۔ رزق کی دو قسمیں ہیں۔ محسوس اور معقول۔ اس اسم کا مفہوم قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر بیان ہوا ہے مگر رزاق ایک مقام پر آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذّٰریٰت: 59) یعنی بے شک اللہ ہے جو بہت رزق دینے والا، صاحب قوّت اور مضبوط صفات والا ہے۔

18۔ الْفَتَّاحُ: مشکل کشا۔ بندوں پر حکم کرنے والا۔

فتح کے معنے کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں اس صفت کو یوں بیان کیا گیا ہے: ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (سبا: 27) یعنی پھر (ہمارا خدا) حق وحکمت سے بھرا ہوا فیصلہ صادر فرمائے گا اور وہ بہت واضح فیصلہ کرنے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔

19۔ الْعَلِيْمُ: بہت جاننے والا۔

انتہائی اور دائمی علم رکھنے والا۔

علیم مبالغہ ہے عالم کا یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ اور ان امور کا بھی جاننے والا ہے جو ابھی دل میں پیدا بھی نہیں ہوئے۔اسکا ذکر قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں ہوا ہے۔

20-اَلْقَابِضُ: لوگوں کے رزق کو روک لینے والا۔

21-اَلْبَاسِطُ: لوگوں کے رزق کو بڑھانے والا۔فراخی دینے والا۔

یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے بالمقابل آتی ہیں۔قبض و بسط کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایک انسان جو چیز اللہ تعالیٰ کیلئے دیتا ہے گویا اللہ تعالیٰ خود اسے قبض کرتا ہے اور پھر صفت بسط کے ماتحت اسے بڑھاتا اور پھیلاتا ہے۔چنانچہ ان ہر دو صفات کیلئے قرآن مجید میں آتا ہے: وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (البقرۃ:246) یعنی اور اللہ رزق قبض بھی کر لیتا ہے اور کھول بھی دیتا ہے۔اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

22-اَلْخَافِضُ: نافرمانوں کو پست کرنے والا۔اور مرنے کے بعد انکا رفع نہ کرنے والا۔

23-اَلرَّافِعُ: فرمانبرداروں کے درجات بلند کرنے والا۔اور مرنے کے بعد ان کا رفع کرنے والا۔

ان دونوں صفات کے یہ معنی ہیں کہ خدا اپنے فرمانبرداروں کو دنیا میں قرب کی دولت عطا کرتا ہے اور بعد مرنے کے ان کا رفع ہوتا ہے۔برخلاف منکروں اور سرکشوں کے جن کا رفع نہیں ہوتا۔قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں آیا ہے: يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران:56) اے عیسیٰ! یقیناً میں تجھے وفات دونگا اور اپنی طرف تیرا رفع کرونگا۔

24-اَلْمُعِزُّ: عزت دینے والا۔

25-اَلْمُذِلُّ: ذلت دینے والا۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عزیز کرتا ہے۔دنیا میں طاقت دیکر اور عقبیٰ میں علو مرتبت دیکر اور نعیم جنت دیکر اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔یہ دونوں صفات قرآن کریم میں اس طرح بیان ہوئی ہیں:

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران:27) اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔

26-اَلسَّمِيْعُ: بہت سننے والا۔سب کی سننے والا۔دعا قبول کرنے والا۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ہے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرۃ:128) اے ہمارے ربّ! ہماری طرف سے قبول فرما۔بے شک تو بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔

27-اَلْبَصِيْرُ: بہت دیکھنے والا۔بینا۔گہری نظر رکھنے والا۔

یہ اسم بھی متعدد مرتبہ صفت الٰہی کے طور پر قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران:16) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔

28-اَلْحَكَمُ: مخلوقات کا حاکم۔صحیح صحیح فیصلہ کرنے والا۔

قرآن کریم کی سورۃ رعد میں آتا ہے: وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (الرعد:42) یعنی اور اللہ ہی صحیح فیصلہ کرنے والا ہے۔اس کے فیصلہ کو ٹالنے والا کوئی نہیں۔

29-اَلْعَدْلُ: عدل کرنے والا۔فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا۔

30-اَللَّطِيْفُ: نرمی اور مہربانی کرنے والا۔باریک بین۔

31-اَلْخَبِيْرُ: آگاہ۔دانا۔عالم۔باخبر

یہ اسم مشتق ہے خبر سے۔قرآن مجید میں فرمایا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام:104) یعنی آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں مگر ہاں وہ احاطہ کرنے والا ہے نظروں کا اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔

32-اَلْحَلِيْمُ: بردبار۔حلم والا۔

حلیم اسے کہتے ہیں جو مغلوب الغضب نہ ہو۔اور انتقام لینے میں جلدی نہ کرے بلکہ باوجود کامل اقتدار کے عفو و درگذر سے کام لے۔اللہ تعالیٰ اس لئے حلیم کہلاتا ہے کہ وہ تعذیب العباد میں جلدی نہیں کرتا۔

33-اَلْعَظِيْمُ: بزرگ۔بڑا۔عظمت والا۔

قرآن کریم کی سورۃ بقرہ میں اس صفت کا یوں اظہار ملتا ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرۃ:256) اسکی بادشاہت زمینوں اور آسمانوں پر پھیلی ہوئی ہے۔اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔اور وہ بہت بلند شان اور بڑی عظمت والا ہے۔

34-اَلْغَفُوْرُ: بہت بخشنے والا۔ڈھانپنے والا۔خطا پوش۔

غفّار اور غفور دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔مگر غفور میں زیادہ مبالغہ ہے۔یعنی اس کی مغفرت اتم و اکمل ہے۔

35-اَلشَّكُوْرُ: قدردان۔

الغفور اور الشکور یہ دونوں صفات ایک ساتھ بھی استعمال ہوئی ہیں۔جیسا کہ سورۃ فاطر میں فرمایا: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (فاطر:35) اور وہ کہیں گے کہ تمام تر تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔یقیناً ہمارا رب بہت ہی بخشنے والا اور بہت قدردان ہے۔

36-اَلْعَلِيُّ: بہت علو والا۔

اللہ تعالیٰ چونکہ سب سے فوق الرتبہ ہے اس لئے اس کا نام العلی ہے۔

37-اَلْكَبِيْرُ: بزرگ تر۔تمام بزرگیوں کا مستحق۔بڑی شان والا۔

العلی الکبیر یہ دونوں صفات بھی عمومًا ایک ساتھ آتی ہیں۔اور کبھی العلی العظیم بھی آتا ہے اور کبھی العلی الحکیم بھی آتا ہے۔پہلی کی مثال قرآن مجید میں سورۃ سبا میں ہے جہاں فرمایا: قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (سبا:24) وہ کہیں گے کہ ہمارے رب نے حق کہا تھا۔اور وہ بہت بلند شان والا اور بہت بزرگی والا ہے۔

38-اَلْحَفِيْظُ: نگہبان۔سب کی حفاظت کرنے والا۔

چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے: اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ (ھود:58) یقیناً میرا ربّ ہر چیز پر خوب محافظ ہے۔

39-اَلْمُقِيْتُ: نگران۔ہر چیز پر مقدرت رکھنے والا۔

اسم المقیت قوت سے ماخوذ ہے۔قوت دینے کے معنوں میں بھی آتا ہے اور کبھی توانا، گواہ اور نگاہ رکھنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔قرآن مجید میں سورۃ نساء میں اس صفت کا اظہار یوں آیا ہے: وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا (النساء:86) اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر بہت مقدرت رکھنے والا ہے۔

40-اَلْحَسِيْبُ: حساب کتاب لینے والا۔کافی۔

یہ اسم دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ایک معنوں میں کسی چیز کا کافی ہونا ہے۔جیسے حسبی الشیء یعنی یہ چیز مجھے کافی ہوئی۔بعض علماء اسکے معنی محاسب کے بھی لیتے ہیں۔سورۃ نساء میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَسِيْبًا (النساء:87) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

41-اَلْجَلِيْلُ: جلالت شان والا۔بزرگ۔قہری نشان ظاہر کرنے والا۔

42-اَلْكَرِيْمُ: صاحب کرم۔

کریم وہ ہے کہ سزا دینے پر قادر ہو تو معاف کرے۔کوئی وعدہ کرے تو وفا کرے۔اور دے تو امید سے زیادہ دے۔کوئی اس کی طرف التجا لے جائے تو اسے ضائع نہ ہونے دے۔یہ کبھی مکرم اور جواد کے معنوں میں بھی آتا ہے۔قرآن کریم میں آتا ہے: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىْ غَنِىٌّ كَرِيْمٌ (النمل:41) اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا ربّ یقیناً مستغنی اور صاحب کرم ہے۔

43-اَلرَّقِيْبُ: نگہبان۔نگران

قرآن مجید میں سورۃ نساء میں اس صفت کا ذکر آیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء:2) یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔

44-اَلْمُجِيْبُ: دعا قبول کرنے والا۔جواب دینے والا۔

جواب دینے اور دعا قبول کرنے کو اجابت کہتے ہیں۔یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کو صدق دل سے پکارتا ہے وہ اُس کو جواب دیتا اور اُسکی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔وہ قبولیت دعا خواہ کسی رنگ میں ہو۔جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا: اِنَّ رَبِّىْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ھود:62) یقیناً میرا ربّ قریب ہے اور وہ دعا قبول کرنے والا ہے۔

45-اَلْوَاسِعُ: وسعت والا۔

یہ صفت سَعَةٌ سے ماخوذ ہے۔اسکے معنے فراخی، فراخ کرنے اور گھیر لینے کے ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں اسکا اظہار وسعت حکمت، وسعت مغفرت، وسعت علم اور وسعت رحمت کے طور پر آتا ہے۔

وسعت حکمت کے متعلق فرمایا: وَكَانَ

اللّٰہُ واسِعًا حَکِیۡمًا (النساء:131)

وسعت مغفرت کے متعلق فرمایا: إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (النجم:33)

وسعت علم کے متعلق فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (البقرة:116)

وسعت رحمت کے متعلق فرمایا: فَقُل رَّبُّكُم ذُوۡ رَحۡمَةٍ واسِعَةٍ (الانعام:148)

46-الۡحَكِيۡمُ: بہت حکمت والا۔ حقائق اشیاء کا عالم۔

یہ اسم حکمت سے مشتق ہے اور کسی فعل پر عمدہ آثار مرتب ہونا حکمت کہلاتا ہے۔ حکیم وہ ہے جو حقائق اشیاء کا عالم ہو اور مخلوقات اور مصنوعات کی باریکیوں کو خوب جانتا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرشتوں کا قول ہے: قَالُوۡا سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا إِنَّكَ أَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ (البقرة: 33) انہوں نے کہا تیری ذات ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ ہم کو کوئی علم نہیں بجز اس علم کے جو تو نے ہم کو دیا۔ یقیناً تو ہی ہے جو دائمی علم رکھنے والا اور بہت حکمت والا ہے۔

47-الۡوَدُوۡدُ: بہت محبت کرنے والا۔ نیک بندوں کو دوست رکھنے والا۔

الوَدُوۡد مبالغہ کا صیغہ ہے جو فعولٌ کے وزن پر ہے۔ وِداد اور مودّت ایک ہی معنوں میں آتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس صفت کا اظہار سورۃ بروج میں اس طرح ملتا ہے: وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ (البروج:15) اور وہ (خدا) بہت بخشنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

48-الۡمَجِيۡدُ: بزرگ۔ شریف۔ عظمت و بڑائی والا۔

مجید وہ ہے کہ جسکی ذات شریف، افعال جمیل اور عطا جزیل ہو۔ یہ صفت ان معنوں کے لحاظ سے جمیل، وہاب اور کریم کی جامع ہے۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں کا قول مذکور ہے: قَالُوۡٓا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ (ھود:74) انہوں نے کہا کیا تو اللہ کے فیصلہ پر تعجب کرتی ہے۔ تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں اے اہل بیت! یقیناً وہ صاحب حمد اور بہت بزرگی والا ہے۔

49-الۡبَاعِثُ: دوبارہ زندگی دینے والا۔ عالم پر روحانی موت طاری ہونے کے وقت زندگی کی روح پھونکنے والا۔ رسول بھیجنے والا۔ سونے والوں کو جگانے والا۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِى الۡأُمِّيِّيۡنَ رَسُوۡلًا (الجمعۃ:3) وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔

50-الشَّهِيۡدُ: حاضر و نگہبان۔ گواہ و نگران۔

یہ اسم شہود یا شہادت سے مشتق ہے۔ شہود کے معنے حاضر ہونے کے ہیں اور شہادت کے معنے گواہ کے ہیں۔ غرض شہید اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ وہ مخلوقات کے ہر حال سے مطلع اور واقف ہے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کا قول آیا ہے: وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِى كُنۡتَ أَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَأَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ (المائدة:118) اور میں ان پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پس جب تو نے مجھے وفات دے دی، پس تو ہی ان پر نگران رہا اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے۔

51-الۡحَقُّ: سچائی اور صداقت کا سرچشمہ۔ اپنی ہستی میں ثابت شدہ وجود جس میں کوئی فنا اور تغیر نہیں ہوسکتا۔ ہر کمال کا دائمی اہل۔ قرآن کریم میں اس صفت کا ذکر ایسے آیا ہے: ثُمَّ رُدُّوۡا إِلَى اللّٰهِ مَوۡلَاهُمُ الۡحَقِّ (الانعام:63) پھر وہ لوٹائے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی مولیٰ ہے۔

52-الۡوَكِيۡلُ: کارساز۔ کفایت کرنے والا۔

وکیل اُسے کہتے ہیں جس کے سپرد ہم اپنا تمام کام کردیں اور تمام تصرف اس کے ہی ہاتھ میں ہو۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے محض فضل و کرم سے اپنے عاجز بندوں کے جملہ امور کا انصرام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس لئے وہ وکیل اور نعم الوکیل ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں فرمایا: وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ (آل عمران:174) اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

53-الۡقَوِيُّ: صاحب قدرت۔ توانا۔ تام القدرت

قرآن کریم میں اس صفت کے متعلق آیا ہے: اَللّٰهُ لَطِيۡفٌ بِعِبَادِهٖ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡقَوِيُّ الۡعَزِيۡزُ (الشوریٰ:20) اللہ اپنے بندوں کے حق میں نرمی کا سلوک کرنے والا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے اور وہ بہت طاقتور اور کامل غلبہ والا ہے۔

54-الۡمَتِيۡنُ: مضبوط صفات والا۔ صاحب قدرت۔ استوار

اس صفت الٰہی کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں ملتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ (الذّٰریٰت:59) یعنی یقیناً اللہ ہی ہے جو بہت رزق دینے والا، صاحب قوت اور مضبوط صفات والا ہے۔

55 الۡوَلِيُّ: محِبّ۔ مددگار۔ سرپرست۔ قریب

اللہ تعالیٰ متقی اور راستبازوں کا ولی ہے اور انہیں مدد دیتا ہے۔ ولی متولی کو بھی کہتے ہیں۔ اور اس میں کیا کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا متولی اور سرپرست ہے۔ ولی قریب کے معنوں میں بھی آیا ہے یعنی خدا تعالیٰ نیکوکاروں کے قریب ہے۔

56-الۡحَمِيۡدُ: ہر قسم کی حمد وثنا کے لائق۔

صفت حمید کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ سورۃ شوریٰ میں ولی اور حمید دونوں صفات کا ذکر ملتا ہے: وَيَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الۡوَلِيُّ الۡحَمِيۡدُ۔ (الشوریٰ:29) اور (خدا تعالیٰ) اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔ اور وہی ہے جو کارساز اور صاحب حمد ہے۔

57-الۡمُحۡصِى: ہر چیز کو احاطۂ علم میں کرنے والا۔ شمار کنندہ

چونکہ اللہ تعالیٰ حقائق و دقائقِ اشیاء کو جانتا ہے۔ ذرّات عالَم تک اس کا علم محیط ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ محصی کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے: وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيۡهِمۡ وَأَحۡصٰى كُلَّ شَىۡءٍ عَدَدًا (الجنّ:29) اور وہ (خدا) اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو اُن کے پاس ہے۔ اور اس نے ہر چیز کا گنتی کے لحاظ سے شمار کر رکھا ہے۔

58-الۡمُبۡدِئُ: پہلی بار پیدا کرنے والا۔ آغاز کرنے والا۔

59-الۡمُعِيۡدُ: دوبارہ پیدا کرنے والا۔ دُہرانے والا۔

مندرجہ بالا دونوں صفات کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ بروج میں ایک ساتھ ملتا ہے: إِنَّهٗ هُوَ يُبۡدِئُ وَيُعِيۡدُ (البروج:14) یقیناً وہ (خدا) آغاز بھی کرتا ہے اور دُہراتا بھی ہے۔

60-الۡمُحۡیِى: مخلوق کو زندگی بخشنے والا۔

سورۃ روم میں فرمایا: إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡيِى الۡمَوۡتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (الروم:51) یقیناً وہی ہے جو مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

61-الۡمُمِيۡتُ: مارنے والا۔ موت دینے والا۔

اسکا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آتا ہے: وَاللّٰهُ يُحۡيِى وَيُمِيۡتُ (آل عمران:157) اور اللہ ہی ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔

62-الۡحَیُّ: خود زندہ اور دوسروں کی زندگی کا باعث اور موجب۔ زندۂ جاوید۔

63-الۡقَيُّوۡمُ: قائم بِالذّات۔ خود قائم اور دوسروں کے قیام کا حقیقی ذریعہ۔

قَيُّوۡم مبالغہ ہے قَيِّم کا۔ قَيِّم کہتے ہیں کسی امر پر باقاعدگی سے جمے رہنا اور کبھی نہ ٹلنا۔

سورۃ آل عمران (آیت الکرسی) کے آغاز میں ہی مذکورہ بالا دونوں صفات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الۡحَيُّ الۡقَيُّوۡمُ (آل عمران:3) اللہ! اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قائم بِالذّات ہے۔

64-الۡوَاجِدُ: بے نیاز اور غنی ہستی۔ مقصد میں کامیاب ہونے اور کرنے والا۔

65-الۡمَاجِدُ: بزرگی والا۔

66-الۡوَاحِدُ: تنہا۔ یگانہ۔ یکتا۔

واحد سے مراد یہ ہے کہ اس کے اجزاء اور حصص نہ ہوسکیں۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے: وَّمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ (صٓ:66) تو کہہ دے میں تو محض ایک ڈرانے والا ہوں اور کوئی معبود نہیں مگر اللہ جو واحد (اور) صاحبِ جبروت ہے۔

67-الۡاَحَدُ: ایک۔ اس جیسا کوئی اور نہیں۔

سورۃ اخلاص میں اللہ تعالیٰ اپنی اس صفت کا ذکر فرماتا ہے: قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص:2) تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اَحد

اور واحد میں وہ فرق ہے جو ہماری زبان میں لفظ ایک اور اکیلا میں ہے۔

68-الصَّمَدُ : بے احتیاج۔ مستغنی۔ بے نیاز۔ انسان کے مقاصد کا اصل مرجع۔

صمد کے اصل معنی قصد کے ہیں ۔ چونکہ انسان اپنے تمام مطالب ومقاصد میں اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت صمد ہے ۔قرآن کریم کی سورۃ اخلاص میں اس صفت کو بیان فرمایا: اَللّٰهُ الصَّمَدُ (الاخلاص: 2 تا 3) اللہ بے نیاز ہے۔

69-الْقَادِرُ : قدرت والا۔

قرآن کریم کی سورۃ انعام میں اس صفت کو اس رنگ میں بیان فرمایا: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ (الانعام:66) تو کہہ دے کہ وہ قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے۔

70-الْمُقْتَدِرُ : صاحب مقدرت۔ صاحب اقتدار

مقتدر اور قادر کے معنے تو ایک ہی ہیں البتہ مقتدر میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔قرآن کریم میں فرمایا: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ○ (القمر: 56-55) یقیناً متقی جنتوں میں اور فراخی کی حالت میں ہوں گے۔ سچائی کی مسند پر، ایک مقتدر بادشاہ کے حضور۔

71-الْمُقَدِّمُ : آگے بڑھانے والا۔ (اپنے دوستوں کو بارگاہِ عزت کی طرف بڑھانے والا)

72-الْمُؤَخِّرُ : پیچھے ہٹانے والا۔ (دشمنوں کو اپنے رعب سے پیچھے ہٹانے والا)

73-الْأَوَّلُ : پہلا۔

خدا تعالیٰ کیلئے آتا ہے ”ھو الاوّل لیس قبلہ شَیْئٌ“ یعنی سب سے پہلا اور اس سے پہلے کوئی شئے نہیں تھی۔ مخلوقات میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جو خدا سے پہلے ہو۔

74-الْآخِرُ : آخری۔

خدا تعالیٰ کیلئے یہ بھی آتا ہے ”ھو الآخر لیس بعدہ شَیْئٌ“ یعنی ہر شئے کی فنا اور زوال کے بعد اس کی ذات پاک موجود ہے۔

75-الظَّاهِرُ : ظاہر۔ عیاں۔

خدا تعالیٰ کیلئے یہ بھی آتا ہے ”ھو الظَّاهِرُ لیس فوقہ شَیْئٌ“ یعنی ہر چیز سے اوپر اسکے غلبہ کا اظہار ہے۔ بس وہی ہے۔ اس سے اوپر اور کوئی شئے دکھائی نہیں دیتی۔

76-الْبَاطِنُ : باطن۔ نہاں۔ چھپا ہوا۔ پوشیدہ

خدا تعالیٰ کیلئے یہ الفاظ بھی آتے ہیں ”ھوالباطن لیس دونہ شَیْئٌ“ وہ پوشیدہ راز ہے اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں جو ایسے اسرار لئے ہو۔ یہ چاروں صفات سورۃ حدید میں ملتی ہیں۔ فرمایا:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظّٰهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید: 4) وہی اوّل اور وہی آخر، وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا دائمی علم رکھتا ہے۔

77-الْوَالِي : تمام امور کا متولی اور سب کا مالک۔ متصرف۔ کارساز۔

قرآن مجید میں یہ صفت اس طرح بیان ہوئی ہے: وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (الرّعد: 12) اور جب اللہ کسی قوم کے بدانجام کا فیصلہ کرلے تو کسی صورت اس کا ٹالنا ممکن نہیں اور اس کے سوا اُن کیلئے کوئی کارساز نہیں۔

78-الْمُتَعَالِي : بلند وبالا۔ رفیع الشان۔

قرآن کریم میں صفت مذکور کا ذکر سورۃ الرعد میں ملتا ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (الرّعد: 10) وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ بہت بڑا (اور) بہت رفیع الشان ہے۔

79-الْبَرُّ : اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا۔ نیکوں کی قدر کرنے والا۔

یہ صفت سورۃ طور میں صفت رحیم کے ساتھ مل کر اس طرح آئی ہے: اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۖ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ (الطّور: 29) یقیناً ہم پہلے بھی اسی کو پکارا کرتے تھے۔ بے شک وہی بہت نیک سلوک کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

80-التَّوَّابُ : بندوں کے گناہوں کی توبہ قبول کرنے والا۔ رجوع برحمت کرنے والا۔

التواب مبالغہ کا صیغہ ہے اور اسکا مادّہ توبہ ہے۔ توبہ کے اصل معنی رجوع کرنا ہیں۔ اور کسی بدی سے توبہ کرنے کا مفہوم اور مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس بدی کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل نیکی کو اختیار کیا جائے۔ یہ صفت قرآن کریم میں کئی جگہ آئی ہے۔ منجملہ ان کے سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے کہ:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ: 161) سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور (اللہ کے نشانات کو) کھول کھول کر بیان کیا۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن پر میں توبہ قبول کرتے ہوئے جھکوں گا۔ اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہوں۔

81-الْمُنْتَقِمُ : نافرمانوں سے انتقام لینے والا۔ نافرمانی کی سزا دینے والا۔

قرآن کریم میں ذکر ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۚ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ (السّجدۃ: 23) اور کون اس سے زیادہ ظالم ہوسکتا ہے جو اپنے ربّ کی آیات کے ذریعہ اچھی طرح نصیحت کیا جائے پھر بھی اُن سے منہ موڑ لے؟ یقیناً ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

82-الْعَفُوُّ : گناہوں سے درگذر کرنے والا۔ گناہوں کو مٹانے والا۔ معاف کرنے والا۔

عفو ہمیشہ غفر سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ اس لئے کہ غفر میں گناہ کو چھپانا اور ڈھانکنا مقصود ہوتا ہے۔ عفو میں گناہوں کو محو ہی کردیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ نساء میں اس صفت کا ذکر ملتا ہے: وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النساء: 100) اور اللہ بہت درگزر کرنے والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔

83-الرَّءُوْفُ : نرم سلوک کرنے والا۔ بہت شفقت کرنے والا۔

اس کا مصدر رأفت ہے جس کے معنوں میں شدت رحمت بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ صفت صفت رحیم کے ساتھ آئی ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النور: 21) اور اگر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت تم پر نہ ہوتے اور یہ کہ اللہ یقیناً بہت شفقت کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (تو تم میں بے حیائی پھیل جاتی)

84-مَالِكُ الْمُلْكِ : سلطنت کا مالک۔ ملک کا مالک۔ بادشاہت کا مالک۔

قرآن کریم کی سورۃ آل عمران میں آیا ہے: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (آل عمران: 27) تُو کہہ دے اے میرے اللہ! سلطنت کے مالک! تُو جسے چاہے سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لیتا ہے۔

85-ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ : بزرگی اور عزّت والا۔ صاحبِ جلال اور صاحبِ اکرام

سورہ الرحمٰن میں اس کا ذکر آیا ہے: تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن: 79) تیرے صاحبِ جلال اور صاحبِ اکرام ربّ کا نام ہی برکت والا ثابت ہوا۔

86-الْمُقْسِطُ : انصاف کرنے والا۔ عادل۔ منصف۔

مقسط کے معنے جور وظلم کو دور کرنے والے کے بھی ہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ آل عمران میں صفت مذکور کا ذکر ہے، چنانچہ فرمایا: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران: 19) اللہ انصاف پر قائم رہتے ہوئے شہادت دیتا ہے کہ اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں اور فرشتے بھی اور اہلِ علم بھی (یہی شہادت دیتے ہیں) کوئی معبود نہیں مگر وہی کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

87-الْجَامِعُ : تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا۔ اور تمام کمالات کا جامع۔ یکجا کرنے والا۔

سورۃ آل عمران میں ہی صفت مذکور کے بارہ میں آیا ہے: رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ (النسآء: 10) اے ہمارے ربّ! تُو یقیناً لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کیلئے جس میں کوئی شک نہیں۔

88-الْغَنِيُّ : ہر قسم کی ضرورتوں کا متکفل اور بے پروا اور بے نیاز۔

غنی مشتق ہے غناء سے اور غنا کہتے ہیں بے نیاز ہونے کو یعنی خدا تعالیٰ سب سے بے نیاز ہے۔ غنی جو مالدار کے معنوں میں مشہور ہے وہ بھی بے نیازی کی ایک قسم ہے۔ سورہ حج میں یہ صفت اس طرح مذکور ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ(الحج: 65)اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور یقیناً اللہ ہی ہے جو بے نیاز ہے (اور) صاحبِ حمد ہے۔

89۔الْمُغْنِي: مالدار کرنے والا۔ بے نیاز کرنے والا۔ بے پروا کرنے والا۔

سورۃ نور میں نکاح کی توفیق نہ رکھنے والے بندوں کے بارہ میں آتا ہے: وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور: 34)اور وہ لوگ جو نکاح کی توفیق نہیں پاتے انہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو بچائے رکھیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے مالدار بنا دے۔

90۔الْمَانِعُ : روکنے والا۔اپنے بندوں سے تکالیف دور کرنے والا۔

91۔الضَّارُّ :اعمال بد کے بُرے نتائج دینے والا۔ضرر کا مالک۔

92۔النَّافِعُ : نفع وخیر کا دینے کرنے والا۔

93۔النُّوْرُ:روشنی کا منبع۔روشن کرنے والا۔ ہمہ نور۔نور ہی نور۔

سورۃ نور میں نہایت لطیف رنگ میں صفت نور کا بیان ملتا ہے۔فرمایا: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النّور: 36) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

94۔الْهَادِي :ہدایت دینے والا۔ ہدایت کرنے والا۔کامیاب کرنے والا۔

قرآن کریم میں فرمایا:وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (النّور: 47)اور اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

95۔الْبَدِيْعُ :نئی سے نئی ایجاد کرنے والا۔تخلیق کا آغاز کرنے والا۔

صفت ہذا سورۃ بقرہ میں مذکور ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ(البقرۃ:118)وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا آغاز کرنے والا ہے۔اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ اُسے محض ”ہوجا“ کہتا ہے تو وہ ہونے لگتا ہے اور ہوکر رہتا ہے۔

96۔الْبَاقِي: صاحبِ بقا۔باقی رہنے والا۔جو کبھی فنا نہ ہوگا۔

سورۃ الرحمٰن میں فرمایا:وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن: 28)مگر تیرے ربّ کا جاہ وحشم باقی رہے گا جو صاحبِ جلال واِکرام ہے۔

97۔الْوَارِثُ:اصل مالک۔وارث۔ موجودات کی فنا کے بعد باقی رہنے والا۔

سورۃ الحجر میں فرمایا:وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ(الحجر: 24)اور یقیناً ہم ہی ہیں جو زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں اور ہم ہی ہیں جو (ہر چیز کے) وارث ہوں گے۔

98۔الرَّشِيْدُ : رُشد دینے والا۔ راہنما۔صفات کمال والا۔

رشید کا مشتق رشد ہے۔قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ(الانبیاء: 52)اور یقیناً ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اُسکی رُشد عطا کی تھی اور ہم اُسکے بارہ میں خوب علم رکھتے تھے۔

99۔الصَّبُوْرُ : بڑا صبر کرنے والا۔ سزا دینے میں دھیما۔

اصل میں صبر کے معنی تحمل اور برداشت کے ہیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی شوخیوں اور نافرمانیوں کو برداشت کرتا ہے اور مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اس لئے اس کی یہ صفت صبور ہے۔

......☆......☆......

ارشاد باری تعالیٰ

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران:194)

ترجمہ: اَے ہمارے ربّ! یقیناً ہم نے ایک منادی کرنیوالے کو سُنا جو ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اپنے ربّ پر ایمان لے آؤ پس ہم ایمان لے آئے

”جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا“

پاکیزہ منظوم کلام سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

لوگو سنو! کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں
جس میں ہمیشہ عادت قدرت نما نہیں

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا !
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اس سے ہیں جدا

اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا
جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

جس کو تلاش ہے کہ ملے اس کو کردگار
اس کے لیے حرام جو قصوں پہ ہو نثار

اس کا تو فرض ہے کہ وہ ڈھونڈے خدا کا نور
تا ہووے شک وشبہ سبھی اس کے دل سے دور

تا اس کے دل پہ نورِ یقیں کا نزول ہو
تا وہ جناب عز و جل میں قبول ہو

وہ رہ جو ذات عز و جل کو دکھاتی ہے
وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے

وہ رہ جو یار گم شدہ کو ڈھونڈ لاتی ہے
وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے

وہ تازہ قدرتیں جو خدا پر دلیل ہیں
وہ زندہ طاقتیں جو یقیں کی سبیل ہیں

ظاہر ہے یہ کہ قصوں میں ان کا اثر نہیں
افسانہ گو کو راہ خدا کی خبر نہیں

اس بے نشاں کی چہرہ نمائی نشاں سے ہے
سچ ہے کہ سب ثبوت خدائی نشاں سے ہے

جس کو خدائے عز وجل پر یقیں نہیں
اس بد نصیب شخص کا کوئی بھی دیں نہیں

پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں
وہ اس سے مل کے دل کو اسی سے ملاتے ہیں

اس ذات پاک سے جو کوئی دل لگاتا ہے
آخر وہ اس کے رحم کو ایسا ہی پاتا ہے

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی
حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

جب تک خدائے زندہ کی تم کو خبر نہیں
بے قید اور دلیر ہو کچھ دل میں ڈر نہیں

سو روگ کی دوا یہی وصلِ الٰہی ہے
اس قید میں ہر ایک گناہ سے رہائی ہے

ہر چیز میں خدا کی ضیا کا ظہور ہے
پر پھر بھی غافلوں سے وہ دلدار دور ہے

جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا
اے آزمانے والے !یہ نسخہ بھی آزما

عاشق جو ہیں وہ یار کو مر مر کے پاتے ہیں
جب مر گئے تو اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں

ناپاک زندگی ہے جو دوری میں کٹ گئی
دیوار زہدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی

زندہ وُہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں
مقبول بن کے اُس کے عزیز وحبیب ہیں

وہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں
ہر دم اسیرِ نخوت و کِبر و غرور ہیں

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضئ خدا

اے کِرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو
زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیور کو

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دار الوصال میں

چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضئ مولیٰ اسی میں ہے

تقویٰ کی جڑ خدا کے لیے خاکساری ہے
عفّت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں
تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دُور جاتے ہیں

اِک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں
پھر شوخیوں کا بیج ہر اک وقت بوتے ہیں

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن، جلد 21، صفحہ 17 تا 18)

ہستی باری تعالیٰ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں

(اطہر احمد شمیم، مربی سلسلہ، استاد جامعہ احمدیہ قادیان)

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفٰی نکلا

ہستی باری تعالیٰ یعنی اللہ وہ اجمال ہے جس کی تفصیل یہ کائنات ہے اور اگر اس تفصیل پر غور کیا جائے تو کائنات کی ہر شے چیخ چیخ کر اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ:

تمام انسان حیوان جمادات نباتات اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ہمارا خالق حقیقی خدا ہی ہے۔ انسان یعنی اشرف المخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے خود صفت تکلم سے اپنے وجود کا پتہ دیا ہے اور آج بھی دے رہا ہے۔ اسکے باوجود انسان اپنی عقل کے دھوکہ میں آکر کئی قسم کے سوالات خدا کی ذات کے بارے میں پیدا کر رہا ہے اور اس بات کو بھول گیا کہ:

عقل کو دین پہ حاکم نہ بناؤ ہرگز
یہ تو خود اندھی ہے گر نیّر الہام نہ ہو

دنیا میں جس قدر بھی مذاہب ہیں سوائے اسلام کے سب خدا کی ہستی کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن ایک ایسی عیب دار ہستی کا کہ ایسا عیب اپنے عزیز و اقارب کیلئے بھی برداشت نہ ہو۔ کوئی کہتا ہے کہ خدا ہمارا خالق نہیں، کوئی کہتا ہے کہ مالک نہیں، کوئی رحیمیت کا انکاری ہوا، کوئی کہنے لگا کہ ہمارا خدا سنتا نہیں تو کوئی کہتا ہے کہ ہمارا خدا سنتا تو ہے لیکن اسکا جواب دینے پر قادر نہیں۔ آخر کار اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دوبارہ زندہ کرنے کیلئے مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ حاصل کلام یہ کہ آج جماعت احمدیہ ہی ہے جو قرآن کریم کی آیات اور پیش کردہ شواہد کے مطابق خدا کی ہستی کو اسکی تمام صفات کے ساتھ قبول کرتی اور کروانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اب خاکسار قرآن کریم کی بعض آیات اپنے مضمون کے حق میں پیش کرے گا۔

توحید باری تعالیٰ

وَ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ (البقرۃ: 164) اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی رحمان (اور) رحیم۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ فرماتے ہیں: دنیا میں جس قدر چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں سب مرکب ہیں کوئی بھی مفرد نہیں۔ ہوا کو لو۔ وہ بھی مختلف گیسوں سے مرکب ہے۔ پانی بھی مرکب ہے۔ غرض دنیا مرکبات کا مجموعہ ہے۔ ان مرکبات کا کوئی جوڑنے والا اور مرکب کرنے والا تسلیم کرنا پڑے گا اور وہی خدا ہے لیکن اگر کہو کہ یہ خودبخود مرکب ہوئے ہیں اور مرکب ہونا انکی خاصیت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر مرکب ہونا ان کا خاصہ ہے تو چاہئے کہ جب ہم ان چیزوں کو توڑ دیں تب بھی وہ دوبارہ مرکب ہو جایا کریں۔ کیونکہ بقول تمہارے مرکب ہونا ان کا اپنا خاصہ ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ دیکھو جب ہم ایک درخت سے اسکے پھل پھول، پتے، شاخیں، ڈالیاں، تنے جدا کر دیں تو وہ پھر کبھی نہیں جُڑتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جڑنا اور مرکب ہونا درخت کا اپنا خاصہ نہیں۔ ورنہ توڑنے کے بعد پھر دوبارہ جڑ جاتا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مرکب ہونا چیزوں کا اپنا خاصہ نہیں تو لامحالہ ایک مرکب کرنے والا ماننا پڑے گا۔ یہ بات گھڑے سے خوب حل ہوتی ہے۔ گھڑا پہلے مٹی تھا لیکن ایک شخص نے اپنے ارادہ سے اس مٹی کو پانی سے مرکب کیا۔ پھر ایک خاص صورت بنائی۔ پھر اُسے آگ میں ڈالا اور تب جا کر وہ گھڑا بنا۔ اب بتاؤ کہ وہ گھڑا خودبخود بنا۔ یا اسے کسی نے بنایا۔ اگر کہو کہ خودبخود بنا تو ہم کہتے ہیں آؤ اسے تھوڑی دیر کیلئے توڑ دیں۔ پھر دیکھیں کہ آیا یہ دوبارہ ویسا بن جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھڑے نے موجودہ صورت خودبخود اختیار نہیں کی بلکہ اس کا کوئی بنانے والا ضرور موجود ہے۔ اسی طرح دنیا کی تمام چیزیں مرکب اور ایک خاص صورت پر ہیں۔ اگر کہو کہ وہ خودبخود اس ترکیب سے اور اس ہیئت پر ہیں تو یہ تو صریحاً غلط ہے۔ ان کو توڑ کر دیکھ لو۔ دوبارہ کبھی خودبخود نہ بن سکیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ترکیب دینے والا کوئی اور وجود ہے۔ (الفضل قادیان 7؍فروری 1915، صفحہ 5 کالم 3)

اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا کلام قرآن مجید لاثانی کلام ہے

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (ہود: 14) یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اِفترا کر لیا ہے تُو کہہ دے کہ پھر اس جیسی دس اِفترا کی ہوئی سورتیں تو لاؤ اور اللہ کے سوا جسے پکار سکتے ہو (مدد کیلئے) پکارو اگر تم سچے ہو۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ فرماتے ہیں: ساتویں دلیل اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے منوانے کیلئے قرآن مجید میں یہ بیان فرمائی ہے کہ میں یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کرتا ہوں اور یہ کتاب کیا بلحاظ فصاحت و بلاغت اور کیا بلحاظ اپنی معنوی خوبیوں کے ایسی بے مثل ہے کہ اس کی نظیر کوئی نہیں بنا سکتا اور اگر کسی میں طاقت ہے تو وہ آزما دیکھے۔ پھر زور دے کر فرمایا کہ اگر دنیا کے جن و اِنس اگلے اور پچھلے عالم اور جاہل مل کر بھی اس پایہ کی کتاب بنانا چاہیں تو بھی نہیں بنا سکتے۔ اور یہ بات دلیل ہے اس امر کی کہ یہ کتاب کسی انسان کی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی انسان کی تصنیف ہوتی تو اور بہت سے انسان ایسی تصنیف کر سکتے لیکن جب کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کی مثل لانے پر قادر نہیں۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ یہ انسانی فعل نہیں بلکہ کسی وراء الوراء ہستی کا ہے جو تمام انسانوں سے زیادہ قادر اور علیم و حکیم ہے اور اسی کو دوسرے لفظوں میں مسلمان خدا کہتے ہیں۔ غرض قرآن کا بے مثل ہونا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک بڑا زبردست ثبوت ہے۔

(الفضل قادیان 7؍فروری 1915، ص5، کالم 1)

انبیاء کی گواہیاں

دنیا میں آج تک جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے ان سب نے خدا تعالیٰ کے وجود کے بارے میں دنیا کو مطلع کیا۔ لیکن ان انبیاء کے پیش کردہ ہستی باری تعالیٰ کے دلائل ان کے اپنے مذاہب نے محفوظ نہ رکھے۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوبارہ ان تمام دلائل کو اکٹھا کیا ہے جس سے انہوں نے ہستی باری تعالیٰ کو ثابت کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ○ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ○ وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَاِلۡيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ○ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَيُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ○ وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ ۚ وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ○ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنۡ يَّكۡفُرۡ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدۡ وَكَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّيۡسُوۡا بِهَا بِكٰفِرِيۡنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰٮهُمُ اقۡتَدِهۡ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡعٰلَمِيۡنَ ○ (الانعام: 84 تا 91) یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اسکی قوم کے خلاف عطا کی ہم جس کو چاہتے ہیں درجات میں بلند کر دیتے ہیں یقیناً تیرا ربّ بہت حکمت والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔ اور اس کو ہم نے اسحق اور یعقوب عطا کئے سب کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہم نے اس سے پہلے ہدایت دی تھی اور اُس کی ذرّیت میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو بھی اور اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو جزا عطا کیا کرتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (کو بھی) یہ سب کے سب صالحین میں سے تھے (86) اور اسماعیل کو اور اَلیَسَع کو اور یونس کو اور لوط کو بھی اور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی......یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی پس انکی (اُس) ہدایت کی پیروی کر (جو اللہ ہی نے عطا کی تھی) تو کہہ دے کہ میں تم سے اسکا کوئی اجر نہیں مانگتا یہ تو تمام جہانوں کیلئے محض ایک نصیحت ہے۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ فرماتے ہیں:

دنیا کے ابتداء کی طرف جاؤ۔ ابوالبشر آدم صفی اللہ رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا کہہ کر خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔ پھر پارسیوں کو لو۔ ان کے نبی بھی خدا کے وجود کی شہادت دے رہے ہیں۔ پھر وید کے رشیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ ایک وراء

الوراء ہستی ہے۔ پھر یہودیوں اور عیسائیوں کے راستباز بھی اسی پر متفق نظر آتے ہیں۔ پھر سب کے بعد خیر الانس والجان نے بھی دنیا کے سامنے یہی شہادت پیش کی۔ اب کیا ہم ان تمام راستبازوں کی گواہی کو ردّ کر دیں۔ ہر گز نہیں۔ ہمیں سوائے تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ غرض کہ تمام دنیا کی مختلف قوموں کے راستبازوں کا متفق ہو کر خدا کے وجود کا اقرار کرنا اسکے واقعہ میں موجود ہونے کا ایک بڑا بھاری ثبوت ہے۔

(الفضل قادیان 2؍فروری 1915ء، صفحہ 7)

خانہ کعبہ خانۂ خدا

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (المائدہ: 98) اللہ نے بیتِ حرام کعبہ کو لوگوں کے (دینی اور اقتصادی) قیام کا ذریعہ بنایا ہے اور حرمت والے مہینہ کو اور قربانی کے جانوروں کو اور قربانی کی علامت کے طور پر پٹے پہنائے ہوئے جانوروں کو یہ (تنبیہ) اس لئے ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ اُسے خوب جانتا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں چھٹی دلیل اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کے وجود کو پیش کرتا ہے...... دنیا میں بہت سے بادشاہ ہیں۔ بڑے بڑے قلعے بنواتے ہیں اور آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں تیار کرواتے ہیں لیکن ایک وقت کے بعد وہ قلعے ٹوٹ پھُوٹ جاتے ہیں۔ وہ عمارتیں ویران ہو جاتی ہیں اور کوئی انکا پرسان حال نہیں رہتا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ بادشاہ اپنے وقت میں بیشک بڑی قوت اور شوکت رکھتے تھے لیکن جب موت نے ان کو اس دنیا سے باہر کر دیا پھر اس کارخانہ میں ان کا کوئی دخل باقی نہ رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک چھوٹا سا مکان مکہ میں بناتا ہوں۔ وہ ہمیشہ آباد رہے گا۔ اور اس مقام پر کبھی ویرانی دخل نہ پا سکے گی۔ وہ مکان لوگوں کیلئے امن کا موجب ہو گا۔ لوگ دنیا کے کناروں سے قربانیاں گزرانے وہاں آئیں گے اور وہاں پر ہمیشہ حج ہوتا رہے گا اور وہ دینی مرکز بن جاوے گا۔ اب دیکھو اس وعدہ کو تیرہ سو برس ہونے کو آئے اور ہمارے سامنے سینکڑوں قلعے اور عظیم الشان فلک نما عمارتیں زمین کا پیوند ہو گئیں۔ بیسیوں بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو گئیں اور دنیا پر بڑے بڑے انقلاب آئے مگر مکہ کا وہ معمولی سا مکان اپنی اسی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے۔ لوگوں کیلئے امن کا موجب بنا ہوا ہے۔ دیکھو! آج موجودہ جنگ میں ٹرکی کے ماتحت ہونے کی وجہ سے شام اور عراق اور قسطنطنیہ سخت خطرہ میں ہیں اور وہاں کے لوگ آئندہ آنے والے حوادث سے پریشان ہو رہے ہیں۔ مگر ملک عرب اور مکہ معظّمہ ایک ایسا مقام ہے جہاں کے رہنے والوں کو اس جنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔ غرض مکہ معظّمہ کی یہ خصوصیت اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا وہاں ہر سال دیوانہ وار دوڑتے ہوئے جانا اور بیت اللہ کا یہ اعزاز و احترام اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا بنانے والا غیر فانی ہے۔ اور آگے فرمایا۔ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ یعنی بیت اللہ کا وجود جس طرح دلالت کرتا ہے کہ اسکا بانی ازلی ابدی اور قادر مقتدر ہے جو اپنے بنائے ہوئے مکان کی حفاظت اپنی بے نظیر قدرت سے کرتا ہے اسی طرح وہ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ بھی ہے۔ غرض خانہ کعبہ کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک برہان ہے۔

(الفضل قادیان 4؍فروری 1915ء، صفحہ 4)

فطرت انسانی کی گواہی

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (الاعراف: 173) اور (یاد کرو) جب تیرے ربّ نے بنی آدم کی صُلب سے ان کی نسلوں (کے مادّۂ تخلیق) کو پکڑا اور خود انہیں اپنے نُفوس پر گواہ بنا دیا (اور پوچھا) کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں مبادا تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم تو اس سے یقیناً بے خبر تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: وہ خدا جس کا پتہ قرآن شریف بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیۃ کریمہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کے ہریک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے۔ اس کی طرف جھکنے کیلئے ہریک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے کیونکہ نور قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کیلئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلاشبہ اسی کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی ہریک چیز اسکی پاکی اور اسکے محامد بیان کر رہی ہے اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کر لیگا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے پس اگر وہ تعلق خدا کا خالق ہونا نہیں تو کوئی آریہ وغیرہ اس بات کا جواب دیں کہ اس تعلق کی وید وغیرہ میں کیا ماہیت لکھی ہے اور اس کا کیا نام ہے۔ (ست بچن رخ جلد 10، صفحہ 296)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ عادل رحیم وقدوس خدا نے تمام بنی آدم میں ان کی بدءِ فطرت میں ایک قوت ایمانیہ اور نور فراست ودیعت رکھا ہے جو ہمیشہ وجود الٰہی اور اسکی ربوبیت کا اقرار یاد دلاتا رہتا ہے۔ یا اقلّاً یوں کہو کہ اگر مثلاً کسی عارض کے باعث غافل بھی ہو جاوے تو بھی چونکہ اصل فطرت میں وہ قوت مجبول کی گئی ہے کسی بیرونی محرّک کے سبب سے حرکت میں آجاتی ہے۔ ہاں اگر کسی بے ایمان کے اندر کسی باعث وہ قوت بالکل مر گئی ہو اور وہ کمبخت اتھاہ کنویں میں جا پڑا ہو اور شیطان کا فرزند بن کر آسمانی دفتر سے اس نے اپنا نام کٹوا لیا ہو تو یہ اسکا اپنا قصور ہے۔ عادل خدا کی ذات اس سے منزّہ ہے۔

اب اسی کی فطرت کے اقرار کو اسی ربوبیت الٰہی کے جبلی معترف فطرت کو الہامی زبان، ربانی کلام اس طرز عبارت میں بیان فرماتا ہے۔ اور اس دقیق فطرت کے راز کو اس طرح پر انسان کو سمجھاتا ہے کہ انسان بدفطرت میں میری ربوبیت کا اقرار کر چکا ہے۔ یعنی الوہیت ایزدی کا اعتراف انسان کا جبلی اور فطری ہے اور اسکی ترکیب وہیئت ہی اس امر پر شاہد عادل کافی ہے۔ (حقائق الفرقان، جلد 2، صفحہ 241)

ہر اک شئے کا منتہیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ (النجم: 43 تا 46) اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہی بالآخر پہنچنا ہے۔ اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا ہے اور رُلاتا بھی ہے۔ اور یہ کہ وہی ہے جو مارتا ہے اور زندہ بھی کرتا ہے۔ اور یہ کہ وہی ہے جس نے جوڑا پیدا کیا، یعنی نر اور مادہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: موجودہ امور گزشتہ امور کے نتائج ہوتے ہیں اور مستقبل حال کا ثمرہ یہ سلسلہ ماضی کی طرف اگرچہ ان لوگوں کے نزدیک جو الٰہی ہستی سے بے خبر ہیں لا منتہیٰ ہے مگر خدا کے ماننے والے جانتے ہیں کہ بات یہی سچ ہے اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى یعنی سب چیزوں کا منتہیٰ اور انجام تیرے رب کی طرف ہے۔ زمانہ بھی آخر مخلوق ہے کیونکہ زمانہ مقدار فعل کا نام ہے۔ مقدار فعل، فعل سے پیدا ہو سکتا ہے اور فعل، فاعل سے۔ جناب الٰہی کی ذات پاک چونکہ ازلی ہمہ دان ست اور چت (عالم) ہمہ قدرت اور سامرتھ ہے۔ وہ اپنے ازلی علم سے جانتا تھا کہ فلاں اپنے پیارے بندے کو مجھے فلاں وقت مؤید و مظفر اور منصور کرنا ہے اور فلاں وقت فلاں شریر کو جو اس کے مقابل ہو گا ذلیل اور خوار اور خائب و خاسر کر دینا ہے۔ اس لیے اس نے ابتداء ہی سے ایسے اسباب اور مواد مہیا کر دیئے کہ اس وقت معین اور مقدر میں اس کا مخلص مومن متقی محسن اور برگزیدہ بندہ لامحالہ فتح مند ہو جاتا ہے اور اسکا دشمن اللہ سے دور فضل سے ناامید ابلیس شریر اور شرارت پیشہ تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے۔

(حقائق الفرقان، جلد 4، صفحہ 36)

غلبۂ رسل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی اپنے رسولوں کا انتخاب کرتا ہوں اور پھر میں ہی دنیوی لحاظ سے باوجود کمزور ہونے کے اپنے رسولوں کو مخالفین پر غلبہ بھی دیتا ہوں چنانچہ فرماتا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلہ: 22) اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور مَیں اور میرے رسول غالب آئیں گے یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم: 48) اور یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے کئی رسولوں کو اُنکی قوم کی طرف

بھیجا پس وہ ان کے پاس کھلے کھلے نشانات لے کر آئے تو ہم نے ان سے جنہوں نے جرم کئے انتقام لیا اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا فرض ٹھہرتا تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اُس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اِس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور اُن کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اُس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اِسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اُس کی تخم ریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔''

(الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 304)

الہام وکلام۔ہستی باری تعالیٰ کی زبردست دلیل

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ ۟ۙ وَیَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ (ابراہیم:28) اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے مستحکم قول کے ساتھ دنیوی زندگی میں اور آخرت میں استحکام بخشتا ہے۔

صفات باری تعالیٰ

ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ ۚ ہُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ○ ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُہَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ○ ہُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (الحشر:23 تا 25) وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں غیب کا جاننے والا ہے اور حاضر کا بھی وہی ہے جو بِن مانگے دینے والا، بے انتہا رحم کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلام ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، کامل غلبہ والا ہے، ٹوٹے کام بنانے والا ہے (اور) کبریائی والا ہے پاک ہے اللہ اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ وہی اللہ ہے جو پیدا کرنے والا پیدائش کا آغاز کرنے والا اور مصور ہے تمام خوبصورت نام اسی کے ہیں اُسی کی تسبیح کر رہا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آ جائے۔ اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہے گی۔ اور یہ جو فرمایا کہ اسکے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہوسکتا، وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اسکی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 372)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اس کیلئے تمام اسماء حسنہ ثابت ہیں یعنے جمیع صفات کاملہ جو باعتبار کمال قدرت کے عقل تجویز کر سکتی ہے اسکی ذات میں جمع ہیں۔ لہٰذا نیست سے ہست کرنے پر بھی وہ قادر ہے۔ کیونکہ نیست سے ہست کرنا قدرتی کمالات سے ایک اعلیٰ کمال ہے اور ترتیب مقدمات اس قیاس کی بصورت شکل اول کے اس طرح پر ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ پیدا کرنا اور محض اپنی قدرت سے وجود بخشنا ایک کمال ہے اور سب کمالات ذات کامل واجب الوجود کو حاصل ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ نیست سے ہست کرنے کا کمال بھی ذات باری کو حاصل ہے۔''

(پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 11)

اللہ کے قبضۂ قدرت میں تمام بادشاہت ہے

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ○ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ (الملک:2 تا 3) بس ایک وہی برکت والا ثابت ہوا جس کے قبضۂ قدرت میں تمام بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔ وہی جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے بہترین ہے اور وہ کامل غلبہ والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں: بہت برکت دائمی خیر والا پاک ذات ہے...... ملک و دولت کا مالک ہے سب چیزوں پر قادر ہے کسی پارلیمنٹ کے ماتحت نہیں کسی مجلس شوریٰ کے قوانین ماننے پر مجبور نہیں ایسے مالک کی حکومت کا ماننا ہمارے واسطے ضروری ہے اور مفید ہے انسانی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ طاقتور اور بڑے کی بات کو مان لیتا ہے خدا تعالیٰ نے قدرت کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے بڑے بڑے فلاسفر ایک ایک ذرّہ کی تحقیقات میں بھی حیران رہ جاتے ہیں۔

(حقائق الفرقان، جلد 4، صفحہ 156)

اللہ کی پیدائش میں کوئی رخنہ نہیں ہے

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ○ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّہُوَ حَسِیۡرٌ ○ (الملک: 4 تا 5) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں: آسمان کے ذکر میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انسانی زندگی کے لوازمات کی بہت سی اشیاء آسمان سے وابستہ ہیں آسمان سے پانی آتا ہے تو کھیتی بنتی ہے اور سورج کی دھوپ سے وہ پکتی ہے آسمان سے بارش نہ ہو تو کنوئیں اور دریا ہی خشک ہو جانے لگتے ہیں۔ جن ظاہری ضروریات کے واسطے انسان آسمان کا محتاج ہے تو روحانی فیوض کے واسطے تم کیوں آسمانی وحی والہام کی قدر نہیں کرتے۔

تَفٰوُتٍ: اضطراب کو بھی کہتے ہیں اور اختلاف کو بھی کہتے ہیں۔: اضطراب یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں کی کہیں ڈال دی جائے ایسا نہیں ہے اور نہ ہی ایسا اختلاف اور گڑبڑ ہے کہ مثلاً آگ کی خاصیت پانی میں جا پڑے اور پانی کی خاصیت آگ میں جا پڑے۔ تفاوت نقصان کے معنوں میں بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ کی حق و حکمت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ انسان کی تحقیقات میں نقصان ہو، ورنہ خدا کے کاموں میں کوئی نقصان نہیں۔

فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ: بار بار چیزوں کو دیکھو تحقیقات کرو نقص نہ پاؤ گے۔ پھر، پھر غور کرو تمہاری آنکھیں دیکھتے دیکھتے تھک جائیں گی مگر کوئی بھی نقص نہ ملے گا۔

خدا ہماری بات کو سنتا اور جواب دیتا ہے

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ (البقرہ: 187) اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات پر لبّیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ (النمل:63) یا (پھر) وہ کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین کے وارث بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے بہت کم ہے جو تم نصیحت پکڑتے ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ تمہارا خدا وہ خدا ہے جو بے قراروں کی دُعا سُنتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: أَمَّنۡ یُجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ إِذَا دَعَاہُ پھر جبکہ خدا تعالیٰ نے دُعا کی قبولیت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھہرائی ہے تو پھر کس طرح کوئی عقل اور حیا والا گمان کر سکتا ہے کہ دُعا کرنے پر کوئی آثار صریحہ اجابت کے مترتب نہیں ہوتے اور محض ایک رسمی امر ہے جس میں کچھ بھی روحانیت نہیں؟ میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا جبکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے کہ جس طرح زمین و آسمان کی صفت پر غور کرنے سے سچا خدا پہچانا جاتا ہے اسی طرح دُعا کی قبولیت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔ پھر اگر دُعا میں کوئی رُوحانیت نہیں اور حقیقی اور واقعی طور پر دُعا پر کوئی نمایاں فیض نازل نہیں ہوتا تو کیونکر دُعا خدا تعالیٰ کی شناخت کا ایسا ذریعہ ہوسکتی ہے جیسا کہ زمین و آسمان کے اجرام و اجسام ذریعہ ہیں؟ بلکہ قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اعلیٰ ذریعہ خدا شناسی کا دُعا ہی ہے۔ (ایام الصلح، روحانی خزائن، جلد 14 صفحہ 259)

اللہ کی ہستی مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ

سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (العنکبوت:70) اور وہ لوگ جو ہمارے بارہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہوں کی طرف ہدایت دیں گے اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡہِ (الانشقاق:7) اے انسان! تجھے ضرور اپنے ربّ کی طرف سخت مشقّت کرنے والا بننا ہوگا پس (بہرحال) تُو اُسے رُوبرو ملنے والا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے رستے کا ملنا معمولی بات نہیں ہوتی اس غرض کیلئے انسان کو اتنی محنت کرنی پڑتی ہے کہ اسکی ہڈیوں تک اثر پہنچ جاتا ہے...... جب تک انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کے متعلق یہ رغبت پیدا نہ ہو یہ غم پیدا نہ ہو یہ عشق اور محبت پیدا نہ ہو اس وقت تک مُلٰقِیۡہِ کا مقام اسے میسر نہیں آسکتا باقی نماز پڑھ لینا یا روزے رکھ کر یہ سمجھ لینا کہ میں نے بڑی مشقت برداشت کر لی ہے ایسی باتیں نہیں ہیں جو کدحٌ میں شامل ہوں ...... میں نے اپنی جماعت میں خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کو اسی غرض کیلئے قائم کیا ہے کہ وہ محنت کریں اور مشقت طلب کاموں کی اپنے اندر عادت پیدا کریں۔ (تفسیر کبیر، جلد 8، صفحہ 336، مطبوعہ قادیان 2010)

سیّدنا مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اسلام کا خدا جو رب العالمین ہے اس نے اپنی محبت کے دروازے دنیا کے تمام انسانوں کیلئے کھول رکھے ہیں پس ان کیلئے بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں اگر ان کے دلوں میں سچائی کی تڑپ پائی جاتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اگر اس دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو انہیں بھی اس کا پتہ لگ جائے اور وہ بھی شکوک و شبہات سے رہائی حاصل کر سکیں تو اسکا طریق یہ ہے کہ وہ سچے دل سے یہ دعائیں کریں کہ اے خدا اگر تو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تو غیر محدود طاقتوں کا مالک ہے تو تو ہم پر رحم فرما اور ہمیں بھی اپنی طرف ہدایت دے اور ہمارے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تا کہ ہم تیری محبت سے محروم نہ رہیں اور تیرے وجود کے قائل ہو جائیں۔

(تفسیر کبیر، جلد 7، صفحہ 692، مطبوعہ قادیان 2010)

صرف اللہ کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ ۞ وَّیَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ ۞ (الرحمن: 27 تا 28) ہر چیز جو اس پر ہے فانی ہے۔ مگر تیرے ربّ کا جاہ و حشم باقی رہے گا جو صاحبِ جلال و اِکرام ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''ہر ایک چیز معرضِ زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے۔ مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے۔ بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر فنا طاری نہ ہو اور تبدل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے۔ پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دست برد سے محفوظ رہا۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن، جلد 10 صفحہ 370)

صرف اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (الفاتحہ:5) (اَے خدا) تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: چھٹی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اے صاحب صفاتِ کاملہ اور مبدء فیوض اربعہ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش وغیرہ ضرورتوں اور حاجتوں میں مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں یعنی خالصًا معبود ہمارا تو ہی ہے اور تیرے تک پہنچنے کیلئے کوئی اَور دیوتا ہم اپنا ذریعہ قرار نہیں دیتے نہ کسی انسان کو نہ کسی بت کو نہ اپنی عقل اور علم کو کچھ حقیقت سمجھتے ہیں اور ہر بات میں تیری ذات قادر مطلق سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ صداقت بھی ہمارے مخالفین کی نظر سے چھپی ہوئی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ بت پرست لوگ بجز ذات واحد خدائے تعالیٰ کے اَور اَور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں اور آریہ سماج والے اپنی روحانی طاقتوں کو غیر مخلوق سمجھ کر ان کے زور سے مکتی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ برہمو سماج والے الہام کی روشنی سے مونہہ پھیر کر اپنی عقل کو ایک دیوی قرار دے بیٹھے ہیں جو کہ ان کے زعم باطل میں خدا تک پہنچانے میں اختیار کلّی رکھتی ہے اور سب الٰہی اسرار پر محیط اور مُتصرّف ہے۔'' (براہین احمدیہ، جلد 1، صفحہ 525 حاشیہ نمبر 11)

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے

وَلِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡہًا وَّظِلٰلُہُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ۞ قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰہُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِہِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ ۬ۙ اَمۡ ہَلۡ تَسۡتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۬ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوۡا کَخَلۡقِہٖ فَتَشَابَہَ الۡخَلۡقُ عَلَیۡہِمۡ ؕ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّہُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ۞ (الرعد: 16 تا 17) اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خواہ مرضی سے کریں خواہ مجبوری سے، اور ان کے سائے بھی صبح کو بھی اور شاموں (کے اوقات) میں بھی۔ تو پوچھ آسمانوں اور زمین کا ربّ کون ہے (اور) کہہ دے کہ اللہ ہی ہے تُو کہہ دے کیا پھر تم اس کے سوا ایسے دوست پکڑ بیٹھے ہو جو خود اپنے لئے بھی نہ نفع کی اور نہ نقصان کی کچھ قدرت رکھتے ہیں تو پوچھ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں اور اندھیرے اور روشنی ایک جیسے ہو سکتے ہیں یا کیا انہوں نے اللہ کے سوا ایسے شرکاء بنا رکھے ہیں جنہوں نے اس کی تخلیق کی طرح تخلیق کی ہے پس ان پر تخلیق مشتبہ ہوگئی تُو کہہ دے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا (اور) صاحب جبروت ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی کر رہی ہے خوشی سے یا ناپسندیدگی سے۔ مومن، کافر، مشرک اور دہریہ تک سب قانون قدرت کی فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں۔ زبان چکھنے پر مجبور ہے اور کان سننے پر یعنی جو آواز کان میں پڑے گی وہ اس کو سنے گا۔ جو چیز زبان پر رکھی جائے گی وہ اس کو چکھے گی۔ اس حد تک اطاعت کرھاً ہے۔ مگر پھر اس میں ایک حصہ طوعاً کا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مثلاً بھوک پر کھانا کھانا۔ بظاہر یہ اپنی مرضی سے کھاتا ہے۔ ایسا ہی عمدہ نظارے دیکھنا یا سیر کرنا۔ مگر دراصل یہ بھی خدا کے قانون کو ہی پورا کرتا ہے۔ گویا قانون قدرت میں بھی ایک حصہ کی اطاعت طوعاً ہے اور دوسرے حصہ کی کرھاً۔ مقصد یہ کہ گو بظاہر انسان آزاد نظر آتا ہے لیکن غور سے دیکھنے پر اسکے ہر فعل میں ایک جبر بھی نظر آتا ہے جو کسی بالا ہستی کے دخل پر دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد 3، صفحہ 399)

اللہ خود اپنا جلوہ دکھاتا ہے

لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (الانعام: 104) آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔

ہائے افسوس یہ نادان نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کی ذات تو مخفی در مخفی اور غیب در غیب اور وراء الوراء ہے اور کوئی عقل اس کو دریافت نہیں کر سکتی جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ یعنی بصارتیں اور بصیرتیں اسکو پا نہیں سکتیں اور وہ اُن کے انتہا کو جانتا ہے اور اُن پر غالب ہے۔ پس اُسکی توحید محض عقل کے ذریعہ سے غیر ممکن ہے کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ انسان آفاقی باطل معبودوں سے کنارہ کرتا ہے یعنی بُتوں یا انسانوں یا سورج چاند وغیرہ کی پرستش سے دستکش ہوتا ہے۔ ایسا ہی انفسی باطل معبودوں سے پرہیز کرے یعنی اپنی روحانی جسمانی طاقتوں پر بھروسہ کرنے سے اور اُن کے ذریعہ سے عُجب کی بَلا میں گرفتار ہونے سے اپنے تئیں بچاوے۔ پس اِس صورت میں ظاہر ہے کہ بجز ترک خودی اور رسول کا دامن پکڑنے کے توحید کامل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور جو شخص اپنی کسی قُوت کو شریک باری ٹھہراتا ہے وہ کیونکر موحد کہلا سکتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22، صفحہ 147)

علمی لحاظ سے بھی خدا کا احاطہ نہیں ہو سکتا

یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِہٖ عِلۡمًا (طٰہٰ:111) وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے جبکہ وہ اس کا علم کے ذریعہ کوئی احاطہ نہیں کر سکتے۔

وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ:256) اور وہ اُس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ جانتا ہے تمام جو کچھ آگے ہوگا اور جو کچھ گزر چکا ہے۔ موجودات کی نسبت کیا کہنا ہے۔ کوئی بھی اسکے علم سے کسی چیز کا اسکی مشیت کے سوا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اسکا کامل علم آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے۔ (حقائق الفرقان، جلد 1، صفحہ 390)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں: اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ کوئی اور شخص۔ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے بڑے محبوب ہیں بلکہ آپ کی اتباع کرنے والا بھی خدا تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے مگر باوجود اس کے آپ خدا تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کے محتاج تھے۔ پس آپ کے اندر وہی صفات رہیں گی جو بندوں میں ہوتی ہیں اور وہ صفات کبھی نہیں آسکتیں جو خدا نے صرف اپنے لیے مخصوص کی ہوئی ہیں۔

(تفسیر کبیر، جلد دوم، صفحہ 582)

صرف اللہ ہی عالم الغیب ہے

قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ (النمل: 66) تُو کہہ دے کہ کوئی بھی، جو آسمانوں اور زمین میں ہے، غیب کو نہیں جانتا مگر اللہ اور وہ تو یہ بھی شعور نہیں رکھتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں: زمین و آسمان میں سوائے خدا کے اور کوئی غیب نہیں جانتا یعنی مصفی علم غیب صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے اور یہ لوگ جو بتوں کے پرستار ہیں یا ستاروں وغیرہ کو دیکھ کر غیب کی خبریں بتانے کے دعوے دار ہیں یہ تو اپنی ترقی کا زمانہ بھی نہیں بتا سکتے اور اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ان کی قوم کب ترقی کرے گی یہ برابر تباہ ہوتے جا رہے ہیں مگر نہیں جانتے کہ ان کی تباہی کب دور ہوگی۔ (تفسیر کبیر، جلد 7، صفحہ 431)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: سورۃ النّاس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور مالکیت اور حقیقی معبود ہونے کا بیان ہے۔ یہ بیان کرکے اسکی پناہ میں آنے اور شیطان کے وسوسے سے بچنے کی دعا کی ہے۔ آجکل دہریت اور دنیا کا بھی بڑا زور ہے اور دنیاداری نے اس قدر معاشرے میں عمومی طور پر اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں کہ بعض نوجوان اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ پس یہ دعائیں جب ہم اپنے پر پھونکیں تو ساتھ ہی اپنے بچوں پر بھی پھونکیں تا کہ ہر قسم کے شرور سے ہماری نسلیں بھی محفوظ رہیں اور دین پر قائم رہنے والی اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے والی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم میں سے ہر ایک ان سورتوں کے مضمون کو سمجھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کرنے والا ہو۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا مضمون ہم پر واضح ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور کے آگے ہم جھکنے والے نہ ہوں۔ اسی کو سب طاقتوں کا سرچشمہ سمجھیں۔ نہ صرف دل میں بلکہ ہر عمل سے اسے ثابت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ ہر روشنی کا منبع ہے۔ اور ہر فیض کا دینے والا ہے۔ مخلوق کے شر سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے آگے جھکیں بجائے اسکے کہ مخلوق سے امید رکھیں۔ (خطبہ جمعہ 16 فروری 2018ء)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنی ہستی کی معرفت عطا کرے اور دہریت کی طرف مائل دنیا کو اپنی ذات سے متعارف کرانے والا بنائے۔ آمین!

......☆......☆......☆......

”خدا سے چاہئے ہے لَو لگانی کہ سب فانی ہیں پر وہ غیر فانی“

منظوم کلام حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خدا سے چاہئے ہے لَو لگانی — کہ سب فانی ہیں پر وہ غیر فانی
وہی ہے راحت و آرام دل کا — اُسی سے رُوح کو ہے شادمانی
وہی ہے چارۂ آلامِ ظاہر — وہی تسکیں دِہِ دردِ نہانی
سِپَرُ بنتا ہے وُہ ہر ناتَواں کی — وہی کرتا ہے اس کی پاسبانی
بچاتا ہے ہر اِک آفت سے ان کو — ٹلاتا ہے بلائے ناگہانی
جِسے اُس پاک سے رِشتہ نہیں ہے — زمینی ہے، نہیں وہ آسمانی
اُسی کو پاکے سب کچھ ہم نے پایا — کُھلا ہے ہم پہ یہ رازِ نہانی

خُدا نے ہم کو دی ہے کامرانی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَوۡفَی الۡاَمَانِیۡ

ہمارے گھر میں اس نے بھر دیا نُور — ہر اک ظلمت کو ہم سے کردیا دُور
ملایا خاک میں سب دُشمنوں کو — کِیا ہر مرحلہ میں ہم کو منصور
حقیقت کھول دی اُن پر ہماری — مگر تاریکئ دل سے ہیں مجبور
ہماری فتح و نصرت دیکھ کر وہ — غم و رنج و مصیبت سے ہوئے چور
ہماری رات بھی ہے نُور افشاں — ہماری صبح خوش ہے شام مسرور
خدا نے ہم کو وہ جلوہ دکھایا — جو موسیٰؑ کو دِکھایا تھا سَرِطُور
ملے ہم کو وہ اُستاد و خلیفہ — کہ سارے کہہ اُٹھے نُوۡرٌ عَلٰے نُوۡر

خُدا نے ہم کو دی ہے کامرانی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَوۡفَی الۡاَمَانِیۡ

خدا کا اِس قدر ہے ہم پہ اِحساں — کہ جس کو دیکھ کر ہوں سخت حیراں
نہیں معلوم کیا خدمت ہوئی تھی — کہ سکھلایا کلام پاک یزداں
ہزاروں ہیں کہ ہیں محروم اس سے — نظر سے جن کی ہے وہ نُور پنہاں
جسے اِس نور سے حصہ نہیں ہے — نہیں زِندوں میں ہے وہ جسم بے جاں
یہی دل کی تسلی کا ہے موجب — اسی سے ہو میسر دید جاناں
یہ ہے دنیا میں کرتا رہنمائی — یہ عقبیٰ میں کرے گا شاد و فرحاں
یہی ہر کامیابی کا ہے باعث — یہی کرتا ہے ہر مشکل کو آساں
ملاتا ہے یہی اُس دلربا سے — یہی کرتا ہے زائل دردِ ہجراں
یہ نعمت ہم کو بے خدمت ملی ہے — سکھایا ہے ہمیں مولیٰ نے قرآں

خُدا نے ہم کو دی ہے کامرانی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَوۡفَی الۡاَمَانِیۡ

(کلام محمود، صفحہ 90، مطبوعہ قادیان 2008)

☆

مجھ پر ہر اک نے وار کیا اپنے رنگ میں
آخر ذلیل ہوگئے انجام جنگ میں
اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اسی نے ثریا بنا دیا

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار

پاکیزہ منظوم کلام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار

اِسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب؟

اُسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے

(نشانِ آسمانی، صفحہ 46 حاشیہ، مطبوعہ 1892ء)

......☆......☆......☆......

ہمارا خدا - زندہ خدا

(محمد انعام غوری، ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان)

اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت لطیف اور وراء الوریٰ ہے وہ آسمان و زمین کا نور ہے اور باوجود قریب ہونے کے دور ہے وہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ایک فلسفی و نیچری، نظام کائنات پر غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس مربوط اور مستحکم نظام کو چلانے اور قائم رکھنے والا کوئی طاقتور مدبر وجود ہونا چاہئے۔ لیکن ''ہونا چاہئے'' اور ''ہے'' میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جو انبیاء اور رسول دنیا میں آتے ہیں ان کی بعثت کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ خدا کی ذات کے متعلق ''ہونا چاہئے'' کے فلسفیانہ نظریہ کو ''موجود ہے'' کے عرفان میں بدل دیں اور زندہ خدا کا چہرہ دنیا کو دکھا دیں۔

تیرھویں صدر ہجری اور انیسویں صدی عیسوی کے دوران دنیا کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ دہریوں کا تو ذکر کیا، جو بڑے بڑے مذاہب کو ماننے والے تھے، ان کے اندر بھی خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق غلط عقائد راہ پا گئے تھے۔ چنانچہ عیسائی دنیا تثلیث یعنی تین خداؤں کی قائل ہے۔ ہندوؤں کے مختلف فرقے خدائے واحد کی جگہ بتوں اور مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں۔ آریہ سماجی مورتی پوجا کے خلاف اور توحید کے قائل ہونے کے باوجود ایسے پرمیشر کے پرستار ہیں جو نہ روح پیدا کرسکتا ہے اور نہ مادہ۔ دونوں ہی خدا کی طرح قدیم سے چلے آرہے ہیں اور خدا نہ اپنے نیک بندوں سے کلام کرتا ہے اور نہ معجزات دکھاتا ہے اور خود مسلمان کہلانے والے، توحید کے پرستار ہونے کے باوجود یہی عقیدہ دلوں میں جمائے بیٹھے ہیں کہ خدا کی وحی والہام کا دروازہ بند ہو چکا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ یعنی اے محمد ﷺ جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کے وجود پر دلیل کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اسکی پکار کو سنتا ہوں اور اس کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اسکو جواب دیتا ہوں۔ اس دائمی بشارت کے باوجود مسلمان زندہ خدا کی وحی والہام سے منکر ہو چکے ہیں۔

ایسے نازک دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ومہدی معہود کے منصب پر فائز فرما کر مبعوث فرمایا تا زندہ خدا کی ذات وصفات پر پڑے غبار کو صاف کر کے اس کا حسین چہرہ دنیا کو دکھا دیں چنانچہ آپ خاص طور پر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: ''افسوس! مسلمانوں کی عقل ماری گئی جو ایک خدا کے ماننے والے تھے وہ اب ایک مُردہ کو خدا سمجھتے ہیں اور ان خداؤں کا تو شمار نہیں جو مُردہ پرستوں اور مزار پرستوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت اور صورت میں خدا تعالیٰ کی غیرت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ ان مصنوعی خداؤں کی خدائی کو خاک میں ملایا جاوے۔ زندوں اور مُردوں میں ایک امتیاز قائم کر کے دنیا کو حقیقی خدا کے سامنے سجدہ کرایا جاوے۔ اسی غرض کیلئے اس نے مجھے بھیجا ہے اور اپنے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔''

(ملفوظات، ج3، ص522 مطبوعہ قادیان 2003)

حضرت مسیح موعودؑ کے ایک صحابی حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ کے بڑے بھائی خلیل الرحمن صاحب سجادہ نشین سرساوہ جو حضور علیہ السلام کے مخالف تھے انہوں نے لکھا کہ میں کشفِ قبور کرسکتا ہوں اور کراسکتا ہوں۔ (یعنی قبر میں مدفون مُردہ سے بات کرسکتا ہوں اور کراسکتا ہوں) اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو وہ بھی مجھے کشف قبور کر کے دکھا دیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں جواب لکھوایا کہ: ''کشف قبور کا معاملہ تو بالکل بے ہودہ امر ہے۔ جو شخص زندہ خدا سے کلام کرتا ہے اور اس کی تازہ بتازہ وحی اس پر آتی ہے اور اسکے ہزاروں نہیں، لاکھوں ثبوت بھی موجود ہیں۔ اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ مُردوں سے کلام کرے اور مُردوں کی تلاش کرے اور اس امر کا ثبوت ہی کیا ہے کہ فلاں مُردے سے کلام کیا ہے۔ یہاں تو لاکھوں ثبوت موجود ہیں...... غرض ہمیں ضرورت کیا پڑی ہے کہ ہم زندہ خدا کو چھوڑ کر مُردوں کو تلاش کریں۔''

(ملفوظات، جلد 4، صفحہ 248 مطبوعہ قادیان 2003)

اب سوال یہ ہے کہ اس زندہ خدا کو ہم کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ کس طرح پہچان سکتے ہیں تا کہ اس سے تعلق قائم کرنے اس سے اپنی حاجت براری کی التجا کرنے اور اسکا قرب حاصل کرنے کی خواہش اور تمنا ہمارے دل میں موجیں مارنے لگے۔ قرآن کریم اس بارے میں یہ رہنمائی فرماتا ہے کہ: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام: 104) یعنی نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں لیکن وہ زندہ خدا اپنی قادرانہ تجلیات کے ذریعے ہم پر جلوہ گر ہوتا ہے اور اپنے پاک الہام وکلام سے اپنے پیاروں کو نوازتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اس دعویٰ کے ثبوت میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں: حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہِ ایران کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے تبلیغی خط لکھا۔ اس نے اس خط کو پھاڑ دیا اور یمن کے گورنر باذان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دیا۔ چنانچہ یمن کے گورنر نے اپنے دو آدمی اس غرض سے بھجوائے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم سنا کر ساتھ چلنے پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرلوں۔ وہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اب تم واپس جاؤ اور اپنے گورنر سے کہہ دو کہ میرے خدا نے تمہارے خدا کو آج مار ڈالا ہے۔

گورنر کے قاصدوں نے کہا ایک بار پھر سوچ لیجئے۔ اس کا نتیجہ آپ کیلئے اور ملک عرب کیلئے اچھا نہیں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ جاؤ میں نے جو کچھ کہا ہے اپنے گورنر کو سنا دو۔ اس پر ان دونوں نے واپس جا کر اپنے گورنر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا دیا۔

چند دن بعد بندرگاہ پر ایک جہاز اترا اور ایک سفیر گورنر کے پاس آیا اور ایک شاہی مکتوب دیا جس پر مہر کسی اور بادشاہ کی معلوم ہوتی تھی۔ گورنر کو احساس ہوا کہ عرب کے نبی کی بات سچی معلوم ہوتی ہے، جب اس نے خط کھولا تو وہ خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ کا خط تھا جس میں لکھا تھا کہ ہمارا باپ سخت ظالم تھا ہم نے اسے قتل کر دیا ہے اب ہم خود بادشاہ ہیں۔ تم ہمارے نام پر سب لوگوں سے اطاعت کا عہد لو۔ نیز یہ بھی لکھا تھا کہ ہمارے باپ نے جو ظالمانہ احکام دیئے تھے ان میں سے ایک حکم عرب کے مدعیٔ نبوت کی گرفتاری کے متعلق بھی تھا۔ ہم اس حکم کو بھی منسوخ کرتے ہیں اور جب گورنر نے تاریخ دیکھی تو وہ وہی تاریخ تھی جب حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے خدا نے تمہارے خدا کو آج رات مار ڈالا ہے۔

زندہ خدا کی زندہ تجلی کا یمن کے گورنر باذان کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اسی وقت وہ خود بھی اور اسکے کئی ساتھی اسلام لے آئے اور اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنے اسلام کی اطلاع بھی عرض کردی۔

(طبری، جز2، صفحہ 133، دارالفکر بیروت)

اسی طرح جنگ خندق کے دوران ایک عظیم الشان پیشگوئی کے رنگ میں ظاہر ہونے والا ایک ایمان افروز واقعہ بھی زندہ خدا کی قادرانہ تجلیات کا مظہر ہے۔ سن 5 ہجری میں عرب کے تمام قبائل نے مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر مدینہ پر چڑھائی کرنے کیلئے ایک بڑا لشکر تیار کرلیا۔ اس کی اطلاع ملنے پر آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر مدینہ کی حفاظت کی غرض سے خندق کی کھدائی شروع کروادی۔ مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بھوک کی شدت اور تکلیف سے بچنے کیلئے پیٹ کے ساتھ پتھر باندھے ہوئے تھے حتیٰ کہ خود ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی اپنے پیٹ کے ساتھ پتھر باندھے ہوئے تھے۔ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو ایک ایسا پتھر نکل آیا جو کسی طرح صحابہ سے ٹوٹتا نہیں تھا۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ خود موقع پر تشریف لے گئے اپنے ہاتھ میں کدال پکڑی اور زور سے اس پتھر پر ماری۔ کدال کی ضرب سے اس پتھر میں سے روشنی نکلی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ

اکبر۔ دوسری مرتبہ کدال ماری تو پھر روشنی نکلی آپ نے فرمایا اللہ اکبر۔ تیسری مرتبہ کدال ماری اور پھر روشنی نکلی اور ساتھ ہی پتھر ٹوٹ گیا اس موقع پر بھی آپ نے فرمایا اللہ اکبر۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تین دفعہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اسکی کیا وجہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پتھر پر کدال پڑنے سے جو تین دفعہ روشنی نکلی تو تینوں دفعہ خدا نے مجھے اسلام کی آئندہ ترقیات کا نقشہ دکھایا۔ پہلی مرتبہ کی روشنی میں مملکت قیصر کے شام کے محلّات دکھائے گئے اور رومی حکومت کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ دوسری مرتبہ کی روشنی میں مدائن کے سفید محلات مجھے دکھائے گئے اور مملکت فارس کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ تیسری دفعہ کی روشنی میں صنعاء کے دروازے مجھے دکھائے گئے اور مملکت یمن کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ اس لئے میں نے ہر دفعہ خدا کی تکبیر بلند کی۔ پس تم خدا کے وعدوں پر یقین رکھو کہ یہ ایک دن ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔

چنانچہ دنیا گواہ ہے کہ اس انتہائی کمزوری اور کسمپرسی کے زمانہ میں خدا کی طرف سے دیئے گئے یہ عظیم وعدے بہت جلد مسلمانوں کے حق میں پورے ہو گئے انہیں قیصر روم کی سلطنت پر غلبہ نصیب ہوا اور کسریٰ ایران کی حکومت پر بھی غلبہ نصیب ہوا اور ملک یمن بھی انہیں عطا ہوا اور صنعاء کے دروازے بھی ان کیلئے کھولے گئے۔

(مسند احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 303)

پس زندہ ہے وہ قادر مطلق خدا جس نے اپنے رسول سے کئے گئے وعدے پورے کئے اور زندہ اور سچا ہے وہ رسولؐ جس کے ذریعہ یہ پیش خبریاں پوری ہوئیں۔ وہ زندہ رسول سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ آج بھی روحانی افاضہ کے لحاظ سے زندہ ہے اور اس کا ثبوت دینے کیلئے ہی اللہ نے آپ کے عاشق اور فنافی الرسول روحانی فرزند حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا نام لے کر جھوٹ بولنا سخت بدذاتی ہے کہ خدا نے مجھے میرے بزرگ واجب الاطاعت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی دائمی زندگی اور پورے جلال اور کمال کا یہ ثبوت دیا ہے کہ میں نے اسکی پیروی سے اور اس کی محبت سے آسمانی نشانوں کو اپنے اوپر اترتے ہوئے اور دل کو یقین کے نور سے پُر کرتے ہوئے پایا۔ اور اس قدر نشان غیبی دیکھے کہ ان کھلے کھلے نوروں کے ذریعہ سے میں نے اپنے خدا کو دیکھ لیا ہے۔

(تریاق القلوب، روحانی خزائن، جلد 15، صفحہ 140)

نیز فرماتے ہیں:

"ہمارا زندہ حی و قیوم خدا ہم سے انسان کی طرح باتیں کرتا ہے ہم ایک بات پوچھتے اور دعا کرتے ہیں تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے، اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا۔ وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہ وہی ہے جس کو خدا کہنا چاہئے۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 448)

پس ان بے شمار زندہ خدا کی زندہ تجلیات میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی میں 208 نشانات کا ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں صرف دو نشان اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

نشان نمبر 2 کے ذکر میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: "صحیح دارقطنی میں یہ ایک حدیث ہے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ۔ ترجمہ یعنی ہمارے مہدی کیلئے دو نشان ہیں اور جب سے کہ زمین و آسمان خدا نے پیدا کیا یہ دو نشان کسی اور مامور اور رسول کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مہدی معہود کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کا گرہن اُس کی اوّل رات میں ہوگا یعنی تیرھویں تاریخ میں اور سورج کا گرہن اُس کے دِنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ یعنی اسی رمضان کے مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو اور ایسا واقعہ ابتدائے دنیا سے کسی رسول یا نبی کے وقت میں کبھی ظہور میں نہیں آیا صرف مہدی معہود کے وقت اُس کا ہونا مقدر ہے۔ اب تمام انگریزی اور اُردو اخبار اور جملہ ماہرین ہیئت اِس بات کے گواہ ہیں کہ میرے زمانہ میں ہی جس کو عرصہ قریباً بارہ سال کا گزر چکا ہے (اور اب تو 126 سال گزر چکے ہیں۔ ناقل) اِسی صفت کا چاند اور سورج کا گرہن رمضان کے مہینہ میں وقوع میں آیا ہے اور جیسا کہ ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ گرہن دو مرتبہ رمضان میں واقع ہو چکا ہے۔ اول اِس ملک میں دوسرے امریکہ میں اور دونوں مرتبہ انہیں تاریخوں میں ہوا ہے جن کی طرف حدیث اشارہ کرتی ہے اور چونکہ اس گرہن کے وقت میں مہدی معہود ہونے کا مدعی کوئی زمین پر بجز میرے نہیں تھا اور نہ کسی نے میری طرح اس گرہن کو اپنی مہدویت کا نشان قرار دیکر صدہا اشتہار اور رسالے اُردو اور فارسی اور عربی میں دنیا میں شائع کئے اِس لئے یہ نشانِ آسمانی میرے لئے متعین ہوا...... اگر کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ کسی مدعی نبوت یا رسالت کے وقت میں یہ دونوں گرہن رمضان میں کبھی کسی زمانہ میں جمع ہوئے ہیں تو اس کا فرض ہے کہ اس کا ثبوت دے۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22، صفحہ 202 تا 203)

اب دیکھیں ہمارے سید و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے چودہ سو برس پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب سے کیسی عظیم الشان پیش گوئی بتلادی تھی جس میں چاند اور سورج گرہن کی معین تاریخوں اور مہینہ کی وضاحت کے ساتھ مہدویت کے دعویدار کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت مہیا کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے مسیح و مہدی ہونے کا دعویٰ فرمایا تو مخالفین نے ایک یہ بھی اعتراض کیا ہوا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو پھر نشان کسوف و خسوف کہاں ہے؟ سو خدا تعالیٰ نے یہ عظیم الشان آسمانی نشان جملہ شرائط کے ساتھ 1311 ہجری بمطابق 1894ء میں ظاہر فرما دیا۔

اسی طرح اسی کتاب "حقیقۃ الوحی" میں مندرجہ 100 ویں نشان کے ذکر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: 100 واں نشان۔ براہین احمدیہ کی وہ پیشگوئی ہے جو اس کے صفحہ 241 میں درج ہے اور پیشگوئی کی عبارت یہ ہے۔

"لا تیئس من روح اللہ۔ الآ انّ روح اللہ قریب۔ الآ انّ نصر اللہ قریب۔ یأتیك من کُلّ فجٍّ عمیق۔ یأتون من کلّ فجٍّ عمیق۔ ینصرك اللہ من عندہٖ۔ ینصرك رجالٌ نوحی الیھم من السّمآء۔ ولا تصعّر لخلق اللہ وَلا تسئم من النّاس۔ دیکھو صفحہ 241، براہین احمدیہ، مطبوعہ 1881ء و 1882ء مطبع سفیر ہند پریس امرتسر (ترجمہ) خدا کے فضل سے نومید مت ہو اور یہ بات سُن رکھ کہ خدا کا فضل قریب ہے۔ خبردار ہو کہ خدا کی مدد قریب ہے۔ وہ مدد ہر ایک راہ سے تجھے پہنچے گی اور ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور اِس کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہو جائیں گی۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ القا کریں گے مگر چاہئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بد خلقی نہ کرے اور چاہئے کہ تو اُن کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ اس پیشگوئی کو آج تک پچیس برس گذر گئے جب یہ براہین احمدیہ میں شائع ہوئی تھی۔ اور یہ اُس زمانہ کی پیشگوئی ہے جبکہ میں زاویہ گمنامی میں پوشیدہ تھا اور ان سب میں سے جو آج میرے ساتھ ہیں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا تھا اور میں اُن لوگوں میں سے نہیں تھا جنکا کسی وجاہت کی وجہ سے دنیا میں ذکر کیا جاتا ہے۔ غرض کچھ بھی نہیں تھا اور میں صرف ایک احد من الناس تھا اور محض گمنام تھا اور ایک فرد بھی میرے ساتھ تعلق نہیں رکھتا تھا مگر شاذ و نادر ایسے چند آدمی جو میرے خاندان سے پہلے ہی سے تعارف رکھتے تھے۔ اور یہ وہ واقعہ ہے کہ قادیان کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی اسکے برخلاف شہادت نہیں دے سکتا۔ بعد اسکے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے اپنے بندوں کو میری طرف رجوع دلایا اور فوج در فوج لوگ قادیان میں آئے اور آ رہے ہیں اور نقد اور جنس اور ہر ایک قسم کے تحائف اس کثرت سے لوگوں نے دیئے اور دے رہے ہیں جن کا میں شمار نہیں کر سکتا اور ہر چند مولویوں کی طرف سے روکیں ہوئیں اور انہوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ رجوع خلائق نہ ہو یہاں تک کہ مکہ تک سے بھی فتوے منگوائے گئے اور قریباً دوسو 200 مولویوں نے میرے پر کفر کے فتوے دیئے بلکہ واجب القتل ہونے کے بھی فتوے شائع کئے گئے لیکن وہ اپنی تمام کوششوں میں نامراد رہے اور انجام یہ ہوا کہ میری جماعت پنجاب کے تمام شہروں اور دیہات میں پھیل گئی اور ہندوستان میں بھی جا بجا یہ تخم ریزی ہو گئی۔ بلکہ یورپ اور امریکہ کے بعض انگریز بھی مشرف باسلام ہو کر اس جماعت میں داخل ہوئے اور اس قدر فوج در فوج قادیان میں لوگ آئے کہ یکوں کی کثرت سے کئی جگہ سے قادیان کی

سڑک ٹوٹ گئی اس پیشگوئی کو خوب سوچنا چاہئے اور خوب غور سے سوچنا چاہئے کہ اگر یہ خدا کی طرف سے پیشگوئی نہ ہوتی تو یہ طوفان مخالفت جو اُٹھا تھا اور تمام پنجاب اور ہندوستان کے لوگ مجھ سے ایسے بگڑ گئے تھے جو مجھے پیروں کے نیچے کچلنا چاہتے تھے ضرور تھا کہ وہ لوگ اپنی جان توڑ کوششوں میں کامیاب ہو جاتے اور مجھے تباہ کر دیتے لیکن وہ سب کے سب نامراد رہے اور میں جانتا ہوں کہ اُن کا اس قدر شور اور میرے تباہ کرنے کیلئے اس قدر کوشش اور یہ پُر زور طوفان جو میری مخالفت میں پیدا ہوا یہ اس لئے نہیں تھا کہ خدا نے میرے تباہ کرنے کا ارادہ کیا تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تا خدا تعالیٰ کے نشان ظاہر ہوں اور تا خدائے قادر جو کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتا اُن لوگوں کے مقابل پر اپنی طاقت اور قوت دکھلاوے اور اپنی قدرت کا نشان ظاہر کرے چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ کون جانتا تھا اور کس کے علم میں یہ بات تھی کہ جب میں ایک چھوٹے سے بیج کی طرح بویا گیا اور بعد اس کے ہزاروں پیروں کے نیچے کچلا گیا۔ اور آندھیاں چلیں اور طوفان آئے اور ایک سیلاب کی طرح شور بغاوت میرے اِس چھوٹے سے تخم پر پھر گیا پھر بھی میں اِن صدمات سے بچ جاؤں گا سو وہ تخم خدا کے فضل سے ضائع نہ ہوا بلکہ بڑھا اور پھولا اور آج وہ ایک بڑا درخت ہے جس کے سایہ کے نیچے تین لاکھ انسان آرام کر رہا ہے۔‘‘

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22 صفحہ 261)

قارئین کرام! یہ تو 1907ء کی بات ہے آج تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے 212 ممالک کے کروڑوں انسان اس سایہ دار درخت کے نیچے آرام کر رہے ہیں اور آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ 130 سال قبل قادیان کی اس گمنام بستی سے جو ایک کمزور آواز اٹھی تھی ہزاروں مخالفتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی قوت اور شوکت بخشی ہے کہ دنیا کے 212 ممالک میں سچائی کی یہ آواز گونج رہی ہے اور جماعت احمدیہ کے ٹی وی چینل مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ انٹرنیشنل کے ذریعہ چوبیس گھنٹے دنیا کے کونے کونے میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا پیغام دیکھا اور سنا جا رہا ہے۔ یہ سب کس کے کام ہیں؟ یہ ہمارے قادر مطلق زندہ خدا کے افضال ہیں جن کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکی پس کیا یہ سچ نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

اللہ تعالیٰ کی کامل، زندہ اور جملہ صفات کاملہ کی مستجمع ذات کا دلکش تذکرہ فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

’’اس قادر اور سچے اور کامل خدا کو ہماری روح اور ہمارا ذرہ ذرہ وجود کا سجدہ کرتا ہے۔ جسکے ہاتھ سے ہر ایک روح اور ہر ایک ذرہ مخلوقات کا مع اپنی تمام قویٰ کے ظہور پذیر ہوا۔ اور جس کے وجود سے ہر ایک وجود قائم ہے۔ اور کوئی چیز نہ اسکے علم سے باہر ہے اور نہ اُس کے تصرف سے۔ نہ اُسکے خَلق سے اور ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اُس پاک نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں جس کے ذریعہ سے ہم نے وہ زندہ خدا پایا جو آپ کلام کر کے اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے اور آپ فوق العادت نشان دکھلا کر اپنی قدیم اور کامل طاقتوں اور قوتوں کا ہم کو چمکنے والا چہرہ دکھاتا ہے۔ سو ہم نے ایسے رسول کو پایا جس نے خدا کو ہمیں دکھلایا۔ اور ایسے خدا کو پایا جس نے اپنی کامل طاقت سے ہر ایک چیز کو بنایا۔ اسکی قدرت کیا ہی عظمت اپنے اندر رکھتی ہے جسکے بغیر کسی چیز نے نقش وجود نہیں پکڑا۔ اور جسکے سہارے کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ ہمارا سچا خدا بیشمار برکتوں والا ہے۔ اور بیشمار قدرتوں والا اور بیشمار حسن والا اور بے شمار احسان والا اُسکے سوا کوئی اور خدا نہیں۔‘‘

(نسیم دعوت، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 363)

نیز فرماتے ہیں: ’’ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوش خبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کیلئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔‘‘

(کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 21)

بڑھتی رہے خدا کی محبت خُدا کرے

منظوم کلام حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بڑھتی رہے خدا کی محبت خُدا کرے — حاصل ہو تم کو دید کی لذت خُدا کرے
توحید کی ہو لب پہ شہادت خُدا کرے — ایمان کی ہو دل میں حلاوت خُدا کرے
پڑ جائے ایسی نیکی کی عادت خُدا کرے — سرزد نہ ہو کوئی بھی شرارت خُدا کرے
حاکم رہے دلوں پہ شریعت خُدا کرے — حاصل ہو مصطفیٰؐ کی رفاقت خُدا کرے
مل جائے تم کو دین کی دولت خُدا کرے — چمکے فلک پہ تارۂ قسمت خُدا کرے
ٹل جائے جو بھی آئے مصیبت خُدا کرے — پہنچے نہ تم کو کوئی اذیت خُدا کرے
منظور ہو تمہاری اطاعت خُدا کرے — مقبول ہو تمہاری عبادت خُدا کرے
راضی رہو خدا کی قضا پر ہمیش تم — لب پر نہ آئے حرفِ شکایت خُدا کرے
احسان و لطف عام رہے سب جہان پر — کرتے رہو ہر اک سے مروّت خُدا کرے
بطحا کی وادیوں سے جو نکلا تھا آفتاب — بڑھتا رہے وہ نور نبوّت خُدا کرے
تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہو تمہارے ساتھ — ہُوں تم سے ایسے وقت میں رخصت خُدا کرے
اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ — ملت کے اس فدائی پہ رحمت خُدا کرے

(اخبار الفضل جلد 9، یکم جنوری 1955ء ربوہ)

’’مَئے عشق خدا میں سخت ہی مخمور رہتا ہوں‘‘

منظوم کلام حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مَئے عِشق خدا میں سخت ہی مخمور رہتا ہوں
یہ ایسا نشّہ ہے جس میں کہ ہر دم چُور رہتا ہُوں

وُہ ہے مجھ میں نہاں غیروں سے پردہ ہے اسے لازم
تبھی تو چشمِ بد بیناں سے میں مستور رہتا ہُوں

قیامت ہے کہ وصلِ یار میں بھی رنجِ فرقت ہے
میں اِس کے پاس رہ کر بھی ہمیشہ دُور رہتا ہوں

لیا کیوں ورثۂ پدری وفاداری نہ کیوں چھوڑی
نگاہِ دوستاں میں مَیں تبھی مقہُور رہتا ہُوں

مجھے اس کی نہیں پروا کوئی ناراض ہو بیشک
میں غدّاری کی سرحد سے بہت ہی دُور رہتا ہُوں

مجھے فکرِ معاش و پوشش و خور کا اَلَم کیوں ہو
میں عشقِ حضرتِ یزداں میں جب مخمور رہتا ہُوں

تڑپ ہے دین کی مجھ کو اُسے دُنیا کی لالچ ہے
مخالف پر ہمیشہ مَیں تبھی منصور رہتا ہُوں

اُسے ہے قوم کا غم اور مَیں دنیا سے بچتا ہُوں
میں اب اس دل کے ہاتھوں سے بہت مجبور رہتا ہُوں

(کلام محمود، صفحہ 78، مطبوعہ قادیان 2008)

ہستی باری تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی تائید و نصرت کی روشنی میں

(محمد کریم الدین شاہد، صدر قضاء بورڈ قادیان)

اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ سُنّت چلی آرہی ہے کہ وہ اپنی ہستی کے ثبوت کیلئے اَنَا الْمَوْجُوْد کہہ کر خود اپنی ذات کو آشکار کرتا ہے۔ اور اس کیلئے وہ اپنے خاص بندوں کو چُن لیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ دُنیا کی رُوحانی ہدایت کے سامان بہم پہنچاتا ہے۔ دُنیا کے فلسفی اور سائنسدان ہستیٔ باری تعالیٰ کے تعلق سے بڑے غور و فکر کے بعد اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اِس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی ہونا چاہئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے انبیاء اور رِشی مُنی اَوتار یا پیغمبر اپنی وحی والہام کی روشنی میں دُنیا کو یہ پختہ ثبوت دیتے ہیں کہ خدا موجود ہے، اُس کا زندہ تعلق ہم سے ہے، وہ ہم سے ہمکلام ہو کر اپنا وجود ہم پر ظاہر کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج: 76) کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی اپنے رسول یا پیغمبر چُن لیا کرتا ہے۔ اِسی طرح فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 37) کہ ہم نے ہر قوم اور ہر اُمّت میں رسول یا پیغمبر اس غرض کیلئے بھیجے ہیں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور شیطان سے بچیں۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی میں ہی اپنی ہستی کا نقش رکھ چھوڑا ہے ورنہ یہ کہنا کہ ؎

فطرت میں آدمی کی ہے مبہم سا ایک خوف
اُس خوف کا کسی نے خدا نام رکھ دیا

حقائق کو نظر انداز کر کے تمسخر کرنے والی بات ہے۔

پس ہر ملک اور ہر قوم میں ہزاروں نہیں لاکھوں انبیاء اور رسول آئے ہیں بلکہ ایک حدیث کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دُنیا میں آچکے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دیا ہے جس سے ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایک دو آدمیوں کو تو غلطی لگ سکتی ہے لیکن ہر زمانے میں اور ہر ملک میں جو ہزاروں ہزار رسول آئے اور مختلف زمانوں میں آئے، اُن سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عقل سے بعید بات ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے انبیاء اور مامورین خدا تعالیٰ کے پیاروں میں سے ہوتے ہیں اور اُن کی صداقت اور سچائی ثابت نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ اُن سے وہ سلوک نہ فرمائے جو اس کے پیاروں اور محبوبوں سے ہُوا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کا مامور اور مُرسَل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اسکے ساتھ خدا تعالیٰ کا سلوک اُس کے محبوب اور پیاروں جیسا نہیں ہوتا تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا نائب بنا کر بھیجے پھر اُس کے ساتھ اپنی محبت کا کوئی نمونہ نہ دکھائے اور نہ اُس کی مدد کرے۔ دُنیا کے بادشاہ بھی جب کسی کو اپنا نائب یا نمائندہ بنا کر بھیجتے ہیں تو اُس کی پُوری مدد کرتے ہیں۔ اُس کا خیال رکھتے ہیں۔ اور جب بھی ضرورت ہو اُسکی تائید و نصرت کرتے ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ جس کے خزانے وسیع ہیں اور جو عالم الغیب ہے وہ کیوں اپنے مامورین اور مرسلین کی مدد نہ کرے گا؟ بلکہ ضرور کرے گا۔ پس اگر کوئی شخص دعویٰ ماموریت کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسکی تائید و نُصرت ہو تو وہ شخص یقیناً سچّا اور راستباز ہے اور یہی امر دراصل خدا تعالیٰ کی ہستی کا بھی بہت بڑا ثبوت ہُوا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلہ: 22) یعنی اللہ نے یہ مقرر کر دیا ہے کہ مَیں اور میرے رسول ہمیشہ غالب ہوں گے، وہ قوّت والا اور غالب ہے۔

اسی طرح فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المؤمن: 52) کہ ہم ضرور اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں، اِس دُنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی مدد کیا کرتے ہیں۔

اِسی طرح شریمد بھگوت گیتا میں حضرت کرشن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب جب دھرم کا نقصان ہوتا اور اَدھرم کا دَور دَورہ ہونے لگتا ہے تب تب مَیں نیک لوگوں کی حفاظت اور پاپیوں کو ہلاک کرنے کیلئے ظاہر ہوتا ہوں۔ (شریمد بھگوت گیتا چوتھا ادھیائے۔ شلوک نمبر 7-8)

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ یہ اعلان کرتا ہے کہ میرے دین کی تائید کیلئے جو لوگ کھڑے کئے جائیں گے وہ ہمیشہ غالب رہیں گے اور دوسری طرف اُسکی یہ بھی سُنّت ہے کہ بادشاہوں اور طاقتور لوگوں کو نبی نہیں بناتا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ۔ بلکہ اُنہی لوگوں میں سے نبی بناتا ہے جو ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں۔ جن کے پاس نہ کوئی فوج ہوتی ہے نہ ہتھیار۔ نہ دولت نہ جتھّہ۔ اُن کو بھیج کر اُن کے ذریعہ دُنیا کو مفتوح کراتا ہے۔ اور اس طرح دکھا دیتا ہے کہ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ بالکل درست اور صحیح ہے۔ چنانچہ وقت کی رعایت سے چند مشہور انبیاء کے حالات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

❖ سب سے پہلے مَیں اپنے ہی مُلک بھارت کے مہاپُرش اور خدا تعالیٰ کے پیارے حضرت رام چندر جی مہاراج کا واقعہ پیش کرتا ہوں کہ آپ اپنی پتنی سیتا جی اور بھائی لکشمن کے ساتھ چودہ سالہ بن باس میں نہایت بے کسی اور بے سروسامانی کے عالم میں جنگلوں میں رہائش پذیر تھے کہ اسی دوران لنکا کے راجہ راون کے ساتھ آپ کی جنگ ہوئی۔ راون کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان اور لاؤ لشکر تھا لیکن حضرت رام چندر اپنے تھوڑے سے پیروکاروں کے ساتھ بے سروسامان تھے۔ اس کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ساتھ راون کو ہلاک کر کے اُس کی سونے کی لنکا ڈھادی اور غالب و وِجئی رہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت آپ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو ایسی عظیم فتح اور کامیابی آپ کو حاصل نہ ہوتی۔ اِسی کی یاد میں ہر سال دسہرا اور دِیوالی کا تہوار بھارت میں منایا جاتا ہے۔

❖ اِسی طرح حضرت کرشن علیہ السلام نے جب دُنیا کی ہدایت و اصلاح کیلئے جنم لیا تو آپ کا ماما کنس جو ایک طاقتور اور سرکش راجہ تھا آپ کا سخت ترین مخالف اور جان کا دُشمن بن گیا۔ ہر طرح سے اُس نے آپ کو قتل کرانا چاہا اور آپ کی مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ حضرت کرشن جی اُسکے مقابل پر بے سروسامان تھے لیکن خدا تعالیٰ نے کنس کو باوجود اُس کی طاقت کے تباہ و برباد کر دیا اور حضرت کرشن جی کو باوجود کمزور ہونے کے فتحیاب فرمایا۔

علاوہ ازیں حضرت کرشن جی نے جنگ مہابھارت میں کمزور پانڈوؤں کا ساتھ اس لئے دیا کہ وہ حق پر تھے اور کوروؤں کے ظلم و ستم اور ناانصافی کے خلاف جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت آپ کے شاملِ حال رہی اور کوروا اپنی عظیم طاقت اور جتھّہ بندی کے باوجود شکست کھا گئے۔ اسی جنگ مہابھارت کے دوران شریمد بھگوت گیتا جیسا پاکیزہ اور رُوحانیت اور علم و عرفان سے لبریز کلام آپ کو عطا ہُوا جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ثبوت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کی تائید و نُصرت کے بڑے ایمان افروز واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت اور اس کی ذات پر یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔ اُنہی میں سے دُنیا کی تاریخ کا مشہور واقعہ طوفانِ نوحؑ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔

❖ حضرت نُوح علیہ السلام دُنیا کی ابتدائی تہذیب کے بانی تھے۔ آپؑ نے قدیم زمانے میں خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ کی قوم بدیوں میں مبتلا تھی۔ حضرت نُوحؑ نے اُن کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت، شرک سے اِجتناب، اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانے اور آپ کی اطاعت کرنے کی تعلیم دی کہ اگر میری بات مانو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائے گا اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تم پر ایک دردناک عذاب آئے گا۔ لیکن آپ کی قوم نے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ کے خلاف بڑی بڑی سازشیں کیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ایک کشتی بنائیں کیونکہ جن لوگوں نے ظلم و تشدد اور بے راہ روی کا طریق اختیار کیا ہے وہ ضرور ہلاک کئے جائیں گے۔ کشتی بناتے وقت قوم کے بڑے بڑے لوگ آپؑ پر ہنستے اور تمسخر کرتے تھے۔ آخر پیشگوئی کے مطابق طوفان آیا اور ایسا زبردست طوفان آیا کہ آسمان سے بھی بارش برسی اور زمین کے چشمے بھی پھوٹ پڑے اور بعض پہاڑوں کی چوٹیوں تک بھی پانی پہنچ گیا اور ساری قوم غرق ہو گئی۔ لیکن حضرت نُوح علیہ السلام اور آپکی جماعت حیرت انگیز طور پر اِس کشتی کے ذریعہ اِس زبردست طوفان کے شر سے بچا لئے گئے۔

❖ اِسی طرح قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام اور اُن کی قوم عاؔد کا بھی ذکر ہے کہ عاؔد کی قوم نے اُن کو جُھٹلایا جس کے نتیجہ

میں وہ تیز ہَوا کے ذریعہ ہلاک کئے گئےلیکن حضرت ہُود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے بچائے گئے۔

❖ حضرت صالح علیہ السلام قومِ ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔اُن کی قوم نے بھی اُن کو جُھٹلایا تو وہ ایک زلزلہ سے ہلاک کئے گئے لیکن حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے محفوظ رہے۔

❖ حضرت لُوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپؑ کو جُھٹلایا نتیجہ یہ ہُوا کہ جُھٹلانے والوں پر پتھروں کی بارش ہوئی اور وہ ہلاک کئے گئے لیکن حضرت لُوط علیہ السلام کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اِس عذاب سے بچا لیا۔

❖ حضرت شعیب علیہ السلام کی بھی جن لوگوں نے تکذیب کی وہ زلزلہ سے ہلاک کئے گئے اور آپؑ کے ماننے والے بچا لئے گئے۔ اگر کوئی خدا نہ ہوتا تو ماننے والے اور جُھٹلانے والے دونوں کو قدرتی حادثات میں یکساں طور پر ہلاک ہوجانا چاہئے تھا۔لیکن خدا کے رسول کو ماننے والوں کا حیرت انگیز طور پر بچایا جانا اور صرف جُھٹلانے والوں ہی کا ہلاک ہوجانا اللہ تعالیٰ کی ہستی کی بھاری دلیل ہے۔

احمدیہ مسلم جماعت کے بانی سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالَم کو اِک عالَم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہَوا اور ہر خسِ راہ کو اُڑاتی ہے
وہ ہوجاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہوکر دُشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہوکر وہ پانی اُن پہ اِک طوفان لاتی ہے
غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالِق کے آگے خَلق کی کچھ پیش جاتی ہے
(دُرِّثمن اُردو)

❖ اِسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشہور واقعہ ہے کہ آپؑ عراق کے علاقہ اُور میں تھے اور آپؑ کی قوم بُت پرست تھی۔اُس زمانے کا بادشاہ نمرود اپنے آپ ہی کو خدا سمجھتا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بُت پرستی ترک کرنے کا اور خدا تعالیٰ کی توحید کا پَرچار کیا تو قوم آپکی سخت مخالف ہوگئی اور بادشاہ نے آگ بھڑکا کر اس میں آپ کو جلانا چاہا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (انبیاء : 70) کہ اَے آگ ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہوکر سلامتی کا باعث بن جا۔ چنانچہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ بُجھ گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بالکل محفوظ رہے ؎

بے خطر کُود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اس موقع پر یہ بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ بعض لوگ تاویل کر کے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ دراصل ابراہیم علیہ السلام پر جو آگ بھڑکائی گئی تھی وہ مخالفت یا جنگ کی آگ تھی جو بُجھادی گئی۔ چنانچہ دھرم پال آریہ نے جب اعتراض کیا کہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ کس طرح ٹھنڈی ہوگئی!؟ تو اِس کا جواب حضرت مولانا نُورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے یہ لکھا کہ آگ سے جنگ اور عداوت کی آگ مراد ہے ۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے یہ اعتراض اور اس کا جواب بیان کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے اس کو ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ ''اس تکلّف کی کیا ضرورت ہے۔ ہم موجود ہیں ہمیں کوئی آگ میں ڈال کر دیکھ لے کہ آگ گُلزار ہوجاتی ہے یا نہیں!'' ایک دوسرے موقعہ پر اس مفہوم کو آپ علیہ السلام نے ایک شعر میں یُوں بیان فرمایا ہے کہ ؎

ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے
(سیرت المہدیؑ حصہ اوّل صفحہ 137)

❖ ایک اَور مشہور تاریخی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے شدید مخالف فرعون کا ہے ۔ جِس کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ بیان ہوُا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا تو اُس نے متمردانہ طور پر یہ کہا تھا کہ تُم کس خدا کی بات کر رہے ہو؟ تمہارا سب سے بڑا ربّ تو مَیں ہی ہوں۔ یہ وہی فرعون تھا جو بڑا طاقتور بادشاہ تھا اور جو نہ صرف سالہا سال سے بنی اسرائیل پر بڑے سخت مظالم ڈھا رہا تھا بلکہ خدا کا مُنکر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخت ترین دُشمن تھا۔لیکن انجام کیا ہوُا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے فلسطین کی طرف جانے لگے تو فرعون نے اپنے لاؤ لشکر سمیت اُن کا پیچھا کیا اور قریب تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ اور اُن کے پیروکاروں کو جا پکڑتا کہ عین وقت پر سمندر کی موجوں نے اُس کو غرق کر دیا اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بحفاظت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہ فرعون جو یہ تمسخر کیا کرتا تھا کہ اگر میرے سوا کوئی اور معبود ہے تو اَے ہامان ! ایک بڑا قلعہ تیار کر لَعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى (القصص : 39) تا کہ مَیں اُوپر جا کر موسیٰؑ کے خدا پر آگاہی حاصل کروں، اُسے آسمان کی بلندیوں میں تو خدا نظر نہیں آیا۔البتہ جب وہ غرق ہونے لگا تب سمندر کی گہرائیوں میں اُسے خدا نظر آیا اور بے ساختہ کہہ اُٹھا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس : 91) کہ مَیں اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ اُس خُدا کے سِوا اور کوئی معبود نہیں جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور مَیں مسلمان ہوں۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے کمزور اور بے سروسامان رسول کو خدا نے غالب کر دیا اور فرعون جیسے طاقتور اور سرکش بادشاہ کو ذلیل و خوار کر کے غرق کر دیا۔

❖ ہمارے پیارے آقا سیدالاوّلین والآخرین خاتم النّبیّین حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پُوری زندگی خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک لازوال یقین کامل پیدا کرنے کا موجب ہے۔جن حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کو فتح کیا اُن کو سامنے رکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کی مدد کے سِوا آپؐ کو یونہی غلبہ حاصل ہوسکتا تھا۔آپؐ کے پاس نہ مال تھا نہ دولت۔ علم آپؐ نہ پڑھے ہوئے تھے۔ مال کی یہ حالت تھی کہ ایک ایسی مالدار عورت سے آپؐ نے شادی کی جو نیک تھی اُس نے اپنا مال آپؐ کو دے دیا۔ اور آپ نے وہ بھی خدا کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایسے انسان کو خدا نے رسول بنا دیا۔ اور رسول کیلئے یہ شرط رکھ دی کہ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ کہ رسول ضرور ضرور غالب ہوگا۔ اگر خدا ہے تو ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھو دُنیا نے رسولِ کریمؐ کے ساتھ کیا کِیا۔ آپؐ کے خلاف سارے لوگوں نے زور مارے مگر کیا نتیجہ نکلا؟ اُنکی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور آپؐ نہایت شان کے ساتھ دس ہزار قدوسیوں سمیت مکّہ پہنچے اور وہی سردار جو آپؐ پر اتنا ظلم کرتے تھے کہ جب آپ نماز کیلئے خانۂ کعبہ میں جاتے تو آپؐ کو ڈانٹتے، آپؐ پر مَیلا ڈالتے۔ اِس وقت وہ سب آپ کے رحم پر تھے۔ ایک دفعہ آپؐ پر اتنا ظلم کیا گیا کہ طائف والوں نے پتھر مار مار کر آپ کا جِسم لہولہان کر دیا۔ پھر آپؐ کے مریدوں کی یہ حالت تھی کہ اُن کا بازاروں میں چلنا مشکل تھا۔ پس اس بے سروسامانی میں آپؐ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے کا دعویٰ کیا اور اعلان کر دیا کہ مَیں کامیاب ہوکر رہوں گا اور دُنیا پر غلبہ پاؤں گا۔ خدا تعالیٰ میری مدد کرے گا اور مجھے فتح دے گا۔ اگر قوم اس دعویٰ کو آسانی سے قبول کر لیتی تو کہا جاتا کہ جب قوم نے قبول کر لیا تو غلبہ میں کسی غیر معمولی اعانت کا ہاتھ کیوں سمجھا جائے۔ مگر آپؐ کے ساتھ قوم نے محبّت کا سلوک نہیں کیا۔ قبولیت کے ہاتھ آپؐ کی طرف نہیں بڑھائے۔ اطاعت کی گردن آپؐ کے آگے نہیں جھکائی۔ بلکہ ساری کی ساری قوم آپؐ کے خلاف کھڑی ہوگئی اور معمولی مخالفت نہیں کی بلکہ مخالفت میں قوم نے سارا ہی زور خرچ کر دیا۔ قتل کرنے کی کوشش کی ۔ ساتھیوں میں سے کئی کو شہید کر دیا۔ حتّٰی کہ صحابہؓ کو ملک سے نکلنا پڑا۔ اور آخر میں خود آپؐ کو بھی ملک چھوڑنا پڑا۔ لیکن وہی شخص جسے چند سال پہلے صرف ایک ساتھی کے ساتھ رات کے اندھیرے میں اپنے عزیز وطن کو چھوڑنا پڑا تھا چند سال بعد فاتحانہ حیثیت میں واپس آتا ہے اور آکر اُن ظالموں سے جنھوں نے انتہائی درجہ کے ظلم اُس سے اور اُس کے ساتھیوں سے کئے تھے پوچھتا ہے کہ بتاؤ! مَیں تم سے کیا سلوک کروں؟ اور جب وہ شرمندگی سے اُسکے سامنے گردن ڈال دیتے ہیں تو فرماتا ہے جاؤ مَیں نے تُم سب کو معاف کر دیا۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اتّفاقاً بعض کمزور لوگوں کو طاقت مل جاتی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں فتح اور غلبہ اتّفاقاً نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ آپؐ نے اپنی کمزوری کی حالت میں پیشگوئی کر دی تھی کہ مجھے غلبہ ملے گا اور پھر اِس دعویٰ کے مطابق آپؐ کو غلبہ ملا۔ اور پھر آپؐ کا غالب ہوکر اپنے دُشمنوں کو معاف کر دینا بھی بتاتا ہے کہ ایک زبردست طاقت پر آپؐ کو یقین تھا اور کامل یقین تھا کہ میرے غلبہ کو کوئی شکست سے بدل نہیں سکتا، تبھی تو آپ نے ایسے خطرناک دُشمنوں کو بِلا شرط معاف کر دیا۔ اس قسم کے غلبہ کی مثال دُنیا میں اور کہاں ملتی ہے؟

(انوار العلوم جلد 6 صفحہ 213-214)

اِس جگہ یہ بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکّہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں سارے اہلِ مکّہ کو بلا کسی شرط کے معاف فرما دیا تھا وہاں صرف جنگی مجرمین کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ بعدہٗ اُنہیں بھی معاف فرما دیا تھا۔ اُنہی مجرمین میں سے ابوسفیان کی بیوی ھند بنت عُتبہ بھی تھی جس نے اسلام کے خلاف قریش کو اُکسانے اور جنگ

بھڑکانے کا فریضہ سنبھال رکھا تھا۔ اور جنگِ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کر کے اُن کا کلیجہ چبا کر وحشتناک طور پر اپنی انتقام کی آگ کو بُجھایا تھا۔ فتح مکّہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی بیعت لی تو یہ ھند بھی چادر اوڑھ کر آ گئی کیونکہ اُس کے جرائم کی وجہ سے اُسے بھی واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ بیعت کے دوران جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط بیان کی کہ کہو آئندہ ہم شرک نہیں کریں گی تو ھند بے اختیار بول پڑی، یا رسول اللہ! کیا اب بھی ہم شرک کرسکتی ہیں جب کہ ہمارے سبھی بُت ہار گئے اور آپؐ کا ایک خُدا جیت گیا تو آواز پہچان کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ ھند بول رہی ہے؟ تو اُس نے کہا ''یا رسول اللہ! اب تو میں دِل سے مسلمان ہوچکی ہوں۔ جو کچھ پہلے گزر چکا سو گزر چکا۔ آپ بھی اس سے درگذر فرمائیں۔'' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو بھی معاف فرمادیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یاد رہے کہ پانچ موقعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نہایت نازک پیش آئے تھے جن میں جان کا بچنا محالات سے معلوم ہوتا تھا۔ اگر آنجناب درحقیقت خدا کے سچّے رسول نہ ہوتے تو ضرور ہلاک کئے جاتے۔ ایک تو وہ موقعہ تھا جب کفّار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا اور قسمیں کھالی تھیں کہ آج ہم ضرور قتل کریں گے۔ دُوسرا وہ موقعہ تھا جبکہ کافر لوگ اُس غار پر معہ ایک گروہِ کثیر کے پہنچ گئے تھے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابوبکرؓ کے چھپے ہوئے تھے۔ تیسرا وہ نازک موقعہ تھا جبکہ اُحد کی لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے تھے اور کافروں نے آپ کے گرد محاصرہ کر لیا تھا اور آپ پر بہت سی تلواریں چلائیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ یہ ایک معجزہ تھا۔ چوتھا وہ موقعہ تھا جبکہ ایک یہودیہ نے آنجناب کو گوشت میں زہر دیدی تھی اور وہ زہر بہت تیز اور مُہلک تھی اور بہت وزن اس کا دیا گیا تھا۔ پانچواں وہ نہایت خطرناک موقعہ تھا جبکہ خُسرو پرویز شاہِ فارس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کیلئے مُصمّم ارادہ کیا تھا اور گرفتار کرنے کیلئے اپنے سپاہی روانہ کئے تھے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِن تمام پُرخطر موقعوں سے نجات پانا اور ان تمام دُشمنوں پر آخر کار غالب ہوجانا ایک بڑی زبردست دلیل اِس بات پر ہے کہ درحقیقت آپؐ صادق تھے اور خُدا آپ کے ساتھ تھا۔''

(چشمہ معرفت رُوحانی خزائن، جلد 23، صفحہ 263-264 حاشیہ)

❖ اب مَیں آخر میں سیّدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق و فرزندِ جلیل موجودہ زمانے کے مامور و مُرسَلِ ربّانی و امام آخر الزّمان حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی بات کرتا ہوں کہ آپؑ نے انتہائی کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں مسیح موعود اور مہدیٔ معہود ہونے کا دعویٰ کیا تو سُنّتِ انبیاء کے مطابق ساری دُنیا آپؑ کی دُشمن بن گئی۔ اُس وقت کے علماء اور گدی نشین بھی آپؑ کے دُشمن بن گئے کیونکہ اُن کی سیادت اور ریاست خطرے میں نظر آتی تھی۔ امراء بھی آپؑ کے دُشمن بن گئے کیونکہ آپؑ احکامِ اسلام کی پابندی کی تلقین فرماتے تھے جو اُن کی طبائع پر گراں تھا۔ غیر مذاہب کے لوگ بھی آپؑ کے مخالف تھے کیونکہ آپؑ کی ذات میں اُنہیں وہ شخص نظر آتا تھا جو دلائل و براہین کے ذریعہ اسلام کی عظمتِ شان اور اُس کی فضیلت و غلبہ کے سامان کر رہا تھا۔ حکّامِ وقت بھی آپؑ کے مخالف تھے کیونکہ وہ بھی مسیح و مہدی کے ناموں سے خوفزدہ تھے۔ عوام الناس بھی آپؑ کے مخالف تھے کیونکہ وہ خود تو عِلم نہیں رکھتے تھے بلکہ مولویوں، پیروں فقیروں یا امیروں یا پنڈتوں یا پادریوں کے ماتحت ہوتے ہیں اور یوں بھی بوجہ جہالت اور رسوم و رواج کے پابند ہونے کے، ہرنئی بات کے سخت مخالف ہوتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباء واجداد ہی کی پیروی کریں گے۔ الغرض ہر طبقہ کی طرف سے آپ کی شدید مخالفت شروع ہوگئی۔ اور آپؑ کا حال کیا تھا، فرماتے ہیں ؎

مَیں تھا غریب و بےکس و گمنام بے ہُنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی

لیکن جس خدا نے آپ کو مامور بنا کر کھڑا کیا تھا وہ آپ کو تسلّی دے رہا تھا کہ ''مرزا! غم نہ کر، مَیں تیرے ساتھ ہوں۔'' اور یقین دلا رہا تھا کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ یعنی جو شخص بھی تیری ذلّت ورُسوائی کا ارادہ بھی کریگا، مَیں اُسے ذلیل و خوار کردوں گا۔ *"I shall give you a large party of Islam"* مَیں تجھے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت دوں گا۔ اور فرمایا: ''مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔''

اِن خدائی وعدوں کے مطابق ایک ایک کر کے لوگ آپؑ کی جماعت میں شامل ہونے شروع ہوئے۔ غرباء میں سے بھی اور اُمراء میں سے بھی۔ عُلماء میں سے بھی اور صُوفیاء میں سے بھی۔ مسلمانوں میں سے بھی اور ہندوؤں و عیسائیوں میں سے بھی۔ ہاں! وہی محمد حسین صاحب بٹالوی جنہوں نے بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مَیں نے ہی اِس کو اُٹھایا ہے اور مَیں ہی اِسے گراؤں گا۔ آج دُنیا جانتی ہے کہ کون مِٹ گیا اور کون بڑھ گیا۔ آج مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا کوئی نام ونشان تک نہیں بلکہ خُود اُن کے نواسے سعید احمد صاحب نے جو جلسہ سالانہ قادیان میں بھی آچکے ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی اختیار کر کے ثابت کردیا کہ سچّے مسیح اور مہدی کی مخالفت اور تکذیب کر کے اُن کے نانا اور اُن کے ہمنوا مولوی ناکام و نامراد ذلیل وخوار ہوکر مر گئے لیکن خدا تعالیٰ کے مسیح و مہدی نے یہ فرمایا تھا کہ: ''یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سُنو کہ میری رُوح ہلاک ہونے والی رُوح نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں......دُشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ اور خُدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔'' (انوار الاسلام، صفحہ 23، روحانی خزائن، جلد 9)

اور فرمایا: ''یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ مَیں وہ درخت ہوں جس کو مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا......اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو آخیر تک مُجھ سے وفا کرے گا......اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے اور اگر تم گواہی کو چُھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھّر میرے لئے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظُلم مت کرو......خدا سے مت لڑو۔ یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کردو۔'' (اربعین نمبر 3، روحانی خزائن، جلد 17، صفحہ 400)

اور یہ زندہ حقیقت دُنیا کے سامنے ہے کہ واقعی آپؑ نے ایک عظیم فتح پائی اور اِس جہان سے آپؑ کامیاب و بامُراد گئے۔ یہاں تک کہ آپؑ کی وفات کے وقت آپؑ کی جماعت ہزاروں سے نکل کر لاکھوں تک ترقی کرتی چلی گئی اور اب تک برابر ترقی کرتی چلی جارہی ہے اور اب بفضلہٖ تعالیٰ دُنیا کے 202 ممالک میں اس کی مضبوط شاخیں قائم ہوچکی ہیں اور ہر سال ہزاروں لوگ اِس مقدس جماعت میں داخل ہورہے ہیں۔ آپؑ کو لوگوں نے قتل کرنا چاہا۔ زہر دیکر مارنا چاہا۔ عدالتوں میں بھی آپؑ کو گھسیٹا اور جُھوٹے مقدمات بھی آپؑ پر قائم کئے گئے لیکن ہر دفعہ آپؑ کامیاب ہوئے اور ہر حملہ سے آپؑ محفوظ رہے اور روز بروز خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت بڑھتی گئی۔ آپؑ نے کیا ہی خوب فرمایا ؎

گڑھے میں تُو نے سب دُشمن اُتارے
ہمارے کر دِیئے اُونچے منارے
مقابل پر مرے یہ لوگ ہارے
کہاں مرتے تھے پر تُو نے ہی مارے
شریروں پر پڑے اُن کے شرارے
نہ اُن سے رُک سکے مقصد ہمارے
اُنہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

امرِ واقعہ یہ ہے کہ جن جن حاسدین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کی مقدس جماعت کو مٹانا چاہا وہ خود مٹ گئے اور جن نادان حکّام نے جماعتِ احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیکر اسکی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگادی اور جماعت کے خلاف ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھا وہ سب ناکام و نامُراد ہلاک ہوکر احمدیت کی صداقت پر مُہر لگا گئے اور اللہ تعالیٰ نے مُسلم ٹیلی ویژن احمدیہ کے ذریعہ اُن کے گھروں میں اور دُنیا کے کناروں تک مسیحِ محمدی کا رُوحانی اور امن بخش پیغام پہنچانا شروع کردیا۔ اور ہمارا یقین ہے کہ دُشمن جس قدر مسیح محمدی کی جاں نثار جماعت پر ظلم وستم ڈھائے گا خدا کے فضل سے یہ جماعت اُسی قدر تیزی سے ترقی کرتی چلی جائے گی اور روز بروز اُسکے حق میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونُصرت بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ۔

پس اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی اور اٹل قانون ہے کہ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ مَیں اور میرے رسول ضرور غالب ہوکر رہیں گے۔ کوئی اِس قانون کو بدل نہیں سکتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات آپ کے سامنے بیان کئے گئے ہیں یہ ثبوت ہیں اِس بات کا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اپنے پیارے بندوں کی تائید ونصرت کرکے ہر زمانے میں اپنی ہستی کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

......☆......☆......☆......

ہستی باری تعالیٰ کے عظیم الشان عاشق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(سلیق احمد نائک، مربی سلسلہ نظارت علیا قادیان)

خلائق کے دل تھے یقیں سے تہی
بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دنیا پہ وہ چھا رہی
کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہوا آپ کے دم سے اس کا قیام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

سرور کائنات حضرت اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ کا وجود بابرکات اللہ تعالیٰ کی ہستی کا جلوہ گرتھا۔آپ کا ہرقول وفعل ذاتِ باری کے عشق سے لبریز تھا۔آپ کی زندگی محض اپنے مولیٰ کی رضا کیلئے وقف تھی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی عرش پر یہ گواہی دی کہ اے نبی تو کہہ دے میری نماز ،میری قربانیاں، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے اوراس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی امر کا حکم دیا گیا ہے اور میں اُس کا سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

(سورۃ الانعام:164,163)

آپکی مبارک شخصیت کا ہی یہ طرہ امتیاز تھا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارہ میں ان اسرار غامضہ کا انکشاف فرمایا جو کسی اور پر نہیں فرمایا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے محامد اور ثناء کے معارف اس طور پر کھولے ہیں کہ مجھ سے قبل کسی اور شخص پر اس طرح نہیں کھولے گئے۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ بنی اسرائیل، باب ذریۃ من حملنا)

اللہ تعالیٰ کی ہستی کیلئے آپ ﷺ کے دل میں کس قدر انہماک تھا اس کا اندازہ آپ کی شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے عمل سے بڑی صراحت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔اس کی چند جھلکیاں پیش ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی عبادات کا معیار نہایت ہی عمدہ تھا۔اللہ تعالیٰ کی کامل اور خالص محبت سے ابتداء سے ہی آپ دل سرشار تھا خواہ بچپن ہو یا عین عنفوان شباب ہر دور میں صرف ذکر الٰہی اور عبادات ہی آپ کا نصب العین نظر آتا ہے۔ دنیا سے علیحدہ ہو کر خلوت پسندی کی راہ اختیار کرکے محض اپنے معشوق سے راز و نیاز ہی آپ کے دل کی تسلی اور اطمینان کا موجب تھا۔ جوانی میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچی خوابوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

(بخاری، باب بدء الوحی)

جوانی میں آنحضور ﷺ ہر سال غار حرا میں ایک مہینہ کیلئے اعتکاف فرمایا کرتے اور تنہائی میں اللہ کو یاد کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعتکاف ختم ہوتا تو واپس آکر پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی ہوئی تو یہ رمضان کا ہی مہینہ تھا جس میں آپ ﷺ غار حرا میں اعتکاف فرما رہے تھے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 1، صفحہ 250 تا 251، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی)

عبادات کا سلسلہ صرف فرض نمازوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ اسکے علاوہ بالخصوص رات کے وقت آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی گہری محبت سے سرشار ہو کر نہایت خشوع وخضوع سے بہت لمبی اور خوبصورت نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پیر متورم ہو جایا کرتے۔ اپنے ربّ کی عبادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دوسری چیز سے زیادہ پیاری تھی۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسم سرما کی سرد رات کو حضرت عائشہؓ کے لحاف میں داخل ہو جانے کے بعد اُن سے فرمانے لگے کہ عائشہ! اگر اجازت دو تو آج رات میں اپنے ربّ کی عبادت میں گزارلوں۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی اور آپ ﷺ نے وہ ساری رات عبادت میں بسر کی اور روتے روتے سجدہ گاہ تر کردی۔ (الدّر المنثور فی التفسیر الماثور للسیوطی جلد6، صفحہ 27، مطبوعہ بیروت)

عشق الٰہی کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام توحید کی کاوشوں سے بھی آشکار ہے۔ آپ کی شریعت کا پہلا سبق ہی کلمہ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تھا۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اوڑھنا بچھونا توحید ہی تھا۔ صبح وشام خدا کی توحید کا دم بھرتے تھے۔ دن چڑھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر یہ دعا ہوتی۔ ''ہم نے اسلام کی فطرت اور کلمۂ اخلاص (یعنی توحید) پر اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین اور اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر صبح کی جو موحّد تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

(مسند احمد، جلد3، صفحہ 406 مطبوعہ بیروت)

شام ہوتی تو یہ دعا زبان پر ہوتی۔ اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰہِ ''ہم نے اور سارے جہاں نے اللہ کی خاطر شام کی ہے اور تمام تعریف اللہ کیلئے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کی ہے۔ تمام تعریفوں کا وہی مالک ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔''

(مسلم ،کتاب الذکر، باب التعوذ من شر ماعمل:4901)

کوئی مصیبت درپیش ہوتی تو یہ دعا کرتے ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عظمت والا اور بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عظیم عرش کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آسمان اور زمین کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش کریم کا رب ہے۔''

(بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الکرب:5869)

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہی تھے جنہوں نے عمر بھر علمِ توحید بلند کیے رکھا اور کبھی اس پر آنچ نہ آنے دی۔ اس کلمۂ توحید کی خاطر ہر طرح کے دکھ اٹھائے ،اذیتیں برداشت کیں، اپنے جانی دوستوں کی قربانی بھی دی اور خود اپنی جان کی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ہمیشہ قیام توحید کیلئے کوہ استقامت بن کر تمام ابتلاؤں کا مقابلہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کو ہی ذریعہ نجات قرار دیا اور فرمایا کہ جس نے صدق دل سے توحید باری کا اقرار کیا وہ جنّتی ہے۔

(مسند احمد، جلد4، صفحہ 411 مطبوعہ بیروت)

زندگی کے بڑے سے بڑے ابتلاء میں بھی جب خود رسول اللہ ﷺ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جانیں خطرہ میں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی حفاظت سے غافل نہیں ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت توحید کمال کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ اس کی ایک روشن مثال جنگِ اُحد کا موقع ہے۔

جب اسلامی لشکر پراگندہ ہوگیا اور رسول کریمؐ کے گرد صرف ایک قلیل جماعت ہی رہ گئی تو ابوسفیان نے پکار کر کہا کہ کیا تم میں محمد ﷺ ہے اور اس بات کو تین بار دہرایا لیکن رسول کریمؐ نے صحابہؓ کو منع کر دیا کہ وہ جواب دیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے تین دفعہ بآواز بلند کہا کہ کیا تم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) ہے۔ اس کا جواب بھی نہ دیا گیا تو اس نے پھر تین دفعہ پکار کر کہا کہ کیا تم میں ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) ہے۔ پھر بھی جب جواب نہ ملا تو اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ لوگ مارے گئے ہیں۔ اس بات کو سن کر حضرت عمرؓ برداشت نہ کر سکے اور فرمایا کہ اے خدا کے دشمن تو نے جھوٹ کہا ہے جن کا تو نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور وہ چیز جسے تو ناپسند کرتا ہے ابھی باقی ہے۔ اس جواب کو سن کر ابوسفیان نے کہا کہ آج کا دن بدر کا بدلہ ہوگیا۔ اور لڑائیوں کا حال ڈول کا سا ہوتا ہے تم اپنے مقتولوں میں بعض ایسے پاؤ گے کہ جن کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں گے۔ میں نے اس بات کا حکم نہیں دیا تھا لیکن میں اس بات کو ناپسند بھی نہیں کرتا۔ پھر یہ شرکیہ کلمات فخر کے ساتھ بآواز بلند کہنے لگا اُعْلُ ھُبُلَ اُعْلُ ھُبُلْ یعنی اے ہبل (بت) تیرا درجہ بلند ہو، اے ہبل تیرا درجہ بلند ہو۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہم کیا کہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہو: اللہ اعلیٰ و اجل خدا تعالیٰ ہی سب سے بلند رتبہ اور سب سے زیادہ شان والا ہے۔ ابوسفیان نے یہ سن کر کہا ''ہمارا تو ایک بت عزّیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزّیٰ نہیں۔'' جب صحابہؓ خاموش رہے تو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ کیا تم جواب نہیں دیتے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کیا کہیں؟ آپؐ نے فرمایا انہیں کہو کہ ''اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ'' خدا ہمارا دوست و کارساز ہے اور تمہارا کوئی دوست نہیں۔ (صحیح بخاری،

کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من التنازع)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ آیت پڑھی: آسمان لپٹے ہوئے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ان شریکوں سے جو لوگ اس کے مقابل میں ٹھہراتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بڑی طاقتوں والا اور نقصان کی تلافی کرنے والا ہوں۔ میرے لئے ہی بڑائی ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کلمات کو بار بار بڑے جوش سے دہرا رہے تھے یہاں تک کہ منبر لرزنے لگا اور ہمیں خیال ہوا کہ کہیں منبر گر ہی نہ جائے۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 88)

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرک و بت پرستی کے تاریک دور میں قیام توحید کا عظیم الشان کام لیا جانا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آغاز سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں توحید کی محبت اور بت پرستی سے نفرت رکھ دی تھی اور اپنی خاص مشیئت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے شرک سے محفوظ رکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی ام ایمن بیان کرتی تھیں کہ ''بُوانہ'' وہ بت تھا جس کی قریش بہت تعظیم کرتے تھے۔ اُس کے پاس حاضری دے کر قربانیاں گزارتے اور سال میں ایک دن وہاں اعتکاف کرتے تھے۔ ابو طالب بھی اپنی قوم کے ساتھ وہاں جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکار کر دیتے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں اور ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت ناراض ہوتے اور کہتے کہ بتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری کے باعث ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ڈر ہی رہتا ہے۔

ایک دفعہ اپنی پھوپھیوں کے اصرار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں چلے تو گئے مگر سخت خوفزدہ ہو کر واپس آ گئے اور کہا کہ میں نے وہاں ایک عجیب منظر دیکھا ہے۔ پھوپھیوں نے کہا کہ اتنے نیک انسان پر شیطان اثر نہیں کر سکتا اور پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جونہی میں بت کے قریب جانے لگتا تھا تو سفید رنگ اور لمبے قد کا ایک شخص چلّا کر کہتا تھا کہ اے محمد ﷺ! پیچھے رہو اور اس بت کو مت چھوؤ۔ بعد میں پھوپھیوں نے بھی بتوں کے پاس جانے کیلئے یہ اصرار چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مشرکانہ رسوم سے محفوظ رکھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2، صفحہ 26 تا 29، مطبوعہ بیروت)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق الٰہی کا مظاہرہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آپ احکام خداوندی کی کس طرح پابندی کرتے تھے۔ آپؐ اس وقت تک مکہ سے نہیں نکلے جب تک کہ خدا کی طرف سے حکم نہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ہم ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ عین دوپہر کے وقت رسول کریمؐ تشریف لائے اور سر لپیٹا ہوا تھا جبکہ آپؐ ایسے وقت میں کبھی نہیں آیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اس وقت کسی بڑے کام کیلئے آئے ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریمؐ نے اجازت مانگی اور اجازت ملنے پر گھر میں آئے اور فرمایا کہ جو لوگ بیٹھے ہیں ان کو اٹھا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ، واللہ وہ آپ کے اہل ہی تو ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا مجھے ہجرت کا حکم ہوا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا مجھے آپ کی مصاحبت نصیب ہو سکتی ہے۔ آپ نے ان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے فرمایا ''ہاں۔''

(بخاری کتاب المناقب باب ھجرۃ النبی)

پھر محبوب کے عشق کے مظاہرے کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ محبوب کا خوف اور خشیت بھی محبت کے ساتھ ساتھ جاگزیں ہوتا ہے۔ چنانچہ خشیت کا یہ دلفریب پہلو بھی قابل رشک معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ایک اعلیٰ مثال جنگ بدر میں دیکھنے کو ملی کہ جب بدر کے دوران دشمن کے مقابلہ میں آپؐ اپنے جاں نثار بہادروں کو لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ تائید الٰہی کے وعدے تھے۔ کفار نے اپنا قدم جمانے کیلئے پختہ زمین پر ڈیرے لگائے تھے اور مسلمانوں کیلئے ریت کی جگہ چھوڑ دی تھی لیکن خدا نے بارش بھیج کر کفار کی زمین کو کیچڑ والی کر دیا اور مسلمانوں کی طرف والی ریتیلی زمین مضبوط ہو گئی۔ اسی طرح اور بھی تائیدات سماویہ ظاہر ہو رہی تھیں۔ لیکن باوجود اسکے اللہ تعالیٰ کا خوف ایسا آنحضرتؐ پر غالب تھا کہ سب وعدوں اور نشانات کے باوجود اسکے غنا کو دیکھ کر گھبراتے تھے اور بے تاب ہو کر اس قدر الحاح کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ آپؐ کی چادر بار بار آپؐ کے کندھوں سے گر جاتی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَنْشُدُ عَھْدَكَ وَ وَعْدَكَ اللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃ مِنْ اَھْلِ الاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِی الْاَرض (تاریخ طبری) اے میرے خدا اپنے وعدہ کو اپنی مدد کو پورا فرما۔ اے میرے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت آج ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں مجھے لڑتے لڑتے آنحضرتؐ کا خیال آتا اور میں دوڑ کے آپؐ کے پاس پہنچ جاتا تو دیکھتا کہ آپؐ سجدہ میں ہیں اور آپؐ کی زبان پر یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ کے الفاظ جاری ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ جوش فدائیت میں آپؐ کی اس حالت کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ گھبرائیں نہیں۔ اللہ ضرور اپنے وعدے پورے کرے گا مگر اس مقولہ کے مطابق کہ ''ہر کہ عارف تراست ترساں تر'' برابر دعا و گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ آپؐ کے دل میں خشیت الٰہی کا یہ گہرا احساس مضمر تھا کہیں خدا کے وعدوں میں کوئی ایسا پہلو مخفی نہ ہو جس کے عدم علم سے تقدیر بدل جائے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

اسی طرح آپ ﷺ کی محبت الٰہی کا جلوہ دیکھ کر آپ کے بارہ میں مکہ والے یہ مشہور کرنے لگے کہ محمد اپنے ربّ کا دیوانہ ہو گیا۔ واقعی اس میں کیا شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ کے سچے عاشق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اظہار نمازوں، عبادات، دعاؤں اور ذکر الٰہی سے خوب عیاں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت الٰہی کا یہ حال تھا کہ حضرت داؤد کی یہ دعا بڑے شوق سے اپنی دعاؤں میں شامل کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْاَ لُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَن یُّحِبُّكَ وَالعَمَلَ الَّذِی یُبَلِّغُنِی حُبَّكَ، اَللّٰھُمَّ اجعَل حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِن نَفسِی وَمَالِی وَاَھلِی وَمِنَ المَاءِ البَارِدِ ''اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اُس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں تجھ سے ایسے عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! اپنی اتنی محبت میرے دل میں ڈال دے جو میری اپنی ذات، میرے مال، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہو۔'' (ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی عقد التسبیح: 3412)

مگر محبت الٰہی کی جو دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی وہ حضرت داؤد کی دعا سے کہیں جامع اور بلیغ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولیٰ کے حضور عرض کرتے:

اَللّٰھُمَّ ارزُقنِی حُبَّكَ وَحُبَّ مَن یَّنفَعُنِی حُبّہ عِندَكَ اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقتَنِی مِمَّا اُحِبُّ فَاجعَلہُ قُوَّۃً لِّی فِیمَا تُحِبُّ، وَمَازَوَیتَ عَنِّی مِمَّا اُحِبُّ فَاجعَلہُ فَرَاغًا لِّی فِیمَا تُحِبُّ ''اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا کر اور اُسکی محبت جسکی محبت مجھے تیرے حضور فائدہ بخشے۔ اے اللہ! میری دل پسند چیزیں جو تو مجھے عطا کرے ان کو اپنی محبوب چیزوں کے حصول کیلئے قوت کا ذریعہ بنا دے۔ اور میری وہ پیاری چیزیں جو تو مجھ سے علیحدہ کر دے ان کے بدلے اپنی پسندیدہ چیزیں مجھے عطا فرما دے۔'' (ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی عقد التسبیح: 3413)

وفات سے قبل آخری خواہش

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توحید کے قیام کیلئے آخری کوشش بھی تھی اور خواہش بھی۔ تبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ لَا تَجعَل قَبرِی وَثَنا اے اللہ میری قبر کو بت پرستی کی جگہ نہ بنانا۔

(مسند احمد، جلد 2، صفحہ 246 مطبوعہ بیروت)

پھر دیکھو خدا نے اپنے اس موحّد بندے کی غیرت توحید کی کیسے لاج رکھی کہ توحید پرستوں کے بادشاہ کا روضۂ مبارک ہر قسم کے شرک کی آلائش اور بت پرستی سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں کو عشق الٰہی کے نور سے منور کرے اور اپنی خشیت اور محبت سے لبریز کرے۔ آمین! ......☆......☆......

ارشاد نبوی ﷺ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر مسجد تعمیر کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کیلئے جنت میں اس جیسا گھر تعمیر کرتا ہے۔ (مسلم، باب فضل بناء المسجد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق الٰہی۔ واقعات کی روشنی میں

(سید سعید الدین احمد، مربی سلسلہ، ہفت روزہ اخبار بدر قادیان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسیح موعود اور مہدی معہود کے آنے کی خبر دی تھی وہ مَیں ہوں۔ آپؑ کی بعثت کا مقصد توحید کا قیام کر کے محبت الٰہی دلوں میں پیدا کرنا تھا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ’’خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا، ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کیلئے مَیں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔‘‘ (رسالہ الوصیت، روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 306)

اب ذرا سوچیں! وہ شخص جس نے اپنے دنیا میں آنے کا مقصد توحید کا قیام بتایا ہو تو اس شخص کا اپنے خالق و مالک سے عشق و محبت کا کیا اعلیٰ معیار ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے بے شمار پہلوؤں میں سے عشق الٰہی کا پہلو ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ آپؑ میں عشق الٰہی کا خُلق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس مضمون میں خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے بعض ایمان افروز واقعات پیش کرے گا جن سے آپؑ کے خدا تعالیٰ سے بے پناہ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔

بچپن سے ہی آپؑ کو نماز سے بہت محبت تھی، نماز کی محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ آپ کا اکثر وقت مسجد میں ہی گزرتا تھا، آپ مسجد میں نمازیں پڑھنے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے لوگ آپ کو مسیتڑ کہا کرتے تھے۔ آپؑ کے زمانۂ طفولیت اور جوانی کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے رنگ میں آپ کی تربیت فرمائی تھی کہ دنیا کی محبت آپ کے دل میں پیدا ہی نہ ہونے پائی۔ آپؑ کی زندگی کا ہر لمحہ ’’دنیا روزے چند اور آخرت با خداوند‘‘ پر دلالت کرتا۔

حضرت اقدس علیہ السلام کو شروع سے نماز کے ساتھ گہرا تعلق اور ایک فطری لگاؤ تھا جو عمر کے آخر تک گویا ایک نشہ کی صورت میں آپ کے دل و دماغ پر طاری رہا۔ جماعت احمدیہ کے پہلے مورّخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے آپ کے ابتدائی سوانح میں یہ عجیب واقعہ درج کیا ہے کہ جب آپ کی عمر نہایت چھوٹی تھی تو اس وقت آپ اپنی ہم سن لڑکی سے (جو بعد میں آپ سے بیاہی گئی) فرمایا کرتے تھے کہ ’’نامراد ے دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے‘‘ یہ فقرہ بظاہر نہایت مختصر ہے مگر اس سے عشق الٰہی کی ان لہروں کا پتہ چلتا ہے جو مافوق العادت رنگ میں شروع سے آپ کے وجود پر نازل ہو رہی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے انہی فطری رجحانات کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

اَلْمَسْجِدُ مَکَانِیْ وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ
وَذِکْرُ اللّٰہِ مَالِیْ وَخَلْقُ اللّٰہِ عَیَالِیْ

فرماتے ہیں کہ مسجد میرا مکان، صالحین میرے بھائی، یاد الٰہی میری دولت اور مخلوق خدا میرا عیال اور خاندان ہے۔ حضور علیہ السلام کی یہ پاکیزہ فطرت اور خدا نما عادات و خصائل ہی کا نتیجہ تھا کہ جس نے بھی بصیرت کی نگاہ سے دیکھا آپ کا والہ و شیدا ہوگیا۔

(اسی طرح آپؑ کے بچپن کا ایک اور واقعہ پیش ہے جس سے آپ کے بچپن سے ہی پاک باطن، نیک و متقی ہونے کا خوب علم ہوتا ہے) میاں محمد یاسین صاحب احمدی ٹیچر بلوچستان کی روایت ہے کہ:

مجھے مولوی برہان الدین صاحبؓ نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ کے پاس گئے اور اس وقت حضور ابھی بچہ ہی تھے۔ اس مجلس میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں باتوں میں مولوی غلام رسول صاحب نے جو ولی اللہ و صاحب کرامات تھے فرمایا کہ اگر اس زمانہ میں کوئی نبی ہوتا تو یہ لڑکا نبوت کے قابل ہے۔ انہوں نے یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہی۔ مولوی برہان الدین صاحب کہتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔ مکرم مولوی غلام محمد صاحب سکنہ بیگو والہ ضلع سیالکوٹ نے بتایا کہ میں نے یہ بات اپنے والد محمد قاسم صاحب سے اسی طرح سنی تھی۔

(تاریخ احمدیت، جلد 1، صفحہ 53، مطبوعہ قادیان 2007ء)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؑ بچپن سے ہی کس قدر پاکیزہ خصلت اور تقویٰ شعار تھے، یہی وجہ ہے ہر شریف النفس شخص آپؑ کی خدا نما عادات پر فدا تھا۔

حکم خداوندی کی تعمیل میں آپؑ نماز کو بروقت ادا کیا کرتے تھے چاہے کیسے ہی حالات پیش آویں۔ چنانچہ آپؑ پر مخالفین نے متعدد جھوٹے مقدمات کئے، یہ مقدمات خواہ کتنے پیچیدہ اہم اور آپ کی ذات یا خاندان کیلئے دوررس نتائج کے حامل ہوتے، آپ نماز کی ادائیگی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے۔ آپ نے ان مقدمات کے دوران میں کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہونے دی۔ عین کچہری میں نماز کا وقت آتا تو اس کمال محویت اور ذوق شوق سے مصروف نماز ہو جاتے کہ گویا آپ صرف نماز پڑھنے کیلئے آئے ہیں کوئی اور کام آپ کے مدنظر نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے عجز و نیاز کر رہے ہوتے اور مقدمہ میں طلبی ہو جاتی مگر آپ کے استغراق، توکل علی اللہ اور حضور قلب کا یہ عالم تھا کہ جب تک مولائے حقیقی کے آستانہ پر جی بھر کر الحاح و زاری نہ کر لیتے اسکے دربار سے واپسی کا خیال تک نہ لاتے۔ چنانچہ آپؑ خود فرماتے ہیں:

’’میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کیلئے گیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور مَیں نماز پڑھنے لگا۔ چپڑاسی نے آواز دی مگر میں نماز میں تھا فریق ثانی پیش ہو گیا اور اس نے یک طرفہ کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور بہت زور اس بات پر دیا۔ مگر عدالت نے پروا نہ کی اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا اور مجھے ڈگری دے دی۔ مَیں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا تو مجھے خیال تھا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب مَیں حاضر ہوا اور مَیں نے کہا کہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے کہا کہ مَیں تو آپ کو ڈگری دے چکا ہوں۔‘‘

عدالت سے غیر حاضری کے باوجود آپ کے حق میں فیصلہ ہو جانا ایک بھاری الٰہی نشان تھا جو آپ کے کمال درجہ انقطاع و ابتہال کے نتیجہ میں نمودار ہوا۔

(تاریخ احمدیت، جلد 1، صفحہ 77)

دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے عشق الٰہی کا ایک عجیب عالم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ سے اس بے پناہ محبت کی خاطر عین جوانی کے عالم میں جبکہ انسان کے دل میں دنیوی ترقی اور مادی آرام و آسائش کی خواہش اپنے کمال پر ہوتی ہے، اپنی نوکری کو ٹھکرا دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپؑ کے والد صاحب نے ایک سکھ زمیندار کے ذریعہ آپؑ کو کہلا بھیجا کہ آجکل ایسا بڑا افسر برسر اقتدار ہے جس کے ساتھ میرے خاص تعلقات ہیں اس لئے اگر تمہیں نوکری کی خواہش ہو تو میں اس افسر کو کہہ کر تمہیں اچھی ملازمت دلا سکتا ہوں۔ اس پر اس سکھ زمیندار نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؑ کے والد صاحب کا یہ پیغام پہنچایا اور تحریک کی کہ یہ ایک بہت عمدہ موقع ہے اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بلا توقف جواب میں فرمایا کہ والد صاحب سے عرض کر دو کہ مَیں ان کی محبت اور شفقت کا ممنون ہوں مگر ’’میری نوکری کی فکر نہ کریں مَیں نے جہاں نوکر ہونا تھا ہو چکا ہوں۔‘‘ (سیرۃ المہدی، جلد 1، حصہ اول، صفحہ 43) یہ سکھ زمیندار واپس آپؑ کے والد صاحب کی خدمت میں حیران و پریشان حاضر ہوا اور سارا معاملہ بیان کیا۔ اس پر آپؑ کے والد صاحب، جن کی طبیعت بڑی نکتہ شناس تھی کچھ دیر خاموش رہ کر فرمانے لگے کہ ’’اچھا غلام احمد نے یہ کہا ہے کہ میں نوکر ہو چکا ہوں! تو پھر خیر ہے اللہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔‘‘ اور اسکے بعد آپ علیہ السلام کے والد صاحب کبھی کبھی بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ’’سچا رستہ تو یہی ہے جو غلام احمد نے اختیار کیا ہے۔ ہم تو دنیاداری میں الجھ کر اپنی عمریں ضائع کر رہے ہیں۔‘‘

(سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم.اےؓ، صفحہ نمبر 3 تا 4)

آپؑ رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ عبادت کی خاطر آپ خلوت کو ہی پسند فرماتے تھے۔ ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک بڑے افسر رئیس نے آپؑ کے والد صاحب سے پوچھا کہ سنتا ہوں کہ آپ کا ایک چھوٹا لڑکا بھی ہے، مگر مَیں نے اُسے کبھی دیکھا نہیں۔ اس

پر آپؑ کے والد صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا ہاں میرا ایک چھوٹا لڑکا تو ہے مگر وہ تازہ شادی شدہ دلہنوں کی طرح کم ہی نظر آتا ہے اگر اسے دیکھنا ہو تو مسجد کے کسی گوشہ میں جا کر دیکھ لیں وہ تو مسیتڑ ہے اور اکثر مسجد میں ہی رہتا ہے اور دنیا کے کاموں میں اُسے کوئی دلچسپی نہیں۔

(سیرت المہدی، جلد 1، حصہ دوم، صفحہ 367)

آپ علیہ السلام کے والد صاحب شفقت پدری اور دُنیا کے ظاہری حالات کے ماتحت آپؑ کے بارے میں اکثر فکر مند رہتے تھے کہ میرے بعد اس بچے کا کیا ہوگا؟ لیکن اسلام کا خدا بڑا وفادار اور بڑا قدر شناس ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے اس نوکر کو جس نے اپنی جوانی میں اس کا دامن پکڑا تھا اس عظیم الشان الہام کے ذریعے تسلی دی کہ ''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ'' یعنی اَے میرے بندے تو کس فکر میں ہے؟ کیا خدا اپنے بندے کیلئے کافی نہیں۔

اس الہام کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ الہام اس شان اور جلال کے ساتھ نازل ہوا کہ میرے دل کی گہرائیوں میں ایک فولادی میخ کی طرح پیوست ہو کر بیٹھ گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں میری کفالت فرمائی کہ کوئی باپ یا کوئی رشتہ دار یا کوئی دوست کیا کرسکتا تھا؟ اور فرماتے تھے کہ اسکے بعد مجھ پر خدا کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ ناممکن ہے کہ مَیں انکا شمار کرسکوں۔ (روحانی خزائن، جلد 13، کتاب البریہ، صفحہ 194 مفہوماً)

پھر ایک جگہ آپ علیہ السلام انتہائی شکر کے جذبہ سے لبریز اپنے تئیں خدائی کفالت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ
وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن، جلد 5، صفحہ 596)

آپ علیہ السلام کے ان دلی جذبات کا اظہار آپ علیہ السلام کے ایک اور شعر سے ہوتا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا مَیں مثل طفل شیر خوار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے حقیقی خالق سے اس قدر محبت تھی کہ سوتے ہوئے بھی آپ کے لبوں پر سبحان اللہ کے الفاظ ہوتے تھے۔

(سیرت المہدی، جلد 1، حصہ اول، صفحہ 287)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے خالق حقیقی سے محبت اور غیرت پر ناز تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ سن 1904 میں جب آپؑ کو مولوی کرم دین والے مقدمہ میں یہ اطلاع ملی کہ ہندو مجسٹریٹ کی نیت ٹھیک نہیں اور وہ آپؑ کے قید کی داغ بیل ڈال رہا ہے تو آپ اس وقت ناسازی طبع کی وجہ سے لیٹے ہوئے تھے۔ یہ الفاظ سنتے ہی جوش کے ساتھ اُٹھ گئے اور بڑے جلال کے ساتھ فرمایا کہ وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے!

(سیرۃ المہدی، جلد 1، حصہ اول، صفحہ 86)

آپ علیہ السلام اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

جو خدا کا ہے اُسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اَے روبہٴ زار و نزار
سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اَے میرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

مخالفین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پریشان کرنے اور آپ کے مشن میں روک ڈالنے کی غرض سے مختلف قسم کی تکالیف آپ کو دیں جن میں فوجداری اور اقدام قتل کے مقدمات بھی شامل تھے، لیکن دیکھیں کہ آپ کو کس قدر اپنے پیارے اللہ تعالیٰ سے محبت کے نتیجہ میں یقین حاصل تھا کہ وہ آپ کو تمام مشکلات اور پریشانیوں سے باہر نکال لائے گا۔

1897ء کا واقعہ ہے کہ آپ علیہ السلام پر مخالفین نے مارٹن کلارک کے قتل کے منصوبہ کا الزام لگاتے ہوئے آپ پر فوجداری مقدمہ کر دیا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے منصوبوں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور قبل از وقت ہی آپ کو اس مقدمہ سے بریت کی خبر دے دی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ہم کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے خبر دیدی تھی اور ہم تو اسکی تائید اور نصرت کا انتظار ہی کر رہے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے آغاز پر ہم خوش ہیں اور اس کے انجام بخیر ہونے پر یقین رکھتے ہیں ہمارے دوستوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔''

(کتاب البریہ، طبع اوّل، صفحہ 237)

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا تب بھی آپ کی زبانِ مبارک سے جو کلمات نکلے وہ ''اللہ میرے پیارے اللہ'' ہی کے الفاظ تھے۔ (سلسلہ احمدیہ، جلد اول، صفحہ 177)

اور آپ اس قدر اطمینان کی کیفیت میں تھے جیسے ایک لمبے سفر کے بعد ایک مسافر اپنی منزل مقصود کو دیکھ لیتا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اگر کسی بات سے آپ کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو وہ تنہائی میں لکھے ہوئے نوٹ بُک کے ایک صفحے پر آپؑ کے وہ الفاظ ہیں جو آپ کی وفات کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے۔ اس نوٹ کا ہر ایک لفظ اس محبت کو جو آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کیلئے تھی کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔ یہ تنہائی کے ان لمحات میں لکھے ہوئے الفاظ ہیں کہ جب ایک بندہ اپنے رب کے ساتھ اکیلے میں باتیں کرتا ہے، جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اسکے اور اسکے رب کے ساتھ اور تیسرا کوئی نہیں تو وہ اپنے الفاظ میں اس طاقت کو تلاش کرتا ہے کہ ان میں اس محبت کو بیان کیا جا سکے جو اسکے دل کی گہرائیوں میں بستی ہے۔ اس کو یہ بھی علم ہوتا ہے کہ میرے دل کی حالت کو میرے رب سے زیادہ کون جانتا ہے؟ مگر پھر بھی وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ کسی طرح اس محبت کو الفاظ کی شکل دے کر خود بھی اپنی اس کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ ایسے ہی کسی وقت میں لکھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ پکار پکار کر بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے کس قدر عشق تھا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس نوٹ میں لکھا ہے کہ:

او میرے مولیٰ! میرے پیارے مالک! میرے محبوب! میرے معشوق خدا! دنیا کہتی ہے تُو کافر ہے۔ مگر کیا تجھ سے پیارا مجھے کوئی اور مل سکتا ہے؟ اگر ہو تو اسکی خاطر تجھے چھوڑ دوں۔ لیکن مَیں تو دیکھتا ہوں کہ جب لوگ دنیا سے غافل ہوجاتے ہیں۔ جب میرے دوستوں اور دشمنوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ میں کس حال میں ہوں اس وقت تو مجھے جگاتا ہے اور محبت سے پیار سے فرماتا ہے کہ غم نہ کھا۔ مَیں تیرے ساتھ ہوں۔ تو پھر اے میرے مولیٰ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس احسان کے ہوتے پھر میں تجھے چھوڑ دوں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

(انوار العلوم، جلد 1، صفحہ 375 تا 376)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں خدا کی محبت اتنی رچی ہوئی تھی اور اسکا اتنا غلبہ تھا کہ اسکے مقابل پر ہر دوسری محبت ہیچ تھی اور آپ علیہ السلام اس ارشاد نبوی ﷺ کا کامل نمونہ تھے کہ ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ'' (ابو داؤد، کتاب السنۃ) یعنی سچے مومن کی ہر محبت اور ہر ناراضگی خدا کی محبت اور خدا کی ناراضگی کے تابع اور اسی کے واسطے سے ہوتی ہے۔

آپ علیہ السلام کو اپنے خالق حقیقی سے جتنی محبت تھی اسی قدر خدا تعالیٰ نے بھی آپ علیہ السلام کو نوازا اور اس محبت کی قدر شناسی بھی فرمائی۔ اکثر اوقات خدا تعالیٰ آپ علیہ السلام سے ہمکلام ہوتا تھا اور آپؑ پر بارش کی طرح الہامات نازل فرماتا رہا۔ ان میں بے شمار الہامات ایسے ہیں جو پیشگوئیوں کا رنگ رکھتے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں الہامات کو اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ پیشگوئیاں اپنے وقت میں بڑی شان کے ساتھ پوری ہورہی ہیں۔ آپ کو اس بات پر بھی پختہ اور کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ آپؑ کو خدا تعالیٰ کے تمام وعدوں پر پورا یقین تھا اور آپ یہ ایمان رکھتے تھے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے خدا تعالیٰ کی بات نہیں ٹل سکتی۔ اس بات کا اپنے تو اپنے غیر بھی اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے ایک انگریزی اخبار ''پائنیر'' نے آپ کی وفات کے وقت آپ کے بارہ میں لکھا کہ:

''مرزا صاحب کو اپنے دعویٰ کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ان پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے اور یہ کہ ان کو ایک خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔''

(سیرت المہدی، جلد اول، صفحہ 255)

آپ علیہ السلام کے دل میں خدا تعالیٰ سے محبت کی آگ اس قدر موجزن تھی کہ اس کے مقابل پر دوسری تمام محبتیں ہیچ تھیں اور جوں جوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دُنیا سے اپنا منہ موڑا خدا تعالیٰ نے دونوں جہاں کی نعمتیں آپؑ کی جھولی میں ڈال دیں۔ مگر آپ کی نظر میں خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کے بالمقابل ہر دوسری نعمت ہیچ تھی۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی پیاری جماعت کو آپؑ کی توقعات کے مطابق حقیقی معنوں میں اپنے خالق و مالک سے تعلق جوڑنے والا بنائے۔ آمین۔

......☆......☆......☆......

انسانی زندگی کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے

(مشتاق احمد خان، مربی سلسلہ، استاذ جامعہ احمدیہ قادیان)

اللہ تعالیٰ جو تمام جہان کا رب ہے جب اس نے اس جہان کو پیدا کیا اس میں زمین و آسمان، پہاڑ و سمندر، جنگلات و صحراء، نباتات و جمادات اور حیوانات کو پیدا کر لیا تو پھر اس نے اپنی سب سے افضل مخلوق جسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے یعنی انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے اپنی شکل، صفات و خو پر پیدا کیا جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللہ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور پھر فرشتوں سے اسے سجدہ کروایا۔ پھر اس پر تمام جہان کے راز کھولے تا کہ وہ اس جہاں کی ہر شے سے بخوبی واقف ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب امتیازی سلوک اس کے ساتھ یوں ہی نہیں کیا۔ جب ہم اس پر غور کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے مقصد کو تلاش کرتے ہیں تو اس معاملے میں قرآن مجید میں ہمیں یہ آیت ملتی ہے ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ'' (الذاریات: 57) یعنی میں نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

عبادت مکمل اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے جس میں انتہا درجہ کا خضوع، تذلل اور عاجزی شامل ہو اور جس کا محرک اللہ کی عظمت و محبت ہو۔ اسکا دائرہ چند مخصوص اسلامی عبادتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی وسعت میں سموئے ہوئے ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کیسے بجا لائیں۔ عبادت کا حق کیسے ادا ہو تو آیئے ایک نظر قرآن کریم میں مذکور انبیاء پر ڈالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس رنگ میں عبادت کا حکم دیا تھا۔

سورۃ انبیاء آیت 26 میں سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور کوئی پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اسکی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔ سورۃ یٰسین آیت 61، 62 میں فرمایا کہ اے بنی آدم! کیا مَیں نے تمہیں تاکیدی ہدایت نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم میری عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

نیز سورۃ الاعراف آیت 60 میں اللہ تعالیٰ حضرت نوحؑ کے بارے میں فرماتا ہے ''یقیناً ہم نے نوح کو بھی اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ پس اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں یقیناً میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

سورۃ البقرہ آیت 134 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب پر موت آئی۔ جب اس نے اپنے بچوں سے پوچھا کہ وہ کیا ہے جس کی تم میرے بعد عبادت کرو گے۔ انہوں نے کہا ہم عبادت کرتے رہیں گے تیرے معبود کی اور تیرے اجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور اس پر ہم فرمانبردار رہیں گے۔

سورۃ الزمر آیت 3 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یقیناً ہم نے تیری طرف (اس) کتاب کو حق کے ساتھ اتارا ہے پس اللہ کی عبادت کر اسی کیلئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

غرض تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ عبادت سے فائدہ کیا ہے؟

کچھ تو کہتے ہیں یہ لغو فعل ہے۔ وقت کا ضیاع ہے اس سے خوشامد اور چاپلوسی کی عادت پڑتی ہے۔ حرص و لالچ بڑھتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ سب اعتراض لغو ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے دراصل فطرت انسانی سے بے خبر ہیں اور حقیقت سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ جب کوئی حسین چیز یا خوش نما منظر سامنے آئے تو بے اختیار اس کی تعریف کرنے، اس کے قریب جانے بلکہ بعض اوقات اس پر فدا ہونے کو دل چاہتا ہے۔ چاہے ہمیں اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ پس جب بے تعلقی کی صورت میں حسن کے متعلق انسانی فطرت کا یہ حال ہے تو جہاں حسن کامل اور احسان تام اور خالق اور مخلوق ہونے کا رشتہ تینوں جمع ہوں وہاں حمد و ثنا شکر و امتنان کیلئے کیوں دل بے اختیار نہ ہوگا اور کیوں اس پر فدا ہونے کو جی نہیں چاہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت یعنی محسن کی حمد و ثنا اور اس پر فدا ہو جانے کی خواہش انسان کی فطرت کا ایک حصہ اور اس کے ضمیر کی ایک آواز ہے وہ اسکے ارتقاء کی سیڑھی ہے جس سے وہ اپنے مقصود پیدائش تک پہنچتا ہے۔

سورۃ الذاریات کی آیت 57 کی روشنی میں انسان کی پیدائش کا اصلی مقصد بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جن و انس کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ دنیا میں آئیں اور کھا پی کر چلے جائیں اور نہ اس لئے پیدا کیا ہے کہ میں ان کا محتاج ہوں اور اگر انسان نہ ہوتا تو میری خدائی نہ ثابت ہوسکتی۔ میں قادر اور مالک نہ رہتا یا میں کمزور تھا اور مدد کیلئے انسان کو پیدا کیا ہے۔ یا میری شان و شوکت میں کچھ کمی تھی اس کو پورا کرنے کیلئے انسان کو بنایا ہے یا اپنے علم کی ترقی کیلئے بنایا ہے۔ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ان کے پیدا کرنے سے میرا یہ منشاء نہیں ہے کہ وہ مجھے رزق دیں گے اور کھانا کھلائیں گے میری اگر کوئی غرض ہے تو یہ ہے کہ لِيَعْبُدُوْنِ بندے خدا کے عابد ہو جائیں۔ میرا فضل چاہتا تھا کہ میں اسکو پوری شان سے ظاہر کروں۔ پس میں نے اپنے فضل کے اظہار کیلئے انسان کو منتخب کیا اور اپنے احسان کیلئے اسے چن لیا۔ میں نے چاہا کہ انسان میرے عبد بنیں۔ پس وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَیں نے نہیں پیدا کیا جن اور انس کو مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں۔ میں نے ان سے کچھ لینا نہیں۔ ان سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرنا۔ میری شان میں ان سے کوئی زیادتی نہیں ہوسکتی۔ میری حکومت میں کوئی اضافہ نہیں ہو جاتا۔ میری غرض ان کے پیدا کرنے سے صرف یہی ہے کہ میرے عبد اور فرمانبردار بن جائیں۔''

(انوار العلوم، جلد 4، صفحہ 494)

پھر حضرت مصلح موعودؓ انسان کو اپنی زندگی کی اصل غرض کو یاد رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی یہ غرض بیان کی ہے کہ اس کا عبد بنے۔ اور جس غرض کیلئے کوئی آتا ہے دانا وہی ہوتا ہے جو اس غرض کو پورا کرتا ہے۔ مثلاً ایک تاجر جو لاہور تجارت کا مال خریدنے کیلئے جاتا ہے وہ اگر ایک دو گھنٹے چڑیا گھر دیکھ کر اور ایک دو گھنٹے عجائب گھر دیکھ کر واپس آ جائے تو لوگ اسے یہی کہیں گے کہ بے وقوف ہے۔ کیونکہ جو غرض کسی کی ہوتی ہے اسے اگر وہ پورا نہ کرے تو وہ جاہل اور نادان ثابت ہوتا ہے۔'' (انوار العلوم، جلد 4، صفحہ 495)

عبادت میں بندہ کا اپنا فائدہ اور اس کی اپنی بھلائی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ (فاطر: 19) یعنی جو شخص گناہوں میں ملوث ہونے سے بچتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرتا ہے وہ اپنا ہی فائدہ کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں۔ پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا تعالیٰ کی پرستش اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور خدا تعالیٰ کیلئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو تو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائے گا۔ بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اس کو عنایت کئے اسی نے اسکی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے، خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور خدا تعالیٰ میں فانی ہو جانا ہی ہے۔'' (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن، جلد 10، صفحہ 414)

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ وہ اپنے خالق کی تلاش کرے۔ اسے پہچانے، اسکا قرب حاصل کرے۔ زیادہ سے زیادہ اسکے بارہ میں علم حاصل کرے۔ جس سے اسے دائمی فائدہ ہو۔ اور اس سے بچے جس سے اسے نقصان ہوسکتا ہے اور اس علم میں ترقی کرتا جائے جس سے دائمی فائدہ یعنی انعام حاصل ہوتا ہو۔ جو اس کا حق ہے۔ جو اس کی پیدائش کی علت غائی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''انسان کا فرض ہے کہ اس میں نیکی کی طلب صادق

ہو اور وہ اپنے مقصد زندگی کو سمجھے قرآن شریف میں انسان کی زندگی کا مقصد یہ بتایا گیا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:57) یعنی جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں جب انسان کی پیدائش کی علت غائی یہ ہے تو پھر چاہئے کہ خدا کو شناخت کریں۔ جب کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرے اور عبادت کے واسطے اوّل معرفت کا ہونا ضروری ہے۔ جب سچی معرفت ہو جاوے تب وہ اس کی خلاف مرضی کو ترک کرتا اور سچّا مسلمان ہو جاتا ہے جب تک سچّا علم پیدا نہ ہو کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھو جن چیزوں کے نقصان کو انسان یقینی سمجھتا ہے ان سے بچتا ہے مثلاً سم الفار ہے جانتا ہے کہ یہ زہر ہے اس لئے اس کو استعمال کرنے کیلئے جرأت اور دلیری نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ اسکا کھانا موت کے منہ میں جانا۔ ایسا ہی کسی زہریلے سانپ کے بل میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یا طاعون والے گھر میں نہیں ٹھہرتا۔ اگرچہ جانتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے منشاء سے ہوتا ہے۔ تاہم وہ ایسے مقامات میں جانے سے ڈرتا ہے اب سوال یہ ہے کہ پھر گناہ سے کیوں نہیں ڈرتا؟

انسان کے اندر بہت سے گناہ ایسی قسم کے ہیں کہ وہ معرفت کی خوردبین کے سوا نظر ہی نہیں آتے۔ جوں جوں معرفت بڑھتی جاتی ہے انسان گناہوں سے واقف ہو جاتا ہے بعض صغائر ایسی قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ انکو نہیں دیکھتا لیکن معرفت کی خوردبین ان کو دکھا دیتی ہے۔

غرض اول گناہ کا علم عطا ہوتا ہے پھر وہ خدا جس نے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال:8) (فرمایا ہے) اس کو عرفان بخشتا ہے تب وہ بندہ خدا کے خوف میں ترقی کرتا اور اس کی پاکیزگی کو پالیتا ہے جو اسکی پیدائش کا مقصد ہے۔ (ملفوظات، جلد 3، صفحہ 82 تا 83، مطبوعہ قادیان 2003)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”عبادت کے اصول کا خلاصہ اصل میں یہی ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح سے کھڑا کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یا یہ کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ہر قسم کی ملونی اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو جاوے اور اسی کی عظمت اور اسی کی ربوبیت کا خیال رکھے۔ ادعیہ ماثورہ اور دوسری دعائیں خدا تعالیٰ سے بہت مانگے اور بہت توبہ استغفار کرے اور بار بار اپنی کمزوری کا اظہار کرے تا کہ تزکیہ نفس ہو جاوے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہو جاوے اور اسی کی محبت میں محو ہو جاوے اور یہی ساری نماز کا خلاصہ ہے......نماز اصل میں ایک دعا ہے جو سکھائے ہوئے طریقہ سے مانگی جاتی ہے یعنی کبھی کھڑے ہونا پڑتا ہے کبھی جھکنا اور کبھی سجدہ کرنا پڑتا ہے اور جو اصلیت کو نہیں سمجھتا وہ پوست پر ہاتھ مارتا ہے۔ (ملفوظات، جلد 5، صفحہ 335، مطبوعہ قادیان 2003)

ہم اپنے مقصد حیات کو کیسے حاصل کریں اور کیسے شیطان کے حملوں سے بچیں اس تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کی کس رنگ میں تربیت کی اس بارے میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: ”ایک صحابی نے یوں بیان فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھلائی کہ اے اللہ! ہمارے دلوں میں محبت پیدا کر دے۔ ہماری اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا۔ اور ہمیں اندھیروں سے نجات دے کر نور کی طرف لے جا۔ اور ہمیں ظاہر اور باطن فواحش سے بچا۔ اور ہمارے لئے ہمارے کانوں میں، ہماری آنکھوں میں، ہماری بیویوں میں اور ہماری اولادوں میں برکت رکھ دے اور ہم پر رجوع برحمت ہو۔ یقیناً تُو ہی توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر کرنے والا اور ان کا ذکر خیر کرنے والا اور ان کو قبول کرنے والا بنا اور اے اللہ ہم پر نعمتیں مکمل فرما۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 20/مئی 2016ء بمقام مسجد گوٹن برگ، سویڈن)

اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو زندگی کا مقصد بتا کر ہمیں دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے سے ہرگز نہیں روکتا بلکہ دنیا کی تمام نعمتیں تو انسانوں کیلئے پیدا کی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ اس بات کی وضاحت اور اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میں یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا کے کاروبار چھوڑ دو۔ بیوی بچّوں سے الگ ہو کر کسی جنگل یا پہاڑ میں جا بیٹھو۔ اسلام اس کو جائز نہیں رکھتا اور رہبانیت اسلام کا منشاء نہیں۔ اسلام تو انسان کو چست اور ہوشیار اور مستعد بنانا چاہتا ہے، اس لیے میں تو کہتا ہوں کہ تم اپنے کاروبار کو جدوجہد سے کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس کے پاس زمین ہو اور وہ اسکا تردّد نہ کرے تو اس سے مواخذہ ہوگا۔ پس اگر کوئی اس سے یہ مراد لے کہ دنیا کے کاروبار سے الگ ہو جائے وہ غلطی کرتا ہے۔ نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کاروبار جو تم کرتے ہو اس میں دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہو اور اسکے ارادہ سے باہر نکل کر اپنی اغراض وجذبات کو مقدّم نہ کرو۔

پس اگر انسان کی زندگی کا یہ مدّعا ہو جائے کہ وہ صرف تنعّم کی زندگی بسر کرے اور اس کی ساری کامیابیوں کی انتہا خورد و نوش اور لباس وخواب ہی ہو اور خدا تعالیٰ کیلئے کوئی خانہ اسکے دل میں باقی نہ رہے، تو یاد رکھو کہ ایسا شخص فطرۃ اللہ کا مُقَلِّب ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے قویٰ کو بیکار کر لے گا۔ یہ صاف بات ہے کہ جس مطلب کیلئے کوئی چیز ہم لیتے ہیں اگر وہ وہی کام نہ دے، تو اُسے بیکار قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ایک لکڑی کُرسی یا میز بنانے کے واسطے لیں اور اس کام کے ناقابل ثابت ہو تو ہم اُسے ایندھن ہی بنا لیں گے۔ اسی طرح پر انسان کی پیدائش کی اصل غرض تو عبادت الٰہی ہے، لیکن اگر وہ اپنی فطرت کو خارجی اسباب اور بیرونی تعلقات سے تبدیل کر کے بیکار کر لیتا ہے، تو خدا تعالیٰ اسکی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان 78) میں نے ایک بار پہلے بھی بیان کیا تھا کہ میں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ ایک جنگل میں کھڑا ہوں۔ شرقاً غرباً اس میں ایک بڑی نالی چلی گئی ہے۔ اس نالی پر بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور ہر ایک قصاب کے جو ہر ایک بھیڑ پر مسلط ہے، ہاتھ میں چھری ہے۔ جو انہوں نے ان کی گردن پر رکھی ہوئی ہے اور آسمان کی طرف منہ کیا ہوا ہے میں ان کے پاس ٹہل رہا ہوں۔ میں نے یہ نظارہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ آسمانی حکم کے منتظر ہیں تو میں نے یہی آیت پڑھی قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: 78) یہ سنتے ہی اُن قصابوں نے فی الفور چھریاں چلا دیں اور یہ کہا کہ تم ہو کیا؟ آخر گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔

غرض خدا تعالیٰ متقی کی زندگی کی پروا کرتا ہے اور اس کی بقاء کو عزیز رکھتا ہے اور جو اس کی مرضی کے برخلاف چلے وُہ اسکی پروا نہیں کرتا اور اس کو جہنم میں ڈالتا ہے، اس لئے ہر ایک کو لازم ہے کہ اپنے نفس کو شیطان کی غلامی سے باہر کرے۔ جیسے کلوروفارم نیند لاتا ہے، اسی طرح پر شیطان انسان کو تباہ کرتا ہے اور اسے غفلت کی نیند سُلاتا ہے اور اسی میں اسکو ہلاک کر دیتا ہے۔ (ملفوظات، جلد 1، صفحہ 118 تا 119، مطبوعہ قادیان 2003)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جدید ٹیکنالوجی کے بے جا استعمال کو عبادت کی راہ میں حائل قرار دیا ہے۔ چنانچہ وقفِ نو کی ایک کلاس میں نصیحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا تو محبت بھی ہوگی۔ خدا تعالیٰ تو کہتا ہے کہ تم میری راہ میں ایک قدم آگے بڑھاتے ہو تو میں دو قدم آگے بڑھاتا ہوں اور جب میری طرف کوئی چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑے ہوئے جاتا ہوں۔

اگر دنیا کی خواہشات بڑھ جائیں، ٹی وی ڈراموں اور انٹرنیٹ پر اتنے مگن ہوں کہ نمازوں میں تاخیر ہو جائے تو پھر خدا کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس محبت کے حصول کیلئے اپنی خواہشات کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔“

(کلاس وقفِ نو 8/اکتوبر 2011ء بمقام مسجد بیت الرشید، جرمنی)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کو اپنے ظاہری اخلاق کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کے معیار بھی بڑھانے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ایک خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا: ”بعض لوگ ان مغربی ممالک میں آکر دنیاداری کے ماحول کے زیر اثر دنیا کے ماحول میں زیادہ ڈوب گئے ہیں اور زبانی تو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد کرتے ہیں لیکن حقیقت میں عمل اس سے مختلف ہیں۔ ہمارے احمدی یہاں کے لوگوں سے ملنے جلنے اور بہتر اخلاق غیروں کو دکھانے میں تو بہت بہتر ہیں۔ لیکن عبادت اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کے وہ معیار نہیں ہیں جو ایک احمدی کے ہونے چاہئیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21/اپریل 2017)

پھر حضور انور نے فرمایا: حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو ایک بڑی ضروری نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”آجکل زمانہ بہت خراب ہو رہا ہے۔ قسم قسم کا شرک، بدعت اور کئی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ بیعت کے وقت جو اقرار کیا جاتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا یہ اقرار خدا کے سامنے اقرار ہے......اب چاہئے کہ اس پر موت تک خوب قائم رہے ورنہ سمجھو کہ بیعت نہیں کی اور اگر قائم ہو گے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں برکت دے گا۔“

باقی صفحہ نمبر 42 پر ملاحظہ فرمائیں

ہستی باری تعالیٰ قبولیت دُعا کے آئینہ میں

(سید کلیم الدین احمد، قاضی سلسلہ احمدیہ مرکزیہ قادیان)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (سورة بقرہ: 187) ترجمہ: اور (اے رسول) جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو (تو جواب دے کہ) مَیں (ان کے) پاس (ہی) ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھے پکارے تو مَیں اسکی دعا قبول کرتا ہوں۔ سو چاہئے کہ وہ (دعا کرنے والے بھی) میرے حکم کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ ہدایت پائیں۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مجیب ہے جس کے تحت وہ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور قبولیت دعا کے ذریعہ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ ایک طرف جہاں خدا تعالیٰ مجبوروں، لاچاروں، بےکسوں کی دعاؤں کو سن کر اُن کی حاجت روائی کرتا ہے تو دوسری طرف اپنے فیضان خاص کے ذریعہ مامورین کو قبولیت دعا کا اعجاز بخشتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔

خاکسار ہستی باری تعالیٰ کے اس مضمون کو ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء عظام کی قبولیت دعا کے نہایت ایمان افروز اور عظیم الشان واقعات کے ذریعہ پیش کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے طفیل اپنی والدہ کے قبول اسلام کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور مَیں انہیں دعوت اسلام دیا کرتا تھا۔ جب ایک دن میں نے انہیں پیغام حق پہنچایا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں بعض ایسی باتیں کہیں جو مجھے ناگوار گزریں تو مَیں روتا ہوا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مَیں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا اور وہ انکار کر دیتی تھیں اور آج جب مَیں نے انہیں یہ دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کے بارہ میں مجھے ایسی باتیں سنائیں جو مجھے ناپسند ہیں۔ آپ دعا کریں کہ اللہ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ کہ اے اللہ تو ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت دیدے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں آپؐ کی اس دعا کی وجہ سے خوش خوش گھر کیلئے نکلا اور جب گھر کے دروازہ کے پاس پہنچا تو وہ بند تھا اور میری والدہ نے میرے قدموں کی آہٹ سُن کر کہا کہ اے ابوہریرہ! وہیں ٹھہرو۔ اس اثنا میں مَیں نے پانی گرنے کی آواز سُنی۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے غسل کیا، کپڑے بدلے اور دوپٹہ اوڑھ کر دروازہ کھولا اور کہا اے ابوہریرہ! اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خوشی سے روتے ہوئے حاضر ہوا اور عرض کی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سُن لی ہے اور ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے دی ہے۔ اس پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا: اچھا ہوا ہے۔ تب مَیں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! آپؐ اللہ سے یہ دعا بھی کریں کہ وہ مجھے اور میری والدہ کو مؤمنین کا محبوب بنا دے اور وہ ہمیں محبوب ہوں۔ تب آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! تو اپنے اس بندہ ابوہریرہؓ اور اسکی ماں کو مومنوں کا اور مومنین کو ان کا محبوب بنا دے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جس مومن نے مجھے دیکھا بھی نہیں بس میرے بارے میں سنا ہے وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہؓ، باب من فضائل ابی ہریرہؓ)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ”ایک دفعہ ایک شخص مسجد نبوی کے منبر کے پاس والے دروازے سے داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس شخص نے حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہا یا رسول اللہؐ! مویشی مر رہے ہیں، راستہ مخدوش ہے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ اس پر حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت آسمان پر کوئی بادل یا بادل کا ٹکڑا نظر نہیں آ رہا تھا کہ اچانک سَلْعَ پہاڑی کے پیچھے سے ایک بدلی نمودار ہوئی جو آسمان کے وسط میں آ کر پھیل گئی اور بارش برسانے لگی۔ پھر مسلسل چھ دن تک سورج نہیں دیکھا۔ پھر وہی شخص اگلے جمعہ حاضر ہوا اور بارش رکوانے کی درخواست کی جس پر حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کا دعا کرنا تھا کہ بارش ختم ہوگئی اور جب جمعہ پڑھ کر نکلے تو دھوپ نکلی ہوئی تھی۔“ (بخاری، کتاب الجمعہ، باب الاستسقاء فی المسجد الجامع)

سبحان اللہ کیا یہ قبولیت دعا کا عظیم الشان معجزہ ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے۔ لیکن عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اب خاکسار حضرت اقدس مسیح موعود امام الزمان علیہ السلام کی قبولیت دعا کے ایک دو واقعات بیان کرے گا جن کو پڑھ کر دل عش عش کر اٹھتا ہے۔ حضرت حکیم فضل دین صاحب جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے بھتیجے اور داماد تھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیت دعا کا ایک عجیب اور نادر واقعہ بیان کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: 1907ء میں میرا دوسرا لڑکا عبدالحفیظ تولّد ہوا۔ سردی کے ایام تھے اور ان دنوں میں بہت زچہ عورتیں تشنج کی مرض سے مر رہی تھیں۔ زچہ کیلئے یہ مرض بہت خطرناک ہوتی ہے۔ سینکڑوں میں سے کوئی ایک بچتی ہوگی۔ میری بیوی حفصہ (بنت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) کو بچہ تولد ہونے کے ساتویں دن مغرب کے قریب اس کے آثار معلوم ہوئے۔ چونکہ ان دنوں میں یہ وبا تھی اس لئے اسکی طرف بہت توجہ ہوگئی۔ مَیں مغرب کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں دوڑا گیا اور اُن سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا یہ تو بڑی خطرناک مرض کا پیش خیمہ ہے۔ تم فوراً اسکو دس رتی ہینگ دے دو اور گھنٹہ ڈیڑھ کے بعد مجھے اطلاع دو۔ مَیں عشاء کے بعد پھر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مرض میں ترقی ہوگئی ہے۔ فرمایا دس رتی مشک دے دو اور ایک گھنٹہ کے بعد پھر مجھے اطلاع دو اور یہ نہ سمجھنا کہ میں سو گیا ہوں۔ بے تکلف مردانہ سیڑھیوں سے آواز دو۔ مَیں نے عرض کیا اس وقت مشک کہاں سے لاؤں۔ حضور ایک مٹھی بھر کر مشک کی لے آئے اور فرمایا یہ دس رتی ہوگی۔ مَیں نے عرض کیا حضور یہ زیادہ ہے۔ فرمایا لے جاؤ پھر کام آوے گا۔ مَیں نے وہ لے لی اور دس رتی مریضہ کو دے دی۔ ایک گھنٹہ بعد پھر گیا اور عرض کیا کہ مرض میں بہت اضافہ ہوگیا۔ فرمایا دس تولہ کسٹر آئل دے دو۔ مَیں نے آ کر دس تولہ کسٹر آئل دے دیا۔ اس کے بعد اس کو سخت قے ہوئی اور قے اس مرض میں آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ قے کے بعد اس کا سانس اکھڑ گیا، گردن پیچھے کو کھچ گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا آ گیا اور زبان بند ہوگئی۔ مَیں پھر بھاگ کر سیڑھیوں پر چڑھا۔ حضور نے میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا اور فرمایا کیوں خیر ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ اب تو حالت بہت نازک ہوگئی ہے، سانس اکھڑ گیا ہے، گردن کھچ گئی ہے، آنکھوں میں روشنی نہیں، زبان بند ہوگئی۔ فرمایا دنیا کے جتنے ہتھیار تھے وہ تو ہم نے چلا لئے۔ اب ایک ہتھیار باقی ہے اور وہ دعا ہے۔ تم جاؤ، مَیں دعا سے اُس وقت سر اٹھاؤں گا جب اسے صحت ہوگی۔ مَیں یہ سُن کر واپس لوٹ آیا اور اسے کہا اب تجھے کیا فکر ہے۔ اب تو ٹھیکیدار نے خود ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اس وقت رات کے دو بج چکے تھے۔ میں گھر آیا اور مریضہ کو اس حالت میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چارپائی لے کر سو رہا۔ صبح کو کسی برتن کی آہٹ سے میری آنکھ کھلی جب مَیں نے دیکھا تو میری پائنتی کی طرف میری بیوی کچھ برتن درست کر رہی تھی۔ مَیں نے پوچھا کیا حال ہے۔ کہا آپ تو سو رہے ہے اور مجھے دو گھنٹہ کے بعد اللہ نے فضل کر دیا۔ الحمد للہ رب العلمین۔ (سیرت احمد، مرتبہ قدرت اللہ سنوری صاحب، صفحہ 170 تا 172)

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف حقیقۃ الوحی میں قبولیت دعا کے ایک عظیم الشان واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”عبد الکریم نام ولد عبد الرحمن ساکن حیدرآباد دکھن ہمارے مدرسہ میں ایک لڑکا طالب العلم ہے قضاء قدر سے اس کو سگِ دیوانہ کاٹ گیا۔ ہم نے اُس کو معالجہ کیلئے کسولی بھیج دیا۔ چند روز تک اس کا کسولی میں علاج ہوتا رہا پھر وہ قادیان میں واپس آیا۔ تھوڑے دن

گزرنے کے بعد اُس میں وہ آثار دیوانگی کے ظاہر ہوئے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے کے بعد ظاہر ہوا کرتے ہیں اور پانی سے ڈرنے لگا اور خوفناک حالت پیدا ہوگئی تب اس غریب الوطن عاجز کیلئے میرا دل سخت بیقرار ہوا اور دعا کیلئے ایک خاص توجہ پیدا ہوگئی۔ ہر ایک شخص سمجھتا تھا کہ وہ غریب چند گھنٹہ کے بعد مر جائے گا ناچار اس کو بورڈنگ سے باہر نکال کر ایک الگ مکان میں دوسروں سے علیحدہ ہر ایک احتیاط سے رکھا گیا اور کسولی کے انگریز ڈاکٹروں کی طرف تار بھیج دی اور پوچھا گیا کہ اس حالت میں اُس کا کوئی علاج بھی ہے اُس طرف سے بذریعہ تار جواب آیا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں مگر اس غریب اور بے وطن لڑکے کیلئے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہو گئی اور میرے دوستوں نے بھی اس کیلئے دعا کرنے کیلئے بہت ہی اصرار کیا کیونکہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابل رحم تھا اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ مر گیا تو ایک بُرے رنگ میں اُس کی موت شماتتِ اعداء کا موجب ہوگی تب میرا دل اُس کیلئے سخت درد اور بیقراری میں مبتلا ہوا اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی جو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور اگر پیدا ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے اذن سے وہ اثر دکھاتی ہے کہ قریب ہے کہ اُس سے مُردہ زندہ ہو جائے غرض اس کیلئے اقبال علی اللہ کی حالت میسر آ گئی اور جب وہ توجہ انتہا تک پہنچ گئی اور درد نے اپنا پورا تسلّط میرے دل پر کر لیا تب اس بیمار پر جو درحقیقت مُردہ تھا اس توجہ کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور یا تو وہ پانی سے ڈرتا اور روشنی سے بھاگتا تھا اور یا یکدفعہ طبیعت نے صحت کی طرف رُخ کیا اور اس نے کہا کہ اب مجھے پانی سے ڈر نہیں آتا۔ تب اس کو پانی دیا گیا تو اُس نے بغیر کسی خوف کے پی لیا بلکہ پانی سے وضو کر کے نماز بھی پڑھ لی اور تمام رات سوتا رہا اور خوفناک اور وحشیانہ حالت جاتی رہی یہاں تک کہ چند روز تک بکلی صحت یاب ہو گیا۔ میرے دل میں فی الفور ڈالا گیا کہ یہ دیوانگی کی حالت جو اس میں پیدا ہوگئی تھی یہ اس لئے نہیں تھی کہ وہ دیوانگی اس کو ہلاک کرے بلکہ اس لئے تھی کہ تا خدا کا نشان ظاہر ہو۔‘‘ (روحانی خزائن، جلد 22، حقیقۃ الوحی، صفحہ 480 تا 481)

اب خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی قبولیت دعا کے واقعات میں سے ایک دو واقعات پیش کرے گا۔

محترم چودھری غلام محمد صاحب بی اے کا بیان ہے کہ 1909ء کے موسم برسات میں ایک دفعہ لگاتار آٹھ روز بارش ہوتی رہی جس سے قادیان کے بہت سے مکانات گر گئے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے قادیان سے باہر نئی کوٹھی تعمیر کی تھی وہ بھی گر گئی۔ آٹھویں یا نویں دن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ نے ظہر کی نماز کے بعد فرمایا کہ مَیں دعا کرتا ہوں آپ سب لوگ آمین کہیں۔ دعا کرنے کے بعد آپؓ نے فرمایا کہ مَیں نے آج وہ دعا کی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ کی تھی۔ دعا کے وقت بارش بہت زور سے ہو رہی تھی۔ اسکے بعد بارش بند ہو گئی اور عصر کی نماز کے وقت آسمان بالکل صاف تھا اور دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

(حیات نور، صفحہ 440 تا 441)

اسی طرح ’’حیات نور‘‘ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کی قبولیت دعا کا ایک بہت ہی ایمان افروز واقعہ یوں درج ہے کہ:

یہ نظم جسکے متعلق حضورؓ نے فرمایا کہ اس نے میرے دردمند دل پر بہت اثر کیا، مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی تھی جو ان دنوں اخبار کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ اس نظم کا پہلا شعر یہ تھا کہ

عارضی رنگِ بقا تھا مجھے معلوم نہ تھا
سرمۂ چشم فنا تھا مجھے معلوم نہ تھا

مکرم قاضی صاحب اسی سلسلہ میں حضور کی قبولیت دعا کا ایک عجیب واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: ’’مَیں دفتر ’بدر‘ میں حسب معمول ایک دن چارپائی پر لیٹے ہوئے بستر کو تکیہ بنائے اور آگے میز رکھے دفتر ایڈیٹر و مینیجر کا فرض بجالا رہا تھا جو مجھے حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی ایک چٹ ملی جس پر مرقوم تھا ’’مَیں نے آپ کیلئے بہت دعا کی ہے اللہ تعالیٰ نعم البدل دے گا۔ ولم اکن بدعائك رب شقیا‘‘ مَیں کچھ حیرت زدہ ہوا کیونکہ یہ تو درست بات تھی کہ میرے دو لڑکے یکے بعد دیگرے چالیس دن کے اندر گولیکی (ضلع گجرات) میں فوت ہو چکے تھے۔ جمشید سات اکتوبر 1908ء کو بعمر ساڑھے نو ماہ اور خورشید پلوٹھا گیارہ نومبر 1908ء کو بعمر 5 سال 8 ماہ۔ مگر مَیں نے حضور کی خدمت میں دعا کی کوئی تحریک نہیں کی تھی۔ آخر معلوم ہوا کہ میری یہ نظم والدۂ عبدالسلام مرحوم حضرت اماں جی نے گھر میں ترنم سے پڑھی۔ حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ آنکھیں بند کئے لیٹے ہوئے تھے جو ناگاہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: الحمد للہ مجھے تو معلوم تھا۔

اماں جی نے بتایا کہ یہ نظم اکمل صاحب کی ہے جو آپ کی شاگرد سکینۃ النساء کے شوہر ہیں۔ بیچاروں کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل ؓ پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ حضور کی توجہ فوراً دعا کی طرف پھر گئی اور اسکے بعد حضور نے مجھے وہ رقعہ لکھا جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

اسکے بعد 1910ء میں میرے ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے لڑکا تولّد ہوا۔ جسکا نام آپ نے عبد الرحمن رکھا (جنید ہاشمی بی.اے) اور پونے تین سال بعد 13ء میں دوسرا لڑکا تولّد ہوا جسکا نام آپ نے عبدالرحیم رکھا (شبلی ایم کام) اور اس طرح آپ کی دعا کی قبولیت کا ہم نے نظارہ دیکھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔‘‘

(حیات نور، صفحہ 431 تا 432)

اب خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے قبولیت دعا کے واقعات پیش کرتا ہے۔

مکرم سیٹھ عبداللہ بھائی الہ دین صاحب لکھتے ہیں: 1918ء میں مَیں نے اپنے لڑکے علی محمد صاحب اور سیٹھ الہ دین ابراہیم بھائی نے اپنے لڑکے فاضل بھائی کو تعلیم کیلئے قادیان روانہ کیا۔ علی محمد نے 1920ء میں میٹرک پاس کر لیا ان کو لندن جانا تھا۔ دونوں لڑکے مکان میں واپس آنے کی تیاری کر رہے تھے کہ یکا یک فاضل بھائی کو Typhoid بخار ہو گیا۔ نور ہاسپیٹل کے معزز ڈاکٹر جناب حشمت اللہ صاحب نے جو کچھ ان سے ہو سکا سب کچھ کیا طبیعت درست بھی ہوگئی مگر بد پرہیزی کے سبب پھر ایسی بگڑی کہ زندگی کی کوئی اُمید نہ رہی۔ جب یہ خبر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کو پہنچی تو حضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ خود بورڈنگ میں تشریف لائے اور بہت دیر تک دعا فرمائی۔ اسکے بعد طبیعت معجزانہ طور پر سدھرنے لگی اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے فاضل بھائی کو نئی زندگی حاصل ہوگئی۔ یقیناً حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ موت نہیں ٹلتی مگر دعا سے۔ یہ حقیقت ہم نے صاف طور پر اپنی نظر سے دیکھ لی۔ الحمد للہ۔

(الحکم دسمبر 1939، جوبلی نمبر، صفحہ 37)

اسی طرح مکرم ملک حبیب اللہ صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز حضرت مصلح موعودؓ کی قبولیت دعا کے بارے میں لکھتے ہیں: ’’شجاع آباد کے قیام کے دوران مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ جس نے مجھے بالکل نڈھال اور مردہ کی مانند کر دیا۔ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد پیٹ میں اتنا شدید درد اٹھتا کہ مَیں بے ہوش ہو جاتا۔ تقریباً دو سال مَیں نے ہر قسم کے علاج کئے لیکن حالت خراب ہی ہوتی گئی۔ آخر تنگ آ کر مَیں نے امرتسر کے سرکاری ہسپتال میں داخلہ لے لیا۔ وہاں ٹیسٹ ہوئے اور یہ فیصلہ ہوا کہ میرے پِتہ اور اپینڈیکس ہر دو کا اَپریشن ہو گا۔ اس سے مجھے گھبراہٹ پیدا ہوئی اور مَیں ایک دن بلا اجازت ہسپتال سے چلا گیا اور قادیان پہنچا اور حضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام ماجرا عرض کیا۔ حضورؓ نے توجہ سے سُن کر فرمایا کہ آپ کو اپنڈے سائٹس قطعاً نہیں ہاں پِتہّ میں نقص ہے آپ علاج کروائیں مَیں دعا کروں گا ان شاء اللہ آرام آ جائے گا۔ اس کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ مَیں تندرست ہو جاؤں گا۔ چنانچہ مَیں اپنی ملازمت پر واپس چلا آیا اور ملتان کے ایک حکیم صاحب سے معمولی ادویات لے کر استعمال کرنا شروع کیں۔ تین چار ماہ کے بعد بیماری کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ حالانکہ اس سے قبل تقریباً دو سال یونانی اور انگریزی ادویات استعمال کر چکا تھا۔ پس یہ صرف حضورؓ کی دعا کا معجزانہ اثر تھا جس نے میرے جیسے مردہ کی مانند مریض کو شفایاب کر دیا۔ اسکے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے آج تک مجھے پیٹ کی تکلیف نہیں ہوئی۔ حالانکہ غذا کے معاملہ میں سخت بد پرہیزی کرتا ہوں۔‘‘

(روزنامہ الفضل 20/مارچ 1966ء، صفحہ 5)

الفضل انٹرنیشنل فروری 1998 میں مکرم محمد احمد ملک صاحب اپنے ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ ’’ایک دفعہ ڈھاکہ کے ایک دوست فیض عالم صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی خدمت میں دعائیہ خط لکھا اور عرض کی کہ انکی اہلیہ لاعلاج نسوانی مرض میں مبتلا ہے باوجود علاج کروانے کے مرض بڑھتا ہی جا رہا ہے حتیٰ کہ زندگی سے بھی مایوس ہو گئی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے خدا کے حضور دعا کی اور جواب دیا کہ ’’اچھی ہو جائے گی‘‘ اس دوران انکی اہلیہ نے خواب میں حضرت مصلح موعودؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ’’دعا کو دوا کے طور پر استعمال کرتی جاؤ‘‘ چنانچہ باوجود لاعلاج مرض کے شفا بھی ہوئی اور اولاد بھی۔‘‘

(الفضل انٹرنیشنل 20/فروری 1998)

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو! زور دعا دیکھو تو

جب ہم حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور میں آتے ہیں تو آپؒ کی قبولیت دعا کے بھی حیرت انگیز نمونے دیکھتے ہیں۔

مکرم میاں محمد اسلم پتو کی لکھتے ہیں کہ خاکسار 11 نومبر 1963ء کو احمدی ہوا اور 9 اپریل 1965ء کو خاکسار کی شادی ہوئی۔ بارہ سال تک خاکسار کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تمام رشتہ دار غیر احمدی تھے اور مخالفت کرتے تھے۔ تمام گاؤں والے بھی یہی کہتے کہ چونکہ یہ قادیانی ہو گیا ہے لہٰذا یہ ابتر رہے گا (نعوذ باللہ) خاکسار نے اس تمام عرصہ میں ہر قسم کا علاج کروایا لیکن اولاد نہ ہوئی۔ دوسری طرف میری بیوی بھی رشتہ داروں کے طعنے سن کر میری دوسری شادی کرنے پر رضا مند ہو گئی۔ اس اثنا میں خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں تمام حالات لکھ کر درخواست دعا کی کہ خدا تعالیٰ اولاد سے نوازے۔ حضورؒ نے خط کے جواب میں فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا اور ضرور نرینہ اولاد سے نوازے گا''، حضور کی اس دعا کی برکت سے اب میرے چار لڑکے ہیں۔ تمام لوگ حیران ہیں کہ یہ اولاد کس طرح ہو گئی حالانکہ لیڈی ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ اس عورت سے اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خاکسار اسکے جواب میں اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کو یہی کہتا ہے کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا زندہ نشان ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی دعا کی برکت سے دیا۔ (ماہنامہ خالد، سیدنا ناصر نمبر، اپریل۔مئی 1983ء، صفحہ 292 تا 293)

محترم چوہدری محمد سعید کلیم صاحب دارالعلوم غربی ربوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی قبولیت دعا کا ایک واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ ''میری بہو جو آج کل جرمنی میں ہے اس کو پیٹ میں درد ہوتا تھا چنانچہ وہاں کے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپریشن کراؤ۔ میں نے یہ خط حضور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ میری بہو بغیر آپریشن کے ٹھیک ہو جائے تو آپؒ نے فرمایا ''اس کو لکھ دو کہ آپریشن نہ کرائے میں دعا کروں گا، وہ ٹھیک ہو جائے گی'' چنانچہ میں نے حضورؒ کے الفاظ اس کو لکھ دیئے اور وہ بغیر آپریشن کے ٹھیک ہو گئی اور اب تک ٹھیک ہے، الحمد للہ'' (ماہنامہ خالد، سیدنا ناصر نمبر، اپریل۔مئی 1983ء، صفحہ 291)

پھر خلافت رابعہ کے دور میں بھی قبولیت دعا کے عجیب نظارے نظر آتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبولیت دعا کے واقعات میں سے ایک دو ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

''ڈاکٹر سید برکات احمد صاحب نے انڈین فارن سروس میں رہتے ہوئے کئی کتابیں لکھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی کتاب ''مذہب کے نام پر خون'' کا انگریزی ترجمہ کیا۔ آپ مثانہ کے کینسر سے بیمار تھے جس کا امریکہ میں آٹھ گھنٹے کا ناکام آپریشن ہوا۔ ڈاکٹروں نے چار سے چھ ہفتے کی زندگی بتائی۔ حضور انور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی تو جواب آیا: دعا کی تحریک پر مشتمل آپ کے پرسوز وگداز خط نے خوب ہی اثر دکھایا اور آپ کیلئے نہایت عاجزانہ فقیرانہ دعا کی توفیق ملی اور ایک وقت اس دعا کے دوران ایسا آیا کہ میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، میں رحمت باری سے اُمید لگائے بیٹھا ہوں کہ یہ قبولیت کا نشان تھا۔ چنانچہ حضور کی دعا کی قبولیت کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے انہوں نے چار سال تک فعال علمی اور تحقیقی زندگی گزاری۔ ڈاکٹر ان کی زندگی اور فعال عملی اور تحقیقی زندگی پر حیرت زدہ تھے اور برکات صاحب بتاتے کہ ہمارے روحانی پیشوا کی دعا خدا تعالیٰ نے سنی تو ڈاکٹر سر ہلا کر کہتے، ہاں معجزہ ہے، معجزہ ہے۔'' (الفضل 9 دسمبر 2000ء بحوالہ روزنامہ الفضل سیدنا طاہر نمبر، 27 دسمبر 2003ء صفحہ 53)

اسی طرح ایک اور ایمان افروز واقعہ یوں ہے ''ایران سے ڈاکٹر فاطمہ زہرہ لکھتی ہیں کہ میرا اکلوتا بیٹا دائیں ٹانگ کی کمزوری کی وجہ سے بیمار ہوا اور دن بدن حالت بگڑنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ لنگڑا کے چلنے لگا اور ماہر امراض کو دکھایا گیا لیکن کوئی تشخیص نہ ہو سکی اور انہوں نے اسکی صحت سے متعلق مایوسی کا اظہار کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے اچانک دعا کا خیال آیا اور اس خیال کے ساتھ میں نے خود بھی دعا کی اور آپ کو بھی دعا کیلئے خط لکھا اور اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ مریض جسے ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا اسی دن سے روبہ صحت ہونے لگا اور باوجود اس کے کہ ڈاکٹروں کو اس کی بیماری کی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی اس لئے علاج سے بھی معذور تھے، بغیر علاج کے اس دن سے دیکھتے دیکھتے اس کی حالت بدلنے لگی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب وقت تحریر وہ بالکل صحیح ہے۔''

(خطبات طاہر، جلد 5، صفحہ 526، خطبہ جمعہ 25 جولائی 1986)

اب خاکسار ہمارے موجودہ امام سیدنا حضرت اقدس مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قبولیت دعا کے واقعات پیش کرے گا جو کہ دور حاضر میں عالمگیر جماعت احمدیہ کے افراد خود مشاہدہ کر رہے ہیں۔

جلسہ سالانہ جرمنی 2015 میں بلغاریہ کے ایک مخلص نواحمدی دوست Etem صاحب اپنی فیملی کے ہمراہ شامل ہوئے۔ موصوف نے چند سال قبل عیسائیت سے اسلام قبول کیا تھا لیکن ان کی بیوی نے بیعت نہیں کی تھی۔ انکی اہلیہ کا کہنا تھا کہ میری تین بیٹیاں ہیں اگر مجھے بیٹا مل جائے تو میں بھی احمدی ہو جاؤں گی۔ موصوفہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں دعا کیلئے لکھا۔ اگلے سال جب وہ دوبارہ جلسہ میں آئیں تو سات ماہ کی حاملہ تھیں۔ ملاقات کے دوران انہوں نے بچے کیلئے نام رکھنے کی درخواست کی تو حضور نے صرف لڑکے کا نام ''جاہد'' تجویز فرمایا۔

جلسہ سے واپس جا کر موصوفہ نے مبلغ سے کہا کہ ڈاکٹرز نے بتایا ہے کہ لڑکی ہے اس لئے حضور کی خدمت میں دوبارہ درخواست کریں کہ لڑکی کا نام تجویز فرمائیں۔ اس پر مبلغ صاحب نے کہا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ اگر بیٹا ہوا تو احمدی ہو جاؤں گی اور حضور نے بھی صرف بیٹے کا نام تجویز فرمایا ہے۔ اس لئے انشاء اللہ بیٹا ہی ہوگا۔ ڈاکٹر جو چاہیں کہیں، ان کی مشینیں جو چاہیں ظاہر کریں لیکن اب آپ کا بیٹا ہی ہوگا کیونکہ خلیفۃ المسیح نے بیٹے کا نام رکھا ہے۔ یہ سُن کر کہنے لگیں کہ میں تو پہلے ہی احمدی ہو چکی ہوں۔ چنانچہ بچہ کی پیدائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹے سے ہی نوازا۔ وہ جلسہ کے موقع پر اس بیٹے کو ساتھ لے کر آئیں تھیں اور لوگوں کو بتا رہی تھیں کہ دیکھو یہ خلیفہ وقت کی دعاؤں کی قبولیت کا نشان ہے۔''

(الفضل انٹرنیشنل 25 ستمبر 2015ء صفحہ 15)

اسی طرح حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قبولیت دعا کا ایک اور ایمان افروز اور نہایت ہی دلچسپ واقعہ پڑھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے: 2004ء میں افریقہ کے دورہ کے دوران جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نائیجیریا سے بینن پہنچے اور مشن ہاؤس آمد ہوئی تو عصر کا وقت تھا۔ شدید موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ نماز کیلئے صحن میں مارکی لگائی گئی تھی جو چاروں طرف سے کھلی تھی اور بارش کی وجہ سے وہاں نماز پڑھنا محال تھا بلکہ کھڑا ہونا بھی مشکل تھا۔ حضور باہر تشریف لائے اور نماز کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ امیر صاحب نے عرض کیا کہ اس وقت تو شدید بارش ہے اور نماز کیلئے باہر مارکی لگائی ہوئی ہے لیکن بارش کی وجہ سے مشکل ہو رہی ہے۔ حضور انور نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا'' دس منٹ بعد نماز پڑھیں گے''اس کے بعد حضور انور اندر تشریف لے گئے۔ ابھی دو تین منٹ ہی گزرے تھے کہ یکدم بارش تھم گئی۔ آسمان صاف ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دھوپ نکل آئی اور اسی مارکی کے نیچے نماز کا انتظام ہو گیا۔ مقامی احباب اس نشان پر بہت حیران ہوئے کہ یہاں بارش شروع ہو جائے تو کئی کئی گھنٹے جاری رہتی ہے۔ حضور نے دس منٹ کہا تو یہ تین منٹ میں ہی ختم ہو گئی اور نہ صرف ختم ہو گئی بلکہ بادل بھی غائب ہو گئے۔

(الفضل انٹرنیشنل 25 ستمبر 2015ء، صفحہ 14)

چند واقعات خاکسار نے بطور نمونہ پیش کئے ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی قبولیت دعا کی صفت کا بخوبی علم اور یقین ہوتا ہے اور اسکی ہستی پر ایمان کامل بھی۔ خدا تعالیٰ قبولیت دعا کا یہ نظارہ ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر جگہ ظاہر فرماتا رہا ہے اور آئندہ بھی ظاہر فرماتا رہے گا۔ جیسا کہ اس کا وعدہ ہے اور یہ اس زندہ خدا کی ہستی کا عظیم الشان ثبوت ہے۔ جو اسلام نے پیش کیا ہے اور جسے بفضلہ تعالیٰ جماعت احمدیہ ایک صدی سے زائد عرصہ ہوا دنیا کے سامنے پیش کرتی چلی آرہی ہے کہ ہمارا خدا دعاؤں کو سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے اور اسکے شیریں ثمرات عطا فرماتا ہے۔

آخر پر خاکسار حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اقتباس پیش کر کے اپنے اس مضمون کو ختم کرے گا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں سچ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری چلاہٹ ایسی ہی اضطراری ہو تو وہ اس کے فضل اور رحمت کو جوش دلاتی ہے اور اس کو کھینچ لاتی ہے اور میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا کے فضل اور رحمت کو جو قبولیت دعا کی صورت میں آتا ہے میں نے اپنی طرف کھینچتے ہوئے محسوس کیا ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ دیکھا ہے۔ ہاں آج کل کے زمانہ کے تاریک دماغ فلاسفر اس کو محسوس نہ کر سکیں یا نہ دیکھ سکیں تو یہ صداقت دنیا سے اٹھ نہیں سکتی اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ میں قبولیت دعا کا نمونہ دکھانے کیلئے ہر وقت تیار ہوں۔''

(ملفوظات، جلد 1، صفحہ 128، ایڈیشن 2003)

سورۃ فاتحہ میں ہستی باری تعالیٰ کی چار بنیادی صفات

(لئیق احمد ڈار، مربی سلسلہ، نظارت علیا قادیان)

اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے اور صفاتی نام 99 ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذات کی بے شمار خوبیوں کے سبب اس کی صفات غیر محدود ہیں آسان لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام نیک نام جہاں تک خیال میں آسکیں سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ ایک مسلمان تو اُس خدا کو جانتا ہے جس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو انسانی ذہن میں آسکتی ہیں اور اس سے بالاتر ہے کیونکہ انسانی عقل اور فکر اور ذہن خدا تعالیٰ کی صفات کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکتے۔ الحمدللہ ایک مسلمان کبھی اپنے خداوند تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوتا کیونکہ جو خوبی اور عمدہ صفت ہے وہ اُن کے مانے ہوئے خدا میں موجود ہے اور جو نقص اور بدی ہے اس سے وہ خُدا پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ اس کی ذات کی بے نہایت خوبیوں اور مظاہر کی وجہ سے کسی دَور میں بھی ممکن نہیں بلکہ اپنے حسن و احسان کے نت نئے جلووں سے وہ ہر روز اور ہر وقت ایک الگ ہی شان میں ہوتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ بنیادی حیثیت کی حامل صفات ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے تو اس سورۃ کو ام القرآن یعنی قرآن کی ماں اور قرآن عظیم قرار دیا گیا ہے کہ اگر بندہ کو ان بنیادی صفات کا عرفان ہو جائے اور وہ اس سورۃ میں موجود مضامین کی گہرائی میں پہنچ جائے تو گویا وہ سارے قرآن مجید سے فیضیاب ہوا۔ پھر کس قدر اس سورت کی اہمیت ہے کہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ’’جو کچھ خدائے تعالیٰ نے سورۃ ممدوحہ میں رب العالمین کی صفت سے لے کر مالک یوم الدین تک بیان فرمایا ہے یہ حسب تصریحاتِ قرآن شریف چار عالیشان صداقتیں ہیں جن کا اس جگہ کھول کر بیان کرنا قرینِ مصلحت ہے۔ پہلی صداقت یہ کہ خدائے تعالیٰ رب العالمین ہے یعنی عالَم کے اشیاء میں سے جو کچھ موجود ہے سب کا رب اور مالک خدا ہے۔ اور جو کچھ عالَم میں نمودار ہو چکا ہے اور دیکھا جاتا ہے یا ٹٹولا جاتا ہے یا عقل اس پر محیط ہوسکتی ہے وہ سب چیزیں مخلوق ہی ہیں اور ہستی حقیقی بجز ایک ذات حضرت باری تعالیٰ کے اور کسی چیز کیلئے حاصل نہیں۔ غرض عالم بجمیع اجزئہٖ مخلوق اور خدا کی پیدائش ہے اور کوئی چیز اجزائے عالم میں سے ایسی نہیں کہ جو خدا کی پیدائش نہ ہو۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی ربوبیت تامہ کے ساتھ عالم کے ذرہ ذرہ پر متصرف اور حکمران ہے اور اسکی ربوبیت ہر وقت کام میں لگی ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ دنیا کو بنا کر اس کے انتظام سے الگ ہو بیٹھا ہے اور اسے نیچر کے قاعدہ کے ایسا سپرد کیا ہے کہ خود کسی کام میں دخل بھی نہیں دیتا۔ اور جیسے کوئی کل بعد بنائے جانے کے پھر بنانے والے سے بے علاقہ ہو جاتی ہے ایسا ہی مصنوعات صانع حقیقی سے بے علاقہ ہیں بلکہ وہ رب العالمین اپنی ربوبیت تامہ کی آب پاشی ہر وقت برابر تمام عالم پر کر رہا ہے اور اسکی ربوبیت کا مینہ بالاتصال تمام عالم پر نازل ہو رہا ہے اور کوئی ایسا وقت نہیں کہ اسکے رشح فیض سے خالی ہو بلکہ عالم کے بنانے کے بعد بھی اس مبدء فیوض کی فی الحقیقت بلا ایک ذرا تفاوت کے ایسی ہی حاجت ہے کہ گویا ابھی تک اس نے کچھ بھی نہیں بنایا اور جیسا دنیا اپنے وجود اور نمود کیلئے اس کی ربوبیت کی محتاج تھی ایسا ہی اپنے بقا اور قیام کیلئے اسکی ربوبیت کی حاجتمند ہے۔ وہی ہے جو ہر دم دنیا کو سنبھالے ہوئی ہے۔ اور دنیا کا ہر ذرہ اسی سے تروتازہ ہے اور وہ اپنی مرضی اور ارادہ کے موافق ہر چیز کی ربوبیت کر رہا ہے یہ نہیں کہ بلا ارادہ کسی شے کے ربوبیت کا موجب ہو۔ غرض آیات قرآنی کی رو سے جن کا خلاصہ ہم بیان کر رہے ہیں اس صداقت کا یہ منشاء ہے کہ ہر یک چیز کہ جو عالم میں پائی جاتی ہے وہ مخلوق ہے۔ اور اپنے تمام کمالات اور اپنے تمام حالات اور اپنے تمام اوقات میں خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کی محتاج ہے اور کوئی روحانی یا جسمانی ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی مخلوق خود بخود اور بغیر ارادہ خاص اس متصرف مطلق کے حاصل کر سکتا ہو۔ اور نیز حسب توضیح اسی کلام پاک کے اس صداقت اور ایسا ہی دوسری صداقتوں میں یہ معنے بھی ملحوظ ہیں کہ رب العالمین وغیرہ صفتیں جو خدائے تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں یہ اسی کی ذات واحد لاشریک سے خاص ہیں اور کوئی دوسرا ان میں شریک نہیں۔ جیسا کہ اس سورۃ کے پہلے فقرہ میں یعنی الحمدللہ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ تمام محامد خدا ہی سے خاص ہیں۔

دوسری صداقت رحمٰن ہے کہ جو بعد رب العالمین بیان فرمایا گیا۔ اور رحمٰن کے معنے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں یہ ہیں کہ جس قدر جاندار ہیں خواہ ذی شعور اور خواہ غیر ذی شعور اور خواہ نیک اور خواہ بد، ان سب کے قیام اور بقاء وجود اور بقائے نوع کیلئے اور انکی تکمیل کیلئے خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت عامہ کے رو سے ہر یک قسم کے اسباب مطلوبہ میسر کر دیئے ہیں اور ہمیشہ میسر کرتا رہتا ہے اور یہ عطیہ محض ہے کہ جو کسی عامل کے عمل پر موقوف نہیں۔

تیسری صداقت رحیم ہے کہ جو بعد رحمٰن کے مذکور ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ سعی کرنے والوں کی سعی پر بمقتضائے رحمت خاصہ ثمرات حسنہ مترتب کرتا ہے۔ توبہ کرنے والوں کے گناہ بخشتا ہے۔ مانگنے والوں کو دیتا ہے۔ کھٹکھٹانے والوں کیلئے کھولتا ہے۔

چوتھی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے مالک یوم الدین ہے یعنی باکمال و کامل جزاسزا کہ جو ہر یک قسم کے امتحان و ابتلا اور توسط اسباب غفلت افزا سے منزہ ہے اور ہر یک کدورت اور کثافت اور شک اور شبہ اور نقصان سے پاک ہے اور تجلیات عظمیٰ کا مظہر ہے۔ اسکا مالک بھی وہی اللہ قادر مطلق ہے اور وہ اس بات سے ہرگز عاجز نہیں کہ اپنی کامل جزا کو جو دن کی طرح روشن ہے ظہور میں لاوے اور اس صداقت عظمیٰ کے ظاہر کرنے سے حضرت احدیت کا یہ مطلب ہے کہ تا ہر یک نفس پر بطور حق الیقین امور مفصلہ ذیل کھل جائیں۔ اول یہ امر کہ جزاسزا ایک واقعی اور یقینی امر ہے کہ جو مالک حقیقی کی طرف سے اور اسی کے ارادہ خاص سے بندوں پر وارد ہوتا ہے اور ایسا کھل جانا دنیا میں ممکن نہیں کیونکہ اس عالم میں یہ بات عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی کہ جو کچھ خیر و شر و راحت و رنج پہنچ رہا ہے وہ کیوں پہنچ رہا ہے اور کس کے حکم و اختیار سے پہنچ رہا ہے۔ اور کسی کو ان میں سے یہ آواز نہیں آتی کہ وہ اپنی جزا پا رہا ہے اور کسی پر بطور مشہود و محسوس منکشف نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ بھگت رہا ہے حقیقت میں وہ اسکے عملوں کا بدلہ ہے۔ دوسرے اس صداقت میں اس امر کا کھلنا مطلوب ہے کہ اسباب عادیہ کچھ چیز نہیں ہیں اور فاعلِ حقیقی خدا ہے اور وہی ایک ذات عظمیٰ ہے کہ جو جمیع فیوض کا مبدء اور ہر یک جزاسزا کا مالک ہے تیسرے اس صداقت میں اس بات کا ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ سعادت عظمیٰ اور شقاوت عظمیٰ کیا چیز ہے یعنی سعادت عظمیٰ وہ فوزِ عظیم کی حالت ہے کہ جب نور اور سرور اور لذت اور راحت انسان کے تمام ظاہر و باطن اور تن اور جان پر محیط ہوجائے اور کوئی عضو اور قوت اس سے باہر نہ رہے۔ اور شقاوت عظمیٰ وہ عذاب الیم ہے کہ جو بباعث نافرمانی اور ناپاکی اور بُعد اور دوری کے دلوں سے مشتعل ہو کر بدنوں پر مستولی ہوجائے اور تمام وجود فی النار والسقر معلوم ہو۔ اور یہ تجلیات عظمیٰ اس عالم میں ظاہر نہیں ہوسکتیں کیونکہ اس تنگ اور منقبض اور مکدر عالم کو جو روپوش اسباب ہو کر ایک ناقص حالت میں پڑا ہے۔ ان کے ظہور کی برداشت نہیں بلکہ اس عالم پر ابتلاء اور آزمائش غالب ہے اور اسکی راحت اور رنج دونوں ناپائیدار اور ناقص ہیں۔ اور نیز اس عالم میں جو کچھ انسان پر وارد ہوتا ہے وہ زیر پردہ اسباب ہے جس سے مالک الجزاء کا چہرہ محجوب اور مکتوم ہو رہا ہے۔ اسلئے یہ خالص اور کامل اور منکشف طور پر یوم الجزاء نہیں ہوسکتا بلکہ خالص اور کامل اور منکشف طور پر یوم الدین یعنی یوم الجزاء وہ عالم ہوگا کہ جو اس عالم کے ختم ہونے کے بعد آوے گا اور وہی عالم تجلیات عظمیٰ کا مظہر اور جلال اور جمال کے پورے ظہور کی جگہ ہے۔ اور چونکہ یہ عالم دنیوی اپنی اصل وضع کے رو سے دارالجزاء نہیں بلکہ دارالابتلاء ہے اس لئے جو کچھ عسر و یسر و راحت و تکلیف اور غم اور خوشی اس عالم میں لوگوں پر وارد ہوتی ہے اس کو خدائے تعالیٰ کے لطف یا قہر پر دلالت قطعی نہیں مثلاً کسی کا دولتمند ہو جانا اس بات پر دلالت قطعی نہیں کرتا کہ خدائے تعالیٰ اس پر خوش ہے اور نہ کسی کا مفلس اور نادار ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس پر ناراض ہے بلکہ یہ دونوں طور کے ابتلاء ہیں تا دولتمند کو اس کی دولت میں اور مفلس کو اس کی مفلسی میں جانچا جائے۔ یہ چار صداقتیں ہیں جن کا قرآن شریف میں مفصل بیان موجود ہے اور قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ان صداقتوں کی تفصیل میں آیات قرآنی ایک دریا کی طرح بہتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور اگر ہم

اس جگہ مفصل طور پر ان تمام آیات کو لکھتے تو بہت سے اجزاء کتاب کے اس میں خرچ ہوجاتے سو ہم نے اس نظر سے کہ انشاء اللہ عنقریب براہین قرآنی کے موقعہ پر وہ تمام آیات بہ تفصیل لکھے جائیں گے ان تمہیدی مباحث میں صرف سورۃ فاتحہ کے قل ودل کلمات پر کفایت کی۔‘‘(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام، جلداول، صفحہ 145)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مذکورہ صفات کے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ ’’ھُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اوران کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے پاداش میں ان کیلئے سامان راحت میسر کرتا ہے۔جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے۔اوراس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ الرحیم یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔

اور پھر فرمایا مالک یوم الدین یعنی وہ خدا ہرایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین وآسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو۔‘‘(روحانی خزائن، جلد 10، صفحہ 373، اسلامی اصول کی فلاسفی)

ان صفات کا ظہور کس طرح دُنیا میں ہورہا ہے اس بارے میں خاکسار کچھ بیان کرے گا۔

یہ کیسا عظیم الشان فیضان الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا۔چاند، سورج، زمین، ستارے، سیارے گویا کائنات درکائنات پیدا کی۔روح و بے روح، ذی عقل وغیر ذی عقل پیدا کردیئے۔اِنس وجان اور ملک پیدا کئے۔جو بھی پیدا کیا اسکو پیدا کرکے یونہی نہ چھوڑ دیا بلکہ اسکے ارتقاء کیلئے اسکی ربوبیت کی۔غرض وہ ہرایک چیز کا اور ہرایک عالَم کا ربّ ہے۔پھر ذی روحوں کے حوالے سے رحمٰن ہے کہ ان کی احتیاجوں کا خیال کرکے اُن کے بِن مانگے ہی انکی ضرورتوں کو پورا کردیا۔مثلاً چاند، سورج، زمین، پانی وغیرہ ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہم انسانوں کیلئے پیدا کیا۔پھرنیکوں اور نیک بات پر عمل کرنے والوں کو ایسے ہی نہیں چھوڑا بلکہ اُن کے عمل اور دعا کی جزا بھی دی اور انعام واکرام کررہا ہے۔اور ضروری نہیں کہ گنہگاروں کو ضرور سزا دے بلکہ وہ مالک ہے چاہے تو سزا دے چاہے تو بخش دے، چاہے تو جزاء دے اور حق سے بڑھ کر دے۔اور پھر اصل جزاء یوم الدین میں دینے کا وعدہ فرمایا۔گویا ایک نقد بہشت ہے جو وہاں ہے اور اسکا عکس یہاں۔یہ ہے ہمارا پیارا خدا!

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حوالہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’طیور کے آسمان میں اُڑنے اور جوّ میں مسخر ہونے سے متعلق یہ آیت گہرے معانی رکھتی ہے۔پرندوں کی ساخت خصوصیت کے ساتھ ایسے اصولوں کے مطابق کی گئی ہے کہ وہ فضا میں اُڑ سکیں اور یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں۔بعض شکاری پرندوں کی رفتار ہوا میں دوسو میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے اور ان کی ساخت ایسی ہے کہ اس رفتار کا ان کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ہوا چونچ اور سر سے ٹکرا کر چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور اسی تیز رفتاری کے ساتھ وہ اُڑتے ہوئے پرندوں کا شکار بھی کرلیتے ہیں۔‘‘(ترجمۃ القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ، صفحہ 1057، سورۃ الملک آیت نمبر 20، حاشیہ)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

’’کہہ دے وہی رحمان ہے۔ہم اُس پر ایمان لے آئے اور اُس پر ہی ہم نے توکل کیا۔پس تم عنقریب جان لوگے کہ کون ہے جو کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔تُو کہہ دے کہ اگر تمہارا پانی گہرائی میں اُتر جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس چشموں کا پانی لائے گا؟‘‘

(سورۃ الملک آیات 30 تا 31)

پھر روحانی دنیا کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ہدایت پانا کسی کا حق تو نہیں بلکہ محض رحمانیت الٰہی سے یہ فیض حاصل ہوسکتا ہے۔چنانچہ رحمانیت کا تقاضا بھی ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے افضال وبرکات کو کھینچتا ہے۔اس صفت کے بھی کئی پہلو ہیں اور بے انتہا رنگوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔چنانچہ اس کا عظیم جلوہ تو یہ ہے کہ جب جب انسانیت راہ حق سے بھٹک گئی تو اللہ تعالیٰ اپنے فرستادے دنیا میں بھیجتا رہا۔حضرت آدمؑ سے لیکر ہمارے مطاع حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی یہ سلسلہ نہ رہا بلکہ ایک دفعہ پھر اسکی رحمانیت جوش میں آئی اوراس آخری زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور کامل پیروی اور کامل محبت کے نتیجہ میں بروزی نبوت کے انعام سے سرفراز فرمایا۔**فھو فیض من الرحمانیۃ!**

چنانچہ آج آپؑ کی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے 213 سے زائد ملکوں میں مضبوط رنگ میں قائم ہوچکی ہے اور اسلام کی تبلیغ میں مصروف عمل ہے۔

پھر جب نیک بندے اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریق کے مطابق کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو رائیگاں نہیں کیا کرتا بلکہ انعام واکرام سے نوازتا ہے اور جو بندے کا حق ہے اس سے بڑھ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

’’وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اسکے فرشتے بھی تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالے اور وہ مومنوں کے حق میں بار بار رحم کرنے والا ہے۔‘‘

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر 44)

نیز فرماتا ہے: ’’اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اُسے خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے رہو۔یقیناً اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب رہتی ہے۔‘‘

(سورۃ الاعراف آیت نمبر 57)

یہاں فرمایا کہ رحیمیت مومنوں اور محسنوں سے خاص ہے۔رحیمیت کے معنی عام لفظوں میں تو یہی ہیں کہ بار بار رحم کرنے والا اور ہماری خواہش کے مطابق ہم پر فضل کرنے والے کے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے رحم خاص سے دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔جب اس سے رسولوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں کی راہ پر چلنے کی دعا کرتے ہیں تو دعا اور مجاہدات سے انواع واقسام کے معارف، حقائق اور کشوف اور الہامات کا انعام پاتے ہیں اور دائمی دعا اور تضرع اور اعمال صالحہ سے ایسے لوگ معرفت تامہ کو پہنچ جاتے ہیں۔رحیمیت میں دعا اور عبادت کے ذریعہ کامیابی کی راہ پیدا ہوتی ہے اور ایک حق ہوتا ہے مگر مالکیت یوم الدین وہ حق اور ثمرہ عطا کرتی ہے۔چنانچہ رحیمیت کے تقاضا کے ماتحت اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے اوراسی سے تو قبولیت دعا کا ایک آفاقی تصور دنیا میں موجود ہے جس سے بے شمار لوگ فیضیاب ہوجاتے ہیں۔دُعاؤں کی قبولیت میں تو انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال بڑی اور بے نظیر ہے۔موقع کی رعایت سے یہاں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیتِ دعا کا ایک واقعہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں منشی عطاء محمد صاحب پٹواری کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ان کی تین بیویاں تھیں لیکن اولاد سے محروم تھے۔انہوں نے کہا کہ اگر مرزا صاحب کی دعا سے مجھے جس بیوی سے میں چاہوں اولاد مل جائے تو میں احمدی ہوجاؤں گا۔مسیح پاک علیہ السلام نے دعا کی۔اسکی برکت سے ان کو حسب خواہش اولاد ملی اور ساتھ ہی احمدیت کی دولت بھی مل گئی۔(بحوالہ سیرت المہدی، حصہ اول، صفحہ 239 تا 241، مطبوعہ قادیان 1935ء)

مالکیت یوم الدین کی جلوہ گری کامل رنگ میں تو بروز قیامت ہوگی البتہ اس دنیا میں بھی یہ فیض جاری ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو ایک جگہ فرمایا ہے کہ جو نقب زنی کرتا ہے شاید ایک دفعہ نہیں تو دوسری دفعہ پکڑا ہی جاتا ہے۔اور یہ کبھی نہ ہوا کہ ایک عادی چور چوری کرتا رہے اور وہ امیر ہوجائے بلکہ وہ مفلس کا مفلس ہی رہتا ہے تو گویا اس دنیا میں بھی ایسے مشاہدات سے اس کی اس صفت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفت مالکیت یوم الدین کے بارہ میں فرماتے ہیں: ’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر کہ گناہ وہ ہے جو جان بوجھ کر اوراپنے اختیار سے کیا جائے۔گناہ کی تھیوری ہی بدل دی ہے اوراس وجہ سے قرآن کریم نے جزائے اعمال کے متعلق مندرجہ ذیل اصول کو مدنظر رکھا ہے۔

(1) اول اس نے وزن پر خاص زور دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انسانی اعمال کے متعلق یہ لحاظ رکھے گا کہ ان میں کہاں تک جبر یا اختیار کا دخل ہے (2) دوسرے اس نے اللہ تعالیٰ کے مالک یوم الدین ہونے پر زور دیا ہے۔یعنی اس نے حقیقی جزا سزا کو کسی اور کے سپرد نہیں کیا۔اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔اگر جزا و سزا اوروں کے سپرد ہوتی تو وہ انسانی اعمال کے پیچھے جو جبر کا حصہ ہے اسکا خیال نہ رکھ سکتے اوران اعمال کے بدلہ میں انسان کو گنہگار قرار دے دیتے جن کے کرنے میں وہ گنہگار نہیں یا پورا گناہ گار نہیں۔اور ان اعمال کے بدلہ میں اسے نیک قرار دے دیتے جن کے کرنے

سے وہ نیک نہیں ہوتا یا پورا نیک نہیں ہوتا۔

لطیفہ: یاد رکھنا چاہئے کہ مالک یوم الدین اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انسانی اعمال کے پیچھے اس قدر علتیں اور روکیں ہیں کہ ان کو سمجھے بغیر جزا سزا ظلم بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یوم الدین کے متعلق اپنے لئے مالکیت کا لفظ پسند فرمایا ہے۔ کیونکہ مالکیت حقیقی تصرف کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ ملکیت ہوسکتی ہے۔ ملک منتخب ہوسکتا ہے مگر مالک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ مالکم یوم الدین بھی نہیں فرمایا بلکہ مالک یوم الدین فرما کر اس امر پر زور دیا ہے کہ اس جگہ تمہاری مالکیت پر اس قدر زور دینا مقصود نہیں جس قدر کہ اس دن کی مالکیت پر زور دینا مقصود ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اس وقت کا وہ مالک ہوگا۔ اور کہ اس وقت کا وہ مالک ہے۔ کوئی چیز اسکی نظر سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔

ایک اور آیت بھی اس مضمون کی تائید کرنے والی ہے اور وہ یہ ہے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ یعنی اگر خدا تعالیٰ انسان کو اس کے اعمال پر سزا دینے لگے تو کوئی جانور بھی زمین پر نہ چھوڑے۔ یعنی انسان سے بہت سے فعل ایسے صادر ہوتے رہتے ہیں جو خلاف شریعت ہوتے ہیں یا جن میں نفسانیت وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ہر عمل کی سزا نہیں دیتا بلکہ صرف ان اعمال کی سزا دیتا ہے جن میں انسان کا اختیار ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ فرمایا ہے۔ یعنی اگر انسان کے تمام اعمال پر سزا دیتا تو دنیا پر کوئی جانور بھی نہ چھوڑتا۔ اس پر طبعاً سوال ہوتا ہے کہ جزا انسانوں کے اعمال کی دیتا تو جانور کیوں تباہ ہوجاتے؟ انسانوں کے مقدروں پر دوّاب کو کیوں سزا ملتی۔ مفسرین اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ جانور انسان کے فائدہ کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اسلئے جب انسان تباہ کردیئے جاتے تو جانور بھی تبادہ کردیئے جاتے۔ یہ جواب بھی گو صحیح ہو مگر میرے نزدیک اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کے اعمال کا کچھ حصہ اسی طرح جبری ہوتا ہے جس طرح حیوانوں گائے بھینسوں کا ہوتا ہے۔ پس اگر انسان کے سارے اعمال کی سزا دی جائے تو لازماً گائے بیلوں وغیرھما کو بھی سزا دینی ہوتی اور سب حیوانات کو تباہ کردیا جاتا۔ مگر ہم ایسا نہیں کرتے۔ اور جانوروں کو ان کے اعمال کی اس وجہ سے کہ وہ اختیاری نہیں ہوتے سزا نہیں دیتے۔ اسی طرح ہم انسان کے سب اعمال کی بھی سزا نہیں دیتے، صرف ان اعمال کی سزا دیتے ہیں جو اختیاری ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جس حد تک انسان پر جبر ہوتا ہے اس کا کیا علاج ہے؟ یا وہ بے علاج ہے؟ اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دیا ہے کہ اس کا بھی علاج ہے اور وہ یہ کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے خوف اور محبت کے جذبات بہ شدت پیدا کئے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے وہ اپنی مجبوریوں پر بھی غالب آجاتا ہے۔ مثلاً بھیڑیئے میں کاٹنے کا مادہ ہے، مگر محبت اسے مجبور کرتی ہے کہ اپنے بچے کو نہ کاٹے۔ گویا محبت اسکے کاٹنے کے جذبہ پر غالب آجاتی ہے۔ یا جہاں آگ جل رہی ہو وہاں چیتا حملہ نہیں کرتا کیونکہ اسے اپنی جان کا خوف ہوتا ہے۔ چیتے کا طبعی تقاضا ہے کہ حملہ کرے مگر خوف اس کے اس تقاضا پر غالب آجاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان کی محبت اور خوف کے جذبات کو ابھار دیا جائے تو وہ ان بدتاثیرات پر جو اس کے اعمال پر تصرف کررہی ہوتی ہیں، غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے اپنے فضل سے سامان پیدا کئے ہیں۔ اور وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں اپنے مامور بھیجتا رہتا ہے اور ان کے ذریعہ سے اپنی قدرت اور اپنے جلال اور اپنے فضل اور اپنی رحمت کی شان دکھاتا رہتا ہے تاکہ لوگوں میں کامل محبت اور کامل خوف پیدا کیا جائے۔ اس طرح جو لوگ محبت کا جذبہ زیادہ رکھتے ہیں وہ ان نشانات اور تجلیات سے محبت میں ترقی کرکے بُرے اثرات پر غالب آجاتے ہیں اور پاک ہوجاتے ہیں اور جو لوگ خوف کے جذبہ سے زیادہ موافقت رکھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قہری تجلیات سے متاثر ہوکر خوف کی وجہ سے بُرے اثرات پر غالب آجاتے ہیں اور اس ذریعہ سے بیرونی اثرات جو ایک رنگ کا جبر کررہے تھے، ان سے انسان محفوظ کردیا جاتا ہے اور اصلاح نفس میں اسے مدد مل جاتی ہے۔‘‘

(انوار العلوم، جلد 10، صفحہ نمبر 185 تا 187، حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی صفات کا ادراک وفہم عطا کرکے اسکے قرب میں بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس کی ذات کے حسن واحسان سے فیضاب ہوں اور ہماری زندگی کا حقیقی مقصد پورا ہوا آمین!

......☆......☆......☆......

بقیہ از صفحہ نمبر 36

فرماتے ہیں: ’’اپنے اللہ کے منشاء کے مطابق پورا تقویٰ اختیار کرو۔ زمانہ نازک ہے۔ قہر الٰہی نمودار ہورہا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق اپنے آپ کو بنالے گا وہ اپنی جان اور اپنی آل واولاد پر رحم کرے گا۔‘‘ آجکل دنیا کے حالات جو بگڑ رہے ہیں اس پر غور کرتے ہوئے سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنا چاہئے ...... فرمایا کہ ’’بدی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خدا کے ساتھ شریک کرنا، اسکی عظمت کو نہ جاننا، اسکی عبادت اور اطاعت میں کسل کرنا۔ دوسری یہ کہ اس کے بندوں پر شفقت نہ کرنا۔ ان کے حقوق ادا نہ کرنے۔ اب چاہئے کہ دونوں قسم کی خرابی نہ کرو۔ خدا کی اطاعت پر قائم رہو۔ جو عہد تم نے بیعت میں کیا ہے اس پر قائم رہو۔ خدا کے بندوں کو تکلیف نہ دو۔ قرآن کو بہت غور سے پڑھو۔ اس پر عمل کرو۔ ہر ایک قسم کے ٹھٹھے اور بیہودہ باتوں اور مشرکانہ مجلسوں سے بچو۔ پانچوں وقت نماز کو قائم رکھو۔ غرض کہ کوئی ایسا حکم الٰہی نہ ہو جسے تم ٹال دو۔ بدن کو بھی صاف رکھو اور دل کو ہر ایک قسم کے بے جا کینے، بغض وحسد سے پاک کرو۔ یہ باتیں ہیں جو خدا تم سے چاہتا ہے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 21 اپریل 2017)

ان تعلیمات کے بعد ایک طائرانہ نظر عبادت کے ان ذرائع پر ڈالتے ہیں جن سے زندگی کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ ان ذرائع میں سے سب سے پہلا ذریعہ نماز ہے۔ گویا کہ نماز عبادت کا ایک مکمل پیکیج ہے۔ جسکے ذریعہ انسان خدا کی عبادت کا حق ادا کرسکتا ہے۔

اسکے بعد روزہ ہے یعنی خدا کی رضا کی خاطر اسکے حکم کے مطابق ان نعمتوں کو ترک کرنا جن سے انسان ساری زندگی استفادہ کرتا ہے۔

پھر اسکے بعد حج ہے۔ یعنی وہ گھر جو زمین میں خدا کی عبادت کیلئے سب سے پہلے تعمیر کیا گیا۔ اس کی زیارت کرنا، طواف کرنا وہاں قیام ورکوع اور سجدہ کرنا۔ جسے اللہ توفیق دے۔

پھر زکوۃ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس انسان پر اپنی ضرورت سے بڑھ کر انعام اور اکرام کیا ہے وہ اسے صرف اپنے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ زائد حصہ اسکی غریب مخلوق پر خرچ کرکے اپنے اس مال کو جو حلال تھا طیب بنائے یہ بھی عبادت ہے۔ اس سے بھی خدا راضی ہوتا ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور ذریعہ ہے اگر اس کا حق ادا نہ کیا تو پھر یہ سب بے فائدہ ہیں اور وہ یہ ہے۔ اللہ کے رسول کی اطاعت یعنی یہ گواہی دینا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے رسول ہیں اور سب سے افضل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بغیر خدا کی اطاعت قابل قبول نہیں۔ اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نہیں ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدہ کے مطابق آپ کے بروز کامل یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جو آپؑ پر ایمان نہیں لاتا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان نہیں لاتا اور جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں گویا کہ اللہ پر بھی ایمان نہیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: ’’اب یہ ہر ایک کو اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کس حد تک اپنے آپ کو بیہودہ اور مشرکانہ مجلسوں سے بچایا ہوا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو کہیں گے کہ ہم تو ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم تو مشرکانہ مجلسوں میں نہیں بیٹھتے۔ لیکن یاد رکھیں کوئی مجلس ہو جیسے انٹرنیٹ ہے یا ٹی وی ہے یا کوئی ایسا کام ہے اور مجلس ہے جو نمازوں اور عبادت سے غافل کررہی ہے وہ مشرکانہ مجلس ہی ہے۔‘‘ (خطبہ جمعہ فرمودہ 21 اپریل 2017ء بمقام فرینکفرٹ، جرمنی)

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت کے مطابق اپنا جائزہ لینے اور ان تعلیمات کی روشنی میں اپنے مقصد حیات کو سمجھتے ہوئے بہترین رنگ میں عبادت کا حق بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......☆......☆......

تعلق باللہ کے ذرائع

(فلاح الدین قمر، مربی سلسلہ، نظارت علیا قادیان)

ایک مومن کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت پر کامل یقین ایک مرکزی نقطہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے تعلق ایک مومن کی روحانی غذا ہے جس کے بغیر حقیقی زندگی کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہستی وراء الوراء ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کی راہیں بھی اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے:

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

تعلق باللہ کا مفہوم

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اپنے ایک خطاب میں تعلق باللہ کا اصل مفہوم اور اُس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’بہت سے لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعا کریں ......جتنی ضرورتیں بیان کی جاتی ہیں وہ ساری کی ساری ایسی ہوتی ہیں جو اس دنیا کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ حالانکہ سب سے مقدم دعا اگر کوئی ہوسکتی ہے تو یہی ہے کہ ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوجائے اور سب سے مقدم سوال اگر کوئی شخص کرسکتا ہے تو یہی ہے کہ میری اس بارہ میں راہنمائی کی جائے کہ مجھے تعلق باللہ کس طرح حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا ہوجائے تو باقی سب چیزیں اسی میں آجاتی ہیں۔‘‘

(انوار العلوم، جلد 23، صفحہ 125)

تعلق باللہ کے ذرائع

فطرت صحیحہ

تعلق باللہ کا ایک بڑا ذریعہ فطرت صحیحہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا ایک فطری تقاضا ہے جو کہ روز اوّل سے اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ودیعت کر رکھا ہے۔ دنیا میں آپسی تعلقات کی جتنی بھی مثالیں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب اسی فطری تقاضے کا عکس اور پرتو ہے اور اسی فطری تقاضے کے زیر اثر ایک ماں اپنے بچے سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ ایک باپ اپنے اہل وعیال کیلئے دن رات محنت ومزدوری کرکے روزی روٹی کے سامان کرتا ہے اور دو انجان آدمی آپس میں گہرے دوست بن جاتے ہیں۔ ایک عاشق اپنے معشوق کیلئے جان قربان کردینے کو تیار ہوجاتا ہے۔

اسی فطری تقاضے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (سورۃ العلق 2) ترجمہ: اُس نے انسان کو ایک چمٹ جانے والے لوتھڑے سے پیدا کیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے مادے سے پیدا کیا جس میں چپکنے کی قوت رکھی گئی ہے۔ گویا انسان اپنے مالک حقیقی سے اس طرح چپکنا چاہتا ہے جیسے ایک معصوم بچہ اپنی مادر مہربان سے چپک جاتا ہے۔ اور اس کی آغوش میں آکر اطمینان قلب حاصل کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (الروم: 31) ترجمہ: پس (اللہ کی طرف) ہمیشہ مائل رہتے ہوئے اپنی توجہ دین پر مرکوز رکھ۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ قائم رکھنے اور قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی فطرت ظاہر کرنے کیلئے اُس کا ایک حصہ انسانی فطرت میں ودیعت کر رکھا ہے اور دراصل یہی وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے اندر مولائے کریم سے ملنے کی تڑپ محسوس کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ’’ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اُسکے ماں باپ اُسے یہودی عیسائی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔ جیسے ایک چوپایا سالم چوپائے کو ہی جنم دیتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی چیز کٹی ہوئی دیکھتے ہو۔‘‘ (مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ 4789)

دوسرا ذریعہ ’’ذکرِ الٰہی‘‘

تعلق باللہ کا دوسرا ذریعہ ذکر الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ: 153) کہ تم میرا ذکر کرتے رہا کرو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میں بھی تمہیں یاد کرنے لگ جاؤں گا اور اپنے قرب کی نعمت سے تمہارے دامن بھر دوں گا۔

ذکر الٰہی تعلق باللہ کا ایک یقینی ذریعہ ہے۔ کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اُس کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی کاوش کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اُس کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! جنت کے باغوں میں چرو۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ جنت کے باغ سے کیا مراد ہے، آپؐ نے فرمایا ذکر کی مجالس۔ آپؐ نے فرمایا کہ صبح وشام کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسے اس قدر و منزلت کا علم ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسکی ہے تو وہ یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اُس کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی ایسی ہی قدر کرتا ہے جیسی اُسکے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہے۔‘‘

(رسالہ قشیریہ، باب الذکر، صفحہ 257)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

عادتِ ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو عشقِ صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیسے کیا جائے تو اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں بیان فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ: 201) پس اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ ذکر۔

زمانہ جاہلیت میں عرب میں یہ رواج تھا کہ حج کے موقع پر لوگ مجلس لگا کر اپنے آباؤ اجداد کی بڑائیوں کے قصے بیان کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کیا کرو جس طرح اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس آیت کریمہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنے آباء واجداد سے بڑھ کر محبت کرو۔ کیونکہ اللہ کی ذات وہ ذات ہے جو تمہارے ماں باپ سے بڑھ کر تم سے محبت کرنے والی ہے۔

تیسرا ذریعہ: دعا

تعلق باللہ کا تیسرا ذریعہ دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرۃ: 187) یعنی یہ کہ اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات پر لبّیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات سے پردہ اُٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کیسے تعلق قائم ہوسکتا ہے۔

پھر حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ ’’ہمارا ربّ قریبی آسمان تک نزول فرماتا ہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اُسکو جواب دوں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اُس کو دوں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اُس کو بخشش دوں۔‘‘

(ترمذی، کتاب الدعوات)

غرض یہ کہ دعا اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا وہ ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود بندوں کیلئے پسند فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو چاہتا اور پسند کرتا ہے کہ بندے اس سے اس کا قرب مانگیں اور اسے پکاریں پھر وہ انہیں اپنا قرب عطا فرمائے۔

چوتھاذریعہ: عبادت الٰہی

تعلق باللہ کا چوتھا ذریعہ عبادت الٰہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت: 57) یعنی اور میں نے جن و انس کو پیدا نہیں کیا مگر اس غرض سے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق اور عبادت الٰہی ہے۔ ایک بندہ عبد تب تک نہیں کہلا سکتا جب تک وہ کامل عبودیت اختیار نہ کرے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کیسے کی جائے۔ تو واضح ہو کہ اس کی سب سے بڑی مثال ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت ذات ہے جنہوں نے عبد کامل ہونے کا وہ نمونہ ہمارے سامنے رکھا جو قیامت تک مؤمنین کیلئے مشعل راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نمونے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحیٰ: 8) اور اس نے تجھے اپنی تلاش میں سرگرداں پایا، پس ہدایت دی۔ یعنی اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تمہیں اپنی محبت اور عبودیت میں ایسا گُم پایا کہ ہم نے تجھ پر اپنی قربت کے سارے دروازے کھول دیئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز کو سنوار کر پڑھو اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو۔''

(بخاری، کتاب الادب)

پانچواں ذریعہ: توکل علی اللہ

تعلق باللہ کا پانچواں ذریعہ توکل علی اللہ ہے۔ توکل اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اعتماد کرنے کا دوسرا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ھود: 124) ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف معاملہ تمام تر لوٹایا جاتا ہے۔ پس اس کی عبادت کر اور اس پر توکل کر۔ اور تیرا ربّ اس سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دلاتے ہوئے اور آپ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے میرے محبوب پریشان نہ ہو۔ زمین و آسمان کے غیب کو میں جانتا ہوں اور میری ہی طرف تمام اُمور لوٹ کر آتے ہیں۔ لہٰذا تو بے فکری سے عبادت میں مشغول رہ۔ اور مجھ پر کامل یقین رکھ۔ یقیناً میں سب کچھ جانتا ہوں کہ تیرے دشمن کیا کیا کارروائیاں کر رہے ہیں۔

''حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تھے۔ اتنے میں ہم گھنے سایہ دار درخت کے پاس پہنچے۔ ہم نے اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے چھوڑ دیا۔ اتنے میں مشرکوں میں سے ایک شخص آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ اُس نے اُس کو سونت لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگا مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ کہنے لگا تو پھر کون تمہیں مجھ سے بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ!'' (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع 4135)

اس حدیث میں کیا ہی خوبصورت مثال تعلق باللہ کی پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایسا کامل توکل کہ جس کو دیکھ کر ایک مشرک کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''توکل کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے والے کبھی ضائع نہیں ہوتے۔ جو آدمی صرف اپنی کوششوں میں رہتا ہے اس کو سوائے ذلت کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہمیشہ سے سنت اللہ یہی چلی آتی ہے کہ جو لوگ دنیا کو چھوڑتے ہیں وہ اس کو پاتے ہیں اور جو اسکے پیچھے دوڑتے ہیں وہ اس سے محروم رہتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے وہ اگر چند روز مکر و فریب سے کچھ حاصل بھی کر لیں تو وہ لاحاصل ہے کیونکہ آخر ان کو سخت ناکامی دیکھنی پڑتی ہے۔''

(ملفوظات، جلد 5، صفحہ 248، مطبوعہ قادیان 2003)

چھٹاذریعہ: تقویٰ

تعلق باللہ کا چھٹا ذریعہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ اسکی جو تعریف قرآن کریم سے ملتی ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہوئے، خدا تعالیٰ کو واحد و یگانہ اور سب طاقتوں کا منبع سمجھتے ہوئے اُسکے حقوق ادا کرنا اور خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے اُسکی مخلوق کے حقوق بھی ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر: 19-20) ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر جان یہ نظر رکھے کہ وہ کل کیلئے کیا آگے بھیج رہی ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ اُس سے جو تم کرتے ہو ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ یہی بدکردار لوگ ہیں۔

''حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون زیادہ معزز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک وہ زیادہ معزز ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے۔''

(بخاری، کتاب التفسیر)

پس تقویٰ پر چلنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے انعامات کو حاصل کرنے والا بن جاتا ہے۔ اور اُسکے نتیجہ میں اُسکا اللہ تعالیٰ سے ایسا گہرا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مؤمنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔''

(کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 15)

ساتواں ذریعہ: اِتباع رسول

تعلق باللہ کا ساتواں ذریعہ اتباع رسول ہے۔ انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی رکھی ہے کہ وہ عملی نمونوں سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب: 22)

نیز فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(آل عمران: 32)

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے بنایا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن تمام احکامات کا جو قرآن کریم کی صورت میں آپ پر اُترے ہیں ایک عملی نمونہ بنا دیا، ایک ایسا عملی نمونہ جو کامل تھا، جس نے آپ کو عبدِ کامل بنا دیا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایک مسلمان کا، ایک ایمان لانے کا دعویٰ کرنے والے کا ایمان اُس وقت مکمل ہوگا، وہ تب خدا تعالیٰ سے پختہ تعلق قائم کر سکے گا جب میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلے گا۔ اس کے بغیر ایمان ادھورا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوراء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اُس پیروی سے پایا اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اُس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے۔ یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور

لازوال لذت کا طالب ہوجاتا ہے۔ پھر بعد اُسکے ایک مصفیٰ اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد22، صفحہ 64)

آٹھواں ذریعہ: کتب الٰہیہ

تعلق باللہ کا آٹھواں ذریعہ کتب الٰہیہ ہیں اور فی زمانہ اس کی سب سے بڑی مثال قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے فیض کا دریا جاری وساری ہے اور آج بھی تعلق باللہ کا ایک اوّلین اور مجرب ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: 83) ترجمہ: اور ہم قرآن میں سے وہ نازل کرتے ہیں جو شفاء ہے اور مومنوں کیلئے رحمت ہے اور وہ ظالموں کو گھاٹے کے سوا کسی اور چیز میں نہیں بڑھاتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جو روحانی مریض ہیں اور شکوک وشبہات کی بیماریوں میں مبتلا ہیں اور ہمیشہ اس معاملہ میں شک میں رہتے ہیں کہ آیا خدا تعالیٰ سے تعلق قائم ہو بھی سکتا ہے کہ نہیں، اُن کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم میں اُن کی روحانی بیماریوں کی شفایابی کا مکمل علاج ہے اور ایمان رکھنے والوں کیلئے ایک بہت بڑی رحمت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں...... میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے اُن کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔" (کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 26)

نواں ذریعہ: توبہ واستغفار

تعلق باللہ کا نواں ذریعہ توبہ واستغفار ہے۔ توبہ گناہوں کی آلودگی سے احکام الٰہیہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف ظاہری وباطنی طور پر رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الفرقان: 71) ترجمہ: سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی بدیوں کو اللہ خوبیوں میں بدل دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

ایک عام آدمی کو کس قدر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس سے جو روزانہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں غلطیاں ہوتی ہیں یا ہوسکتی ہیں ان سے یا ان کے بداثرات سے بچنے کیلئے استغفار کرے۔ اور اگر پہلے اس طرف توجہ ہوجائے تو بہت سی غلطیوں اور گناہوں سے انسان پہلے ہی بچ سکتا ہے۔ قرآن کریم نے کئی جگہوں پر مغفرت کے مضمون کا مختلف پیرایوں میں ذکر کیا ہے، کہیں دعائیں سکھائی گئی ہیں کہ تم یہ دعائیں مانگو تو بہت سی فطری اور بشری کمزوریوں سے بچ جاؤ گے۔ کہیں یہ ترغیب دلائی ہے کہ اس طرح بخشش طلب کرو تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنو گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نشان بن جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کرلے اور (گناہ سے) ہٹ جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے۔ اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو یہ نشان بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اُسکے پورے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور یہی وہ "ران" (زنگ) ہے۔"

(ابن ماجہ، کتاب الزہد، حدیث نمبر 4244)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "یہ سچی بات ہے کہ توبہ اور استغفار سے گناہ بخشے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ سچی توبہ کرنے والا معصوم کے رنگ میں ہوتا ہے۔ پچھلے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں پھر آئندہ کیلئے خدا سے معاملہ صاف کرلے۔ اس طرح پر خدا کے اولیاء میں داخل ہوجائے گا۔ اور پھر اس پر کوئی خوف وحزن نہیں ہوگا۔"

(ملفوظات، جلد سوم، صفحہ 594، مطبوعہ قادیان 2003)

دسواں ذریعہ: خدمت خلق

تعلق باللہ کا دسواں ذریعہ خدمت خلق ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: 149) یعنی یہ کہ جب کوئی شخص محسن ہوجاتا ہے اور بنی نوع انسان سے حسن سلوک کرنے لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔

پس مخلوق الٰہی کی خیرخواہی اور اُس سے محبت کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ بے شک یہ درست ہے کہ عشق مجازی کے بغیر عشق حقیقی پیدا نہیں ہوسکتا لیکن عشق مجازی کے صرف اس قدر معنی ہیں کہ جب تک انسان بنی نوع انسان کی محبت اور اُن کیلئے قربانی اور ایثار کا مادہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتا اُس وقت تک خدا تعالیٰ اس سے محبت نہیں کر سکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الخلق عِیَالُ اللہ واحب الخلق الی اللہ تعالی من احسن الی عیالہ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب) کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ اللہ کو وہ شخص بہت پسند ہے جو خدا کی مخلوق سے حسن سلوک کرتا ہے۔ انسانوں کے علاوہ چرند پرند اور حیوانات بھی اس میں شامل ہیں۔ ہر ایک انسان سے بغیر کسی تفریق کے حسن سلوک کرنا نیکی کی ایسی راہ ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ کی محبت اور قربت عطا کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "یادرکھو کہ خدا تعالیٰ نیکی کو بہت پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسکی مخلوق سے ہمدردی کی جاوے۔ اگر وہ بدی کو پسند کرتا تو بدی کی تاکید کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک ہے (سبحانہ تعالیٰ شانہ)...... پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو اور بلاتمیز ہر ایک سے نیکی کرو کیونکہ یہی قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (الدھر: 9) وہ اسیر اور قیدی جو آتے تھے اکثر کفار ہی ہوتے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اسلام کی ہمدردی کی انتہا کیا ہے۔ میری رائے میں کامل اخلاقی تعلیم بجز اسلام کے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئی۔"

(ملفوظات جلد چہارم، صفحہ 218، مطبوعہ قادیان 2003)

گیارھواں ذریعہ: امام الزمان کی تحریرات

تعلق باللہ کا گیارھواں ذریعہ امام الزمان کی تحریرات ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر فرمودہ کتب کا مطالعہ بھی تعلق باللہ کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو کتابیں ایک ایسے شخص نے لکھی ہوں جس پر فرشتے نازل ہوتے تھے ان کتابوں کے پڑھنے والوں پر بھی ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اس طرح وہ قرب الٰہی کا شیریں پھل پاتے ہیں۔

بارھواں ذریعہ: خلیفہ وقت سے پختہ تعلق

تعلق باللہ کا بارھواں ذریعہ خلیفہ وقت سے پختہ تعلق ہے۔ خلیفہ خدا تعالیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت میں کام کرتے ہیں اور انہی معنوں میں قرآن شریف نے حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کو "خلیفہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ دوم وہ برگزیدہ شخص جو کسی نبی یا روحانی مصلح کی وفات کے بعد اسکے کام کی تکمیل کیلئے اسکا قائم مقام اور اسکی جماعت کا امام بنتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ بنے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا کہ ما کانت النبوۃ قط اِلاَّ تبعتها خلافة (کنز العمال، جلد 6، صفحہ 119) کہ ہر نبوت کے بعد خلافت لازمی طور پر قائم ہوتی رہی ہے۔

خلیفہ چونکہ خدا بناتا ہے اور وہ نبی کا جانشین ہوتا ہے اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوکر ہدایت پاتا ہے۔ لہٰذا جو خلیفہ وقت کی کامل اطاعت کرتے ہوئے اُس سے پختہ تعلق قائم کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کی توفیق پاتا ہے۔

امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کی تلاش کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کو پا سکتے ہیں یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے مختلف درجے ہیں جو ایک جہد مسلسل سے اللہ تعالیٰ کی توجہ کو جذب کرکے انسان کو

اللہ تعالیٰ کا قرب دلاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کو پانے کیلئے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب اور اُس کی طاقتوں اور صفات پر کامل ایمان اس مسلسل کوشش کی طرف انسان کو مائل کرتا ہے۔ اگر صرف عقل کے ترازو سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کی کوشش ہوگی تو اللہ تعالیٰ نظر نہیں آسکتا۔ وہ اپنی طرف آنے کے راستے نہیں دکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو پانے کیلئے اُسکے راستوں کی تلاش کیلئے پہلی کوشش بندے نے کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پہچان کیلئے بھی بندے کو اندھیرے میں نہیں رکھا کہ کس طرح راستے تلاش کرنے ہیں۔ سب سے اول اس زمانہ کیلئے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کے قیامت تک کے زمانے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس میں سے راستے تلاش کرو۔ اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعہ انسان کو راستوں کی نشاندہی کرتا رہا ہے۔ اور پھر انبیاء کے ذریعے سے نشانات اور عجائبات دکھا کر اپنی ہستی کا ثبوت بھی پیش کرتا ہے تاکہ ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کے راستوں کی پہچان ہو سکے۔'' (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 3/ستمبر 2010ء بمقام مسجد بیت الفتوح لندن)

حرف آخر

تعلق باللہ کے بے شمار ذرائع میں سے چند ذرائع بطور نمونہ پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اگر کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ آیا اللہ تعالیٰ ہے بھی کہ نہیں یا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو بھی سکتا ہے کہ نہیں، تو اُسے اپنا جائزہ لینا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے ؎

نہ دکھائی دوں تو یہ فکر کر کہیں فرق نہ ہو نگاہ میں

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی محبت عطا فرمائے اور ماسوا اللہ کی محبت ہمارے دلوں سے ختم کر دے اور جن سے محبت کرنا اُس کے منشاء کے مطابق ہو اُس سے اسی قسم کی اور اُتنی ہی محبت ہمیں ہو کہ جس سے خدا تعالیٰ کی محبت بڑھے اور اُس سے تعلق قائم ہو حتیٰ کہ ہماری محبت اُس کی محبت کو کھینچ لے اور وہ ہمارا چاہنے والا بن جائے۔ اللّٰھم آمین۔

......☆......☆......☆......

نصرتِ الٰہی

(کلام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خس رہ کو اڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی اُن پہ اِک طوفان لاتی ہے
غرض رکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

......☆......☆......☆......

قادرِ مطلق کے حضور

(منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

اِک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا
تجھ کو سب قدرت ہے اَے ربُّ الوریٰ
حق پرستی کا مٹا جاتا ہے نام
اِک نشاں دکھلا کہ ہو حجت تمام

سن رہا ہوں قدم مالک تقدیر کی چاپ آرہے ہیں مری بگڑی کے بنانے والے

کلام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

اے مجھے اپنا پرستار بنانے والے
جوت اِک پریت کی ہِردے میں جگانے والے
سرمدی پریم کی آشاؤں کو دھیرے دھیرے
مدھ بھرے سُر میں مدھر گیت سنانے والے
اے محبت کے اَمَر دیپ جلانے والے
پیار کرنے کی مجھے رِیت سکھانے والے
غم فرقت میں کبھی اتنا رُلانے والے
کبھی دِلداری کے جھولوں میں جھلانے والے
دیکھ کر دل کو نکلتا ہوا ہاتھوں سے کبھی
رس بھری لوریاں دے دے کے سلانے والے
راہ گیروں کے بسیروں میں ٹھکانا کر کے
بے ٹھکانوں کو بنا ڈالا ٹھکانے والے
مجھ سے بڑھ کر مری بخشش کے بہانوں کی تلاش
کس نے دیکھے تھے کبھی ایسے بہانے والے
مجھ سے بھی تو کبھی کہہ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّه
روح بیتاب ہے روحوں کو بلانے والے
اس طرف بھی ہو کبھی، کاشف اسرار، نگاہ
ہم بھی ہیں ایک تمنا کے چھپانے والے
اے مرے درد کو سینے میں بسانے والے
اپنی پلکوں پہ مرے اَشک سجانے والے
خاک آلودہ، پراگندہ، زبوں حالوں کو
کھینچ کر قدموں سے زانو پہ بٹھانے والے
مَیں کہاں اور کہاں حرف شکایت آقا!
ہاں یونہی ہول سے اٹھتے ہیں ستانے والے
ہو اجازت تو ترے پاؤں پہ سر رکھ کے کہوں
کیا ہوئے دن تیری غیرت کے دکھانے والے
یہ نہ ہو روتے ہی رہ جائیں ترے در کے فقیر
اور ہنس ہنس کے روانہ ہوں رلانے والے
ہم نہ ہوں گے تو ہمیں کیا؟ کوئی کل کیا دیکھے
آج دکھلا جو دکھانا ہے دکھانے والے
وقت ہے وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
کون ہیں یہ تری تحریر مٹانے والے
چھین لے اِن سے زمانے کی عناں، مالک وقت
بنے پھرتے ہیں کم اوقات زمانے والے
چشم گردوں نے کبھی پھر نہیں دیکھے وہ لوگ
آئے پہلے بھی تو تھے آکے نہ جانے والے
سن رہا ہوں قدم مالک تقدیر کی چاپ
آرہے ہیں مری بگڑی کے بنانے والے

......☆......☆......☆......

جماعت احمدیہ کا لٹریچر اور ہستی باری تعالیٰ

(حافظ سید رسول نیاز، مربی سلسلہ، نظارت نشر و اشاعت قادیان)

تعجب کا مقام

یہ نہایت ہی تعجب کا مقام ہے کہ انسان کو جس خدائے برتر نے اشرف المخلوقات کے خطاب سے نواز کر پیدا کیا ہے وہی انسان خدا کی ہستی کا منکر بنا پھرتا ہے۔ وہ خدا جو تمام موجودات کے وجود کا سرچشمہ اور تمام مخلوقات کے خلق کا منبع ہے اسکی ذات کے بارے میں شک کا سوال اٹھنا ہی انسان کی بدقسمتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ کیا ہی خوب سوال کیا ہے۔ قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (ابراہیم:11) یعنی ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سعید روح پکار اُٹھتی ہے۔

جبکہ تجھ بِن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

حضرت مسیح موعودؑ کا علم کلام اور ہستی باری تعالیٰ

انسان تکبر کی وجہ سے یا پھر خدا کی ہستی کو ماننے سے مذہبی اور اخلاقی طور پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں ان سے آزاد اور بے باک زندگی گزارنے کیلئے ہستی باری تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں انبیاء کو مبعوث کرکے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ انبیاء کے ذریعہ ہی خدا تعالیٰ کے وجود پر لوگوں کو یقین دلایا جاتا ہے۔ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِيۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ (النحل: 14) یعنی اور یقیناً ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے اجتناب کرو پس ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور انہی میں ایسے بھی ہیں جن پر گمراہی واجب ہوگئی پس زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا تھا۔

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرما کر اپنی ہستی اور ذات کو دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کیلئے اور زندہ خدا کو دنیا کو دکھانے کیلئے اپنی تحریرات، مکتوبات اور ملفوظات کے ذریعہ انتھک محنت کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علم کلام چار اقسام پر مشتمل ہے:

(1) **تالیفات:** حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تالیفات کو یکجائی صورت میں روحانی خزائن کے نام سے شائع کیا گیا ہے جو کہ 23 جلدوں پر مشتمل ہے۔ کل صفحات کی تعداد (11701) بنتی ہے۔

(2) **مکتوبات:** سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اپنوں اور غیروں کو لکھے گئے مکتوبات جمع کردیئے گئے ہیں۔ صفحات کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔

(3) **ملفوظات:** ملفوظات سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ پاکیزہ اور پُر معارف کلام ہے جو آپؑ نے اپنی مختلف مقدس مجالس میں وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا ہے۔ ملفوظات کے صفحات کی تعداد (3329) ہے۔

(4) **روایات:** روایات سے مراد وہ ملفوظات، ارشادات اور واقعات ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کے بعد جمع کی گئی ہیں۔ یہ بھی کئی صفحات پر مشتمل ہیں۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے، اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کیلئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے، دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کرسکتا۔‘‘ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن، جلد3، صفحہ 104)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان چاروں قسم کے کلام کے ذریعہ ہستی باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے اور مضبوط دلائل کے ساتھ بتایا کہ خدا کی ہستی جو تمام عیوب سے منزہ اور تمام صفات حسنہ سے متصف ہے صرف اسلامی تعلیمات سے مل سکتی ہے۔ ہستی باری تعالیٰ کے متعلق آپؑ کے علم کلام سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

صانع عالَم کی ضرورت

پھر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایک زبردست دلیل پیش کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں۔

’’اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلۡحَيُّ الۡقَيُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ (البقرة: 256) اب بنظر انصاف دیکھنا چاہئے کہ کس بلاغت اور لطافت اور متانت اور حکمت سے اس آیت میں وجود صانع عالم پر دلیل بیان فرمائی ہے اور کس قدر تھوڑے لفظوں میں معانی کثیرہ اور لطائف حکمیہ کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے اور مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ کیلئے ایسی محکم دلیل سے وجود ایک خالق کامل الصفات کا ثابت کر دکھایا ہے جس کے کامل اور محیط بیان کے برابر کسی حکیم نے آج تک کوئی تقریر بیان نہیں کی بلکہ حکماء ناقص الفہم نے ارواح اور اجسام کو حادث بھی نہیں سمجھا اور اس رازِ دقیق سے بے خبر رہے کہ حیات حقیقی اور ہستی حقیقی اور قیام حقیقی صرف خدا ہی کیلئے مسلم ہے یہ عمیق معرفت اسی آیت سے انسان کو حاصل ہوتی ہے جس میں خدا نے فرمایا کہ حقیقی طور پر زندگی اور بقاء زندگی صرف اللہ کیلئے حاصل ہے جو جامع صفات کاملہ ہے اسکے بغیر کسی دوسری چیز کو وجود حقیقی اور قیام حقیقی حاصل نہیں اور اسی بات کو صانع عالم کی ضرورت کیلئے دلیل ٹھہرایا اور فرمایا: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ (البقرة: 256) یعنی جبکہ عالم کیلئے نہ حیات حقیقی حاصل ہے نہ قیام حقیقی تو بالضرور اس کو ایک علّتِ موجبہ کی حاجت ہے جس کے ذریعہ سے اس کو حیات اور قیام حاصل ہوا۔ اور ضرور ہے کہ ایسی علّتِ موجبہ جامع صفات کاملہ اور مدبّر بالارادہ اور حکیم اور عالم الغیب ہو۔ سو وہی اللہ ہے۔‘‘ (براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن، جلد1، صفحہ 516 تا 517)

خدا کو حاصل کرو

خدا تعالیٰ کو حاصل کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنی ایک کتاب میں نہایت درد کے ساتھ آپؑ فرماتے ہیں: ’’تم اس خدا کے پہچاننے کیلئے بہت کوشش کرو جس کا پانا عین نجات اور جس کا ملنا عین رستگاری ہے۔ وہ خدا اسی پر ظاہر ہوتا ہے جو دل کی سچائی اور محبت سے اس کو ڈھونڈتا ہے۔ وہ اسی پر تجلی فرماتا ہے جو اسی کا ہو جاتا ہے۔ وہ دل جو پاک ہیں وہ اس کا تخت گاہ ہیں اور وہ زبانیں جو جھوٹ اور گالی اور یاوہ گوئی سے منزّہ ہیں وہ اس کی وحی کی جگہ ہیں اور ہر ایک جو اس کی رضا میں فنا ہوتا ہے اس کی اعجازی قدرت کا مظہر ہو جاتا ہے۔‘‘ (کشف الغطاء، روحانی خزائن، جلد14، صفحہ 188)

متاثر سے مؤثر کا وجود ثابت ہوتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف آئینہ کمالات اسلام میں ہستی باری تعالیٰ کا ایک زبردست ثبوت پیش فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: ’’متاثر کے وجود سے موثر کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے تو پھر خدا تعالیٰ کے وجود کا بھی کیونکر پتہ لگ سکتا ہے کیا کوئی دکھلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے صرف متأثرات کی طرف دیکھ کر جو اس کی قدرت کے نمونے ہیں اس موثر حقیقی کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے۔ ہاں عارف اپنے انتہائی مقام پر روحانی آنکھوں سے اس کو دیکھتے ہیں اور اس کی باتوں کو بھی سنتے ہیں مگر محجوب کیلئے بجز اس کے اور استدلال کا طریق کیا ہے کہ متاثرات کو دیکھ کر اس موثر حقیقی کے وجود پر ایمان لاوے سو اسی طریق سے روح القدس اور شیاطین کا وجود ثابت ہوتا ہے اور نہ صرف ثابت ہوتا ہے بلکہ نہایت صفائی سے نظر آجاتا ہے افسوس ان لوگوں کی حالت پر جو فلسفہ باطلہ کی ظلمت سے متاثر ہو کر ملائک اور شیاطین کے وجود سے انکار کر بیٹھے ہیں اور بینات اور نصوص صریحہ قرآن کریم سے انکار کردیا اور نادانی سے بھرے ہوئے الحاد کے گڑھے میں گر پڑے۔ اور اس جگہ واضح رہے کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن کے اثبات کیلئے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے استنباط حقائق میں اس عاجز کو متفرد کیا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک‘‘ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن، جلد5، صفحہ 88، 89)

قرآن کریم

ہستی باری تعالیٰ کے دلائل سے لبریز ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام میں واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں ہستی باری کے دلائل بھرے ہوئے ہیں۔آپؑ فرماتے ہیں:''ایمانی مرتبہ میں خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ایک ایمان بالغیب ہے مگر قرآنِ کریم کو دیکھو کہ اُس صانع کا وجود ثابت کرنے کے لئے کس قدر استدلالات اور براہین شافیہ سے بھرا ہوا ہے۔''(آئینہ کمالات اسلام،روحانی خزائن،جلد5،صفحہ 206 حاشیہ)

''جس طرح خدا کی ذات انسان کے علم اور فہم سے برتر ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے افعال بھی انسان کے علم اور فہم سے برتر ہیں اور خدا نے قرآن شریف میں زبردست نشانوں کے ساتھ اپنی ذات اور صفات کو ثابت کیا ہے اور انسانی عقل کو وہ تکلیف نہیں دی جس کے وہ لائق نہیں......اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ نظام جسمانی میں خدا نے بعض چیزوں کی تکمیل کیلئے بعض اسباب رکھے ہیں اسی طرح نظام روحانی میں بھی وہ اسباب ہیں تا دونوں نظام باہم مطابق ہوکر ایک خدا پر دلالت کریں۔''(چشمہ معرفت،روحانی خزائن،جلد23،صفحہ 434)

اللہ تعالیٰ کے وجود پر تمام مذاہب کا اتفاق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:''صاحبو تمام اہل مذاہب جو سزا جزا کو مانتے ہیں اور بقاء روح اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں اگرچہ صدہا باتوں میں مختلف ہیں مگر اس کلمہ پر سب اتفاق رکھتے ہیں جو خدا موجود ہے۔اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسی خدا نے ہمیں یہ مذہب دیا ہے اور اسی کی یہ ہدایت ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے اور کہتے ہیں کہ اس کی مرضی پر چلنے والے اور اسکے پیارے بندے صرف ہم لوگ ہیں اور باقی سب مورد غضب اور ضلالت کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں جن سے خدا تعالیٰ سخت ناراض ہے۔''

(آئینہ کمالات اسلام،روحانی خزائن، جلد5،صفحہ 274)

خدا کے وجود کا فائدہ دعاؤں کا سننا ہے

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کرکے انسان کو بدی اور نیکی کا راستہ دکھا دیا ہے۔لیکن انسان مختلف اوقات میں دینی و دنیوی لحاظ سے مشکلات کا شکار ہوتا ہے۔ایسے وقت میں انسان کو چاہئے کہ وہ خدا کے حضور عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنی تکالیف پیش کرکے مخلصی اور مشکلات سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔جب انسان سچے دل سے پورے وثوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کیلئے آگے آتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:''خدا تعالیٰ کے وجود کا فائدہ بھی تو یہی ہے کہ ہماری دُعائیں سُنے اور آپ اپنے وجود سے ہمیں خبر دے۔نہ کہ ہم ہزار ہزار تکلیف سے ایک بُت کی طرح ایک فرضی خدا دل میں قائم کریں جس کی ہم آواز نہیں سُن سکتے اور اُسکی نمایاں قدرت کا کوئی جلوہ نہیں دیکھ سکتے۔یقیناً سمجھو کہ وہ قادر خدا موجود ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔''(برکات الدعاء،روحانی خزائن،جلد6،صفحہ 32)

زندہ خدا کو پانے کا راز

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:''انسان قرب کے مدارج میں کہاں تک پہنچ سکتا ہے اس کا کچھ انتہا بھی ہے ہرگز نہیں۔اے مُردوں کے پرستارو زندہ خدا موجود ہے اگر اس کو ڈھونڈو گے پاؤ گے۔اگر صدق کے پیروں کے ساتھ چلو گے تو ضرور پہنچو گے۔یہ نامردوں اور مخنثوں کا کام ہے کہ انسان ہوکر اپنے جیسے انسان کی پرستش کرنا۔اگر ایک کو باکمال سمجھتے ہو تو کوشش کرو کہ ویسے ہی ہو جاؤ نہ یہ کہ اس کی پرستش کرو۔''

(اتمام الحجہ،روحانی خزائن جلد8 صفحہ 308)

ہر شئے خدا کا پتا دیتی ہے

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:''صحیفہ قدرت پر نظر ڈالنے سے یہ بات ضروری طور پر ماننی پڑتی ہے کہ جو چیزیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے پیدا ہوئیں یا اس سے صادر ہوئیں ان کی اول علامت یہی ہے کہ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق خدا شناسی کی راہوں کے خادم ہوں اور اپنے وجود کی اصلی غرض بزبان قال یا حال یہی ظاہر کریں کہ وہ باری تعالیٰ کا ذریعہ اور اسی کے راہ کے خادم ہیں۔''

(منن الرحمن،روحانی خزائن،جلد9،صفحہ 165)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:''دین اسلام درحقیقت سچا ہے اور اس کی تائید میں خدا تعالیٰ بڑے بڑے عجائبات دکھلاتا ہے اگرچہ اس غیب الغیب کا وجود اس آگ سے بھی زیادہ مخفی ہے جو پتھروں اور ہر ایک جسم میں پوشیدہ ہے مگر تاہم کبھی کبھی اس وجود کی دنیا پر چمکار پڑتی رہتی ہے۔''

(ست بچن،روحانی خزائن،جلد10،صفحہ 157)

ہستی باری تعالیٰ کے دلائل

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:''اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں۔جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے۔رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ:51) یعنی خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شئے کو مناسب حال اسکو پیدائش بخشی۔پھر اس شئے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کیلئے راہ دکھلا دی۔اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لے کر تمام بحری اور برّی جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔

ایک مدبّر کا ہونا

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے۔لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسٓ:41) یعنی آفتاب چاند کو پکڑ نہیں سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے۔یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا۔اگر ان کا کوئی مدبر در پردہ نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کیلئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بے شمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا۔اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بے شمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے۔انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کرکے خدا تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراہیم:11) یعنی کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی۔

ہر ایک شئے زوال پذیر ہے

پھر ایک اور لطیف دلیل اپنی ہستی پر فرماتا ہے اور وہ یہ ہے۔كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن:27 تا 28) یعنی ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے۔اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے۔مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے۔بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر فنا طاری نہ ہو اور تبدل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے۔پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دست برد سے محفوظ رہا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی،روحانی خزائن، جلد10،صفحہ 368)

میری مجلس میں حاضر ہونے والا دہریہ بھی خدا کا قائل ہوگا

''اس زمانہ کے عیسائیوں پر گواہی دینے کیلئے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تا میں لوگوں پر ظاہر کروں کہ ابن مریم کو خدا ٹھہرانا ایک باطل اور کفر کی راہ ہے۔اور مجھے اس نے اپنے مکالمات اور مخاطبات سے مشرف فرمایا ہے اور مجھے اس نے بہت سے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے اور میری تائید میں اس نے بہت سے خوارق ظاہر فرمائے ہیں۔اور درحقیقت اسکے فضل و کرم سے ہماری مجلس خدا نما مجلس ہے۔جو شخص اس مجلس میں صحت نیت اور پاک ارادہ اور مستقیم جستجو سے ایک مدت تک رہے تو میں یقین کرتا ہوں کہ اگر وہ دہریہ بھی ہو تو آخر خدا تعالیٰ پر ایمان لاوے گا۔''

(کتاب البریہ،روحانی خزائن،جلد13،صفحہ 55)

اخبارِ غیب سے ہستی باری تعالیٰ پر یقین

''خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا کہ تا میں حلم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اُس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے لوگوں کو راہِ راست پر چلاؤں۔انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے دلائل اُس کو ملیں جن کے رُو سے اُس کو یقین آجائے کہ خدا ہے کیونکہ ایک بڑا حصہ دنیا کا اسی راہ سے ہلاک ہو رہا ہے کہ اُن کو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی الہامی

ہدایتوں پر ایمان نہیں ہے۔ اور خدا کی ہستی کے ماننے کیلئے اِس سے زیادہ صاف اور قریب الفہم اور کوئی راہ نہیں کہ وہ غیب کی باتیں اور پوشیدہ واقعات اور آئندہ زمانہ کی خبریں اپنے خاص لوگوں کو بتلاتا ہے اور وہ نہاں درنہاں اسرار جن کا دریافت کرنا انسانی طاقتوں سے بالا تر ہے اپنے مقربوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ کیونکہ انسان کیلئے کوئی راہ نہیں جسکے ذریعہ سے آئندہ زمانہ کی ایسی پوشیدہ اور انسانی طاقتوں سے بالاتر خبریں اس کو مل سکیں اور بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ غیب کے واقعات اور غیب کی خبریں بالخصوص جن کے ساتھ قدرت اور حکم ہے ایسے امور ہیں جن کے حاصل کرنے پر کسی طور سے انسانی طاقت خود بخود قادر نہیں ہوسکتی۔'' (تریاق القلوب، روحانی خزائن، جلد 15، صفحہ 143)

معجزات سے خدا تعالیٰ انا الموجود کہتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''افسوس ہے دو آدمیوں کی شہادت پر ایک مجرم کو پھانسی مل سکتی ہے مگر باوجودیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور بے انتہا ولیوں کی شہادت موجود ہے لیکن ابھی تک اس قسم کا الحاد لوگوں کے دِلوں سے نہیں گیا۔ ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنے مقتدر نشانوں اور معجزات سے اَنَا المَوجُود کہتا ہے مگر یہ کمبخت کان رکھتے ہوئے بھی نہیں سنتے۔'' (روئداد جلسہ، روحانی خزائن، جلد 15، صفحہ 614)

مصنوعات سے خدا کا پتہ ملتا ہے اور کلام الٰہی سے یقین پید ہوتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''مصنوعات پر نظر کر کے جن میں ایک ابلغ اور محکم ترکیب پائی جاتی ہے یہ ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا ایک صانع ہونا چاہئے لیکن یہ دلائل یہ ثابت نہیں کرتے کہ وہ صانع فی الواقع ہے بھی۔ اور ہے اور ہونا چاہئے میں ایک فرق ہے جو اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ پہلی کتابیں اور پہلے معجزات خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک قطعی دلیل ہے۔ کیونکہ اس وقت نہ وہ معجزات بدیہی طور پر مشاہدات میں سے ہیں اور نہ اس وقت وہ کلام نازل ہو رہا ہے۔ ہاں قرآن شریف معجزہ ہے مگر وہ اس بات کو چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک ایسا شخص ہو کہ اس معجزہ کے جوہر ظاہر کرے اور وہ وہی ہوگا جو بذریعہ الہامی کلام کے پاک کیا جائے گا۔'' (نزول المسیح روحانی خزائن، جلد 18، صفحہ 490)

خدا سب سے زیادہ کس سے پہچانا جاتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدا سب سے زیادہ اپنی زمینی بادشاہت سے ہی پہچانا گیا ہے کیونکہ ہر ایک شخص خیال کرتا ہے کہ آسمان کا راز مخفی اور غیر مشہود ہے بلکہ حال کے زمانہ میں قریباً تمام عیسائی اور اُن کے فلاسفر آسمانوں کے وجود کے ہی قائل نہیں جن پر خدا کی بادشاہت کا انجیلوں میں سارا مدار رکھا گیا ہے مگر زمین تو فی الواقع ایک کُرّہ ہمارے پاؤں کے نیچے ہے اور ہزارہا قضا و قدر کے امور اس پر ایسے ظاہر ہو رہے ہیں جو خود سمجھ آتا ہے کہ یہ سب کچھ تغیر و تبدل اور حدوث اور فنا کسی خاص مالک کے حکم سے ہو رہا ہے پھر کیونکر کہا جائے کہ زمین پر ابھی خدا کی بادشاہت نہیں۔'' (کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 41)

خدا کی ہستی پر دو قسم کے دلائل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''خدا تعالیٰ کی ہستی پر دو قسم کے دلائل قائم ہوسکتے ہیں اوّل اس حالت میں دلیل قائم ہوتی ہے کہ جب اس کی ذات کو سرچشمہ تمام فیوض کا مان لیا جائے اور اسی کو ہر ایک ہستی کا پیدا کنندہ تسلیم کر لیا جاوے تو اس صورت میں خواہ ذرات عالم پر نظر کریں یا ارواح پر یا اجسام پر ضروری طور پر ماننا پڑے گا کہ ان تمام مصنوعات کا ایک صانع ہے۔ دوسرا طریق خدا تعالیٰ کی شناخت کا اس کے تازہ بتازہ نشانات ہیں جو انبیاء اور اولیاء کی معرفت ظاہر ہوتے ہیں۔'' (چشمہ معرفت، روحانی خزائن، جلد 23، صفحہ 179 حاشیہ)

محدود چیزیں ایک محدّد پر دلالت کرتی ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (الحدید: 3) وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا (الفرقان: 3) (ترجمہ) یعنی زمین اور آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے سب خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے کیونکہ وہ سب چیزیں اُسی نے پیدا کی ہیں اور پھر ہر ایک مخلوق کی طاقت اور کام کی ایک حد مقرر کر دی ہے تا محدود چیزیں ایک محدّد پر دلالت کریں جو خدا تعالیٰ ہے سو ہم دیکھتے ہیں کہ جیسا کہ اجسام اپنے اپنے حدود میں مقید ہیں اور اس حد سے باہر نہیں ہوسکتے اِسی طرح ارواح بھی مقید ہیں اور اپنی مقررہ طاقتوں سے زیادہ کوئی طاقت پیدا نہیں کر سکتے۔'' (چشمہ معرفت، روحانی خزائن، جلد 23، صفحہ 17)

خلافت اور ہستی باری تعالیٰ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی ایک مجسم قدرت تھے۔ اور خلافت کو آپؑ نے خدا تعالیٰ کی دوسری قدرت قرار دیا ہے۔ خلافت کے ذریعہ ہمیشہ ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت دنیا کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اور ہستی باری تعالیٰ

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی ساری زندگی ہستی باری تعالیٰ کیلئے ایک عظیم الشان دلیل ہے۔ آپ کے مندرجہ ذیل کارنامے خدائی تائید سے سرانجام پاکر احمدیت کے لٹریچر میں ہستی باری تعالیٰ کا بین ثبوت ثابت ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر شمع احمدیت کو ہمیشہ کیلئے گُل کرنے کے ناپاک عزائم لیکر مخالفین نے اپنی ریشہ دوانیاں تیز کر دی تھیں۔ آپؓ نے بہترین انداز میں اُن کا تدارک فرمایا۔ منکرین خلافت کے تمام گندے ہتھکنڈوں کو ناکام کرتے ہوئے خلافت احمدیہ کو استحکام عطا کیا۔ جماعت کو وحدت کی لڑی میں پروئے رکھا۔ آپ کے خطبات، خطابات، درس القرآن، لندن میں تبلیغ اسلام کے غرض سے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ کا 25 جولائی 1913ء کو لندن پہنچنا، انتہائی غربت کے زمانہ میں قادیان میں مسجد نور، مردانہ ہسپتال، زنانہ ہسپتال اور دار الضعفاء کا تعمیر ہونا اور خصوصاً صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین احمدؓ کے خلیفہ بننے کے سلسلہ میں اشارتاً پیشگوئی فرمانا اور احمدیت کے اس قافلے کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ آگے بڑھانا خدائی نصرت کے عظیم الشان دلائل ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ہستی کو ایک موقع پر نہایت عمدہ طریق پر ثابت کرنے کا واقعہ درج ذیل ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں: (1) ''ایک دہریہ نے ہستی باری تعالیٰ پر مجھ سے پوچھا اور کہا کہ میں سمعی دلیل نہیں مانتا۔ میں نے دعا کی اور اس کے بعد یوں کلام شروع کیا کہ آپ کس طرح یہاں تشریف لائے۔ تو کہا کہ میں نے سنا تھا آپ بڑے ذہین اور فلسفی ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں اب یہاں ہوں۔ بولا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ اب قادیان میں رہتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ کس سٹیشن پر اترے تھے تو اس کو معاً خیال آگیا کہ اس نے سنا ہے (بٹالہ اسٹیشن ہے اترنے والو اترو) تو حیران ہو کر خاموش ہوگیا کیونکہ ان تمام امور میں اس نے سمعی دلائل سے کام لیا بلکہ باپ کے بیٹا ہونے میں بھی۔''

(2) ''سفر میں ایک بادشاہ کی مجلس میں بڑے طویل و عریض مقام پر سفید چاندنی بچھی تھی اور نرم نرم ہوا کے باعث اس میں خوشنما تموج ہوتا تھا مجھے تموج بھلا معلوم ہوتا تھا اور اسکی طرف متوجہ ہوا اور اسی حال میں وہ بادشاہ اپنے وزیر سے جو دہریہ مزاج تھا ہستی باری پر شوقیہ بحث کر رہا تھا۔ بادشاہ نے مجھ سے فرمایا کہ ہستی باری کی کوئی دلیل بیان کرو۔ میں نے عرض کیا کہ یہ دلربا تموج چاندنی کا۔ بادشاہ نے جب اس دلربا تموج کو دیکھا تو اسے نہایت ہی مرغوب آیا اور مجھے فرمایا کہ کیونکر؟ میں نے عرض کیا کہ اس تموج کا باعث چاندنی کا ارادہ ہے یا اس میں طبعی خواہش ہے۔ تو وزیر نے کہا کہ یہ تموج ہوا کی خاص رفتار کے باعث ہے اور یہ متاثر چاندنی بے ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا اس طرح کی رفتار اس وقت ہوا کی طبعی خاصیت سے ہے۔ تو اس نے کہا کہ ایک خاص انقباض کے باعث ہوا میں یہ خاص رفتار ہے۔ میں نے کہا کہ یہ انقباض بالارادہ ہے اور مجھے یقین تھا کہ یہ فلسفی ہے دو تین قدم سے زیادہ نہیں چلے گا۔ تو اتنے میں معاً اس نے کہا کہ غیر معلوم سبب اس انقباض خاص کا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ غیر معلوم سبب ارادہ رکھتا ہے کہ نہیں۔ اس پر بولا کہ ایک گریٹ پاور اس انتظام کا موجب ہے۔ اس پر میں نے اور بادشاہ نے معاً کہا کہ یہ اصطلاحی لفظ ہے اس کو اللہ، پرمیشر، گاڈ جو چاہو کہو۔ تب اس نے کہا کہ مَیں منکر نہیں بلکہ طالب دلیل ہوں۔ (بحوالہ ارشادات نور جلد اوّل صفحہ 187 تا 188)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہستی باری تعالیٰ

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش، آشوب چشم سے شفایاب ہونا، قرآن مجید کا علم، 25 سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے خلیفہ کے طور پر منتخب ہونا، غیر مبائعین کو دلائل کے میدان میں شکست دینا، اندرون جماعت کی تربیت کیلئے جماعت کو پانچ ذیلی

تنظیموں میں منقسم کرنا، جماعت کی فلاح وبہبودی کیلئے نظارتوں کا قیام، تحریک جدید، وقفِ جدید، عیسائیت کے مرکز لندن میں مسجد فضل کا سنگ بنیاد رکھ کر الوہیت مسیح کے قلعہ کو مسمار کرنے کا عزم کرنا، ناگزیر حالات میں احمدیوں کی حفاظت کے علاوہ مرکز احمدیت قادیان کی حفاظت کی تدابیر کرنا، 1953ء کے فسادات سے جماعت کو بچانا، مختلف تقاریر سے دینی و دنیوی حلقہ میں دھوم مچانا، جماعت کے مبلغین کا جال بیرون ممالک میں پھیلانا، ربوہ کا قیام وغیرہ ایسے عظیم الشان کارنامے ہیں کہ جن کے بارے میں جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا مطالعہ کرکے آج بھی ایک دہریہ سمجھ سکتا ہے کہ ایک زندہ خدا موجود ہے جو جماعتِ احمدیہ کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ ہستی باری تعالیٰ کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اگر تم نظام عالم پر غور کرو تو تمہیں ذرہ ذرہ میں خدا تعالیٰ کا وجود نظر آئیگا۔ اور تمہیں اقرار کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں ان تمام کو حق وحکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے یعنی ان کی پیدائش بلاوجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے کوئی بہت بڑا مقصد کام کر رہا ہے اور چونکہ وہ مقصد اس دنیا میں پورا ہوتا نظر نہیں آتا اس لئے ضروری ہے کہ انسانی زندگی اسی دنیا تک محدود نہ ہو تاکہ وہ اس نظام کی عظمت کے مطابق اس اعلیٰ مقام کو حاصل کرلے جس کیلئے اس کی پیدائش معرض وجود میں آئی ہے۔ اگر انسان کی زندگی صرف اس دنیا تک ختم ہو جانے والی ہوتی تو اس کیلئے اتنا بڑا نظام جاری کرنا جس کے اسرار کو علوم کی انتہائی ترقی کے باوجود ابھی تک سائنسدان بھی معلوم نہیں کر سکے ایک لغو اور خلافِ عقل فعل قرار پاتا ہے۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 315 تا 320)

دس دلائل ہستی باری تعالیٰ

علوم ظاہری و باطنی سے پُر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے 1913ء میں شائع ہونے والے اس ٹریکٹ میں قرآن کریم سے انتہائی مدلّل لیکن عام فہم انداز میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں دس مؤثر دلائل بیان فرمائے ہیں۔ یہ مختصر تصنیف صرف 20 صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن اس میں بہت ہی اعلیٰ اور لاتردید انداز میں ہستی باری تعالیٰ کے دس دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اور معرکۃ الآراء کتاب ہستی باری تعالیٰ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ آپؓ نے جلسہ سالانہ 1921ء کے موقع پر ’’ہستی باری تعالیٰ‘‘ کے موضوع پر حقائق و معارف سے پُر تقریر فرمائی تھی۔ آپؓ نے اپنی اس تقریر میں ہستی باری تعالیٰ کے آٹھ دلائل اور ان پر پیدا ہونے والے اعتراضات کے جواب ارشاد فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق اہل یورپ کے خیالات، زرتشتیوں کے خیالات، ہندوؤں کے خیالات اور آریوں کے تصورات کے بالمقابل اسلام کی خدا تعالیٰ سے متعلق تعلیمات تفصیل سے بیان فرمائی ہیں۔ علاوہ ازیں حضور نے اپنی اس تقریر میں شرک کی تعریف اور اسکی اقسام بیان کرتے ہوئے اسکا ردّ بھی فرمایا ہے اور رؤیت الٰہی، رؤیت کے مدارج و درجات، اس کے فوائد اور رؤیت کے حصول کے طریق و ذرائع بھی بیان فرمائے ہیں۔ یہ کتاب انوار العلوم کی جلد 6 میں ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہستی باری تعالیٰ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ 8/نومبر 1965 کو خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے جماعت میں تربیتی، تعلیمی اور تبلیغی تحریکات جاری فرمائیں جس کے نتیجہ میں جماعت کی تبلیغی و تربیتی مساعی کو دیکھ کر مخالفین احمدیت میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی۔ حکومت پاکستان نے بھی حسد کی آگ میں جلتے ہوئے جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیا۔ ایسے پر آشوب حالات میں آپؒ نے احباب جماعت کو صبر وتحمّل کی تلقین کرتے ہوئے دعاؤں سے کام لینے کی ہدایت فرمائی اور خدا کے حضور جھکتے ہوئے کشتی احمدیت کو بحفاظت مخالفت کے طوفانوں اور تھپیڑوں سے بچاتے ہوئے ساحل عافیت تک پہنچانا، وغیرہ متعدد کام ایسے ہیں کہ 90 سال کا مسئلہ حل کرنے کا عزم لیکر اٹھنے والے حکمران کا پھانسی پر لٹک جانا، آپؒ کا تبلیغ اسلام اور جماعتی تربیت کیلئے متعدد بیرونِ ممالک کا سفر کرنا، مسجد بشارت پیدرو آباد، سپین کا سنگ بنیاد رکھنا یقیناً ایک زندہ خدا کی ہستی کے چمکتے دمکتے روشن دلائل ہیں۔ حضورؒ کے ایک جرمن دوست Mr. Joachin نے کہا: ’’مجھے مسائل کا علم نہیں لیکن مَیں مرزا ناصر احمد کے متعلق حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ یہ خدا کا بندہ ہے۔ اسکا خدا سے زندہ تعلق ہے۔ خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔‘‘ (خلافت جوبلی نمبر صد سالہ خلافت احمدیہ جماعت احمدیہ بھارت صفحہ 40 مطبوعہ 2008ء)

خدا کے بندے دوسروں کو خدا کا چہرہ دکھاتے ہیں

ایک عارفانہ نکتہ بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں: ’’اللہ تعالیٰ کے جو بندے ہوتے ہیں اور جو عاجزانہ راہوں کو اختیار کرتے ہیں اور عاجزانہ راہوں کا سبق دیتے ہیں وہ بت نہیں بنا کرتے، وہ دوسروں کو خدا کا چہرہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔‘‘

(خطبہ جمعہ: 22 ستمبر 1967ء)

دہریہ ممالک کو حلقہ بگوش اسلام کرنا

حضورؒ فرماتے ہیں: ’’مثلاً روس ہے...... وہ (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کے نام کا مذاق اُڑاتی ہے بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ تمام دنیا سے خدا تعالیٰ کے نام کو ایک دن مٹا دیں گے۔ پھر اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی شخص اس کے ملک میں جائے اور خدائے واحد سے انہیں متعارف کرائے۔ حقیقتاً یہ اجازت نہ دینا بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک ثبوت ہے۔ اگر واقعی خدا نہ ہوتا تو انہیں کس بات کا ڈر تھا۔ وہ ہر ایک کو کہتے یہاں آؤ اور جو دلیلیں تمہارے پاس ہیں وہ ہمیں سناؤ ہمیں ان دلیلوں کے سننے میں کوئی عذر نہیں ہوگا کیونکہ ان کے زعم میں خدا تعالیٰ کے نہ ہونے کے جو دلائل ان کے پاس ہیں وہ ان دلائل سے کہیں زیادہ وزن رکھتے ہیں جو ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کیلئے دیئے جاسکتے ہیں۔ بہرحال وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ کوئی شخص وہاں جا کر خدائے واحد ویگانہ کی تبلیغ کرے۔ اسلام کی اشاعت کیلئے کوشش کرے۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اسکے جلال اور اسکی کبریائی کو اس ملک کے باشندوں کے دلوں میں بٹھانے کیلئے سعی کرے اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے اس ملک کو بھی حلقہ بگوش اسلام کرنا ہے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 25/مارچ 1966ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور ہستی باری تعالیٰ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ 20/جون 1982ء کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ کے دور خلافت کے آغاز میں ہی جماعت احمدیہ کو عطا ہونے والی غیر معمولی ترقیات کو دیکھ کر دشمنان احمدیت کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ انہوں نے نظام خلافت کو ختم کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن اور اسی کی خاص حفاظت میں آپ پاکستان سے ہجرت کرکے بخیر وعافیت لندن پہنچ گئے۔ 26/اپریل 1984ء کی شام کو حکومت پاکستان نے رسوائے زمانہ آرڈیننس جاری کیا جس کے بعد پاکستان میں احمدیوں نے سخت ترین حالات کا مقابلہ کیا۔ اسلام اور بانیٔ اسلام کی محبت میں عظیم قربانیوں کے نمونے پیش کئے۔ اسی طرح حضور رحمہ اللہ کے دور خلافت میں جماعت میں تربیتی تبلیغی سرگرمیوں کا تیز ہونا، ایم ٹی اے کے آسمانی نظام کا آغاز ہونا۔ جماعت کا ترقی کی جدید منازل طے کرنا ایک زندہ خدا کی ہستی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک غیر مسلم Iain Adamson نے ’’A Man of God‘‘ کتاب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی سیرت پر لکھی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک باب ہستی باری تعالیٰ کو ثابت کر رہا ہے۔ آپؒ نے اپنی تقاریر، خطبات اور مجالس عرفان میں ہستی باری تعالیٰ کے عنوان پر عالمانہ انداز میں مختلف اوقات میں روشنی ڈالی ہے۔

کب تک آنکھیں بند رکھیں گے؟

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ’’جو جدید سائنس دان ہیں انہوں نے یہ راز معلوم کرلیا کہ جو Evolution کا وقت ہم نے دیکھا ہے وہ Evolution کیلئے کافی نہیں ہے یعنی حیرت انگیز دریافت انہوں نے کی ہے اور اب اس میں ہی وہ غرق ہوئے بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں ہم نے جو حساب لگایا انسانی زندگی تک پہنچنے کیلئے زندگی نے جتنے مراحل کا سفر کیا ہے ایک بلین سال اس کیلئے کچھ بھی ہے نہیں، بالکل معمولی حیثیت ہے اور یہ سوچ آگے بڑھی تو اب یہ اس منزل میں داخل ہوگئی ہے کہ ہم جو کہتے تھے Big Bang سے بیس بلین سال کے اندر یہ سارا نظام وجود میں آگیا اب جو نئی دریافتیں ہو رہی ہیں وہ دیکھنے کے بعد اور جو کائنات کے انتظام کے پیچ وخم دکھائی دے رہے ہیں اب یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں بیس بلین سال میں تو یہ ممکن ہی نہیں۔ وہاں انکو تو کل کا پتا نہیں۔ تو کل

بتاتا ہے کہ خدا ہے جو اس جاری کارخانے کے علاوہ اپنے عرش سے ان باتوں پر نظر رکھتا ہے اور اگر ایک بیرونی دماغ فیصلے کرنے والا ان کے کمپیوٹر میں داخل کر دیا جائے تو ایک بلین سال میں آسانی سے وہ سارے مراحل طے ہو سکتے ہیں لیکن فیصلے باہر کرنے پڑیں گے۔ اتفاقات سے مضمون آگے نہیں بڑھتا بلکہ اتفاقات جو دکھائی دیتے ہیں ان کو اگر کوئی جوڑنے والا ہو اور اسکا ہاتھ دکھائی نہ دے رہا ہو تو وہ سفر جو اتفاقات کیلئے لاکھوں سال کا سفر ہوگا وہ ایک جوڑنے والا ہاتھ چند سالوں میں طے کر سکتا ہے۔ پس خدا کی ہستی کی طرف یہ ہنکائے لئے جا رہے ہیں اور ابھی تک ان کو ہوش نہیں آتی پوری طرح۔ بعض کو آ گئی ہے، بعضوں نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ حقائق ہیں، ہم ان سے کب تک آنکھیں بند کریں گے۔ جو حقائق اب تک معلوم ہوئے ہیں وہ اس بات کو ناممکن دکھا رہے ہیں کہ کسی بیرونی باشعور اور عالم ہستی کے بغیر یہ کارخانہ اس رفتار کے ساتھ آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔" (خطبہ جمعہ 6 ستمبر 1996ء)

الہام، عقل، علم اور سچائی

یہ کتاب حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی انگریزی زبان میں معرکتہ الآراء اور عہد ساز تصنیف ہے۔ اس کام کا آغاز 1987ء میں مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی، سابق مربی انچارج سوئٹزر لینڈ کی ایک تجویز سے ہوا جو انہوں نے زیورک یونیورسٹی میں علم الملل (Ethnology) کے پروفیسر ڈاکٹر کارل ہیننگ سے درخواست کی کہ جماعت احمدیہ عالمگیر کے سربراہ کو اسلام کے متعلق لیکچر دینے کی دعوت دی جائے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ یونیورسٹی کے طلبا مذہب میں بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں۔ درحقیقت ان میں سے اکثر دہریہ ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور کسی بھی مذہب کیلئے ان کے دل میں کوئی خاص احترام نہیں۔ اس لئے ایک دلچسپ موضوع "الہام، علم اور ابدی صداقت" رکھا جائے۔ طلباء اس موضوع کو سن کر کھنچے چلے آئے۔ 14 جون 1987ء بروز جمعرات، رات آٹھ بجکر پندرہ منٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے انگریزی میں چند تعارفی کلمات کہے جس کے بعد اردو میں لکھا ہوا حضور انور کا خطاب مکرم شیخ ناصر احمد صاحب نے جرمن زبان میں پیش کیا۔ اسی لیکچر کو بعد میں حضور انور نے نہایت محنت سے کتابی صورت میں شائع کروایا۔ اس کتاب میں عصر حاضر کے اسکالرز اور سائنسدانوں کے ذہنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ناقابل تردید انداز میں ہستی باری تعالیٰ کے دلائل پیش کئے گئے۔ یہ کتاب موجودہ دور میں ہستی باری تعالیٰ کو ثابت کرنے کیلئے جماعتِ احمدیہ کے پاس ایک جدید ترین روحانی ہتھیار ہے۔"

(الہام، عقل، علم اور سچائی صفحہ 16)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور ہستی باری تعالیٰ

سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد 22/ اپریل 2003ء کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت جماعتِ احمدیہ کو حاصل ہے۔ جماعت احمدیہ جدید ترین آلات کے ذریعہ نت نئی ترقیات کی منازل طے کر رہی ہے۔ سینکڑوں رسائل، کروڑوں لیف لیٹس لکھوکھا کتب کی اشاعت، ایم ٹی اے کے 8 چینل کے ذریعہ ہر وقت گم گشتہ مخلوق کو ہستی باری تعالیٰ کے واضح دلائل بیان کرتے ہوئے مخلوق کو خالقِ حقیقی سے جوڑنے کی سعی پیہم کی جا رہی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"دنیا کو آج جتنی خدا کی طرف جھکنے کی ضرورت ہے اتنا ہی یہ خدا سے دور جا رہی ہے۔ یعنی اس دنیا میں بسنے والا انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اسے جس قدر دنیا کے فسادوں اور ابتلاؤں سے بچنے کیلئے اور پھر اپنی عاقبت سنوارنے کیلئے خدا تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کی ضرورت ہے، اُسی قدر اس تعلق میں کمزوری ہے۔ خدا سے تعلق جوڑنے کا دعویٰ کرنے والے بھی اُن لوازمات کی طرف توجہ نہیں دے رہے یا دینے کی کوشش نہیں کر رہے یا اُن کو یہ پتہ ہی نہیں کہ خدا سے تعلق جوڑنے کیلئے صرف ظاہری ایمان اور ظاہری عبادت ہی کافی نہیں ہے بلکہ اُس روح کی تلاش کی ضرورت ہے جو ایمان اور عبادات کی گہرائی تک لے جاتی ہے۔ یہ تو ایمان کا دعویٰ کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کا دعویٰ کرنے والوں کا حال ہے۔

لیکن دنیا کا ایک بہت بڑا طبقہ ہے (تقریباً تین چوتھائی آبادی) جس نے یا تو خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر شریک کھڑے کر کے اپنے آپ کو شرک میں مبتلا کیا ہوا ہے یا پھر خدا کی ہستی پر یقین ہی نہیں ہے۔ خدا کے وجود کے ہی انکاری ہیں، اور نہ صرف آپ خود انکاری ہیں بلکہ ایک دنیا کو بھی گمراہ کرنے کیلئے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑ رہے۔

لیکن اس تمام صورتحال میں ایک چھوٹا سا طبقہ ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین کرنے والا، اُس پر ایمان رکھنے والا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے اور اللہ تعالیٰ کے آپ سے وعدوں کے پورا ہونے کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جو اس بات پر یقین کرتا ہے اور رکھتا ہے کہ اس زمانہ میں جب دنیا اپنے پیدا کرنے والے اور اس زمین وآسمان کے خالق کو بھول رہی ہے یا اُس کی ہستی کا مکمل فہم وادراک نہیں رکھتی، اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے اظہار کیلئے، زمانے کو فساد کی حالت سے نکالنے کیلئے، بندے کو خدا کے قریب کرنے کیلئے ایک امام الزمان کو بھیجا ہے۔ اور یہ طبقہ یا گروہ یا جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم احمدیوں کا ہے۔ لیکن کیا اس پر ایمان اور اس یقین پر قائم ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ نے بھیجنے والے کو بھیج دیا، کافی ہے؟ اور اب وہ آنے والا یا اُس کے چند حواری ہی خالق ومخلوق کا تعلق جوڑنے اور دنیا کے فسادوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے؟ اگر ہم احمدیوں کی یہ سوچ ہے تو ہماری سوچ بھی اُن لوگوں کے قریب ہے جو صرف ایمان لانے کا دعویٰ کرنے والے اور عبادتوں کا دعویٰ کرنے والے ہیں، لیکن عمل سے دور ہیں۔ اگر ہماری اپنی حالتوں پر نظر نہیں، اگر ہم اپنے خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنے والے نہیں۔ اگر ہم اپنی نسلوں اور اپنے ماحول کو اِس آنے والے کے پیغام سے روشناس کروانے والے نہیں اور اُس سے آگاہی دلانے والے نہیں تو پھر ہم نے بھی پا کر کھو دیا۔ ہم نے دنیا کی دشمنیاں بھی مول لیں اور خدا کو بھی نہ پایا۔ پس احمدی ہونے کے بعد، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آنے کے بعد اُس روح کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی ہوگی جو ایک حقیقی عبدِ رحمان میں ہونی چاہئے......اب اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کیلئے مسیح محمدی اور اُس کے ماننے والوں نے ہی کردار ادا کرنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جو ربّ العالمین ہے، اُس نے اشرف المخلوقات کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے، خیرِ اُمّت کو اُس کا مقام دلانے کیلئے یہ سامان فرمایا اور آئندہ بھی فرماتا رہے گا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دلائی کہ یہ عاشقِ صادق آئے گا جو پھر دُنیا میں دین کو قائم کرے گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہی یہ آنے والا مسیح موعود آئے گا۔" (خطبہ جمعہ 12/اگست 2011ء، خطبات مسرور جلد نہم صفحہ 400)

کتاب ہمارا خدا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کتاب "ہمارا خدا" ہے۔ 250 صفحات پر مشتمل یہ عظیم الشان تصنیف پہلی بار 1927ء میں شائع ہوئی۔ اس میں نہایت عام فہم اور سہل ترین انداز میں ہستی باری تعالیٰ کے عمدہ دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ ایک الگ مضمون کی صورت میں شامل اشاعت ہے۔

پاکٹ بک جماعتِ احمدیہ کے لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خالد احمدیت کا خطاب پانے والے خوش قسمت، جید عالم حضرت ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب "پاکٹ بک" جماعتِ احمدیہ کے لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس کتاب میں سب سے پہلے ہستی باری تعالیٰ کے سترہ دلائل اور دہریوں کے پانچ مشہور اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات بھی درج کئے گئے ہیں۔ یہ دلائل اور جوابات ایک داعی الی اللہ کیلئے نہایت مفید ہیں۔

حرف آخر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: "ان دنوں میں ہم خدمتِ انسانیت کر کے بندوں کو خدا کے قریب لانے کا بھی ذریعہ بن سکتے ہیں اس کیلئے ہم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے۔"

(خطبہ جمعہ 22 مئی 2020ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی معنوں میں خدمت انسانیت کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم بنی نوع انسان کو خدا کے قریب لانے کا ذریعہ بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ہستی پر کامل یقین اور توکل کی توفیق دے۔ آمین۔ ☆☆

محبت الٰہی انسان کی فطرت میں داخل ہے

(سید طفیل احمد شہباز، مربی سلسلہ، نظارت نشر واشاعت قادیان)

اسلام میں عبادت کی بنیادی غرض یہ ہے کہ انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کے مطابق بسر ہو اور معرفت الٰہی حاصل ہو۔ پس ایک مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پیدائش کی غرض کو سمجھنے اور اللہ تعالیٰ سے سچّا تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جب بھی کوئی مامور من اللہ دُنیا میں آتا ہے تو اسکے آنے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کا خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی وارء الوراء ہے انسانی عقل از خود اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (انعام: 104) ترجمہ: آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔

اس آیت میں معرفت الٰہی کے مضمون کو بڑے ہی لطیف اور جامع الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایسی لطیف ہے کہ آنکھیں اس کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ ہاں جس پر وہ اپنا فضل فرماتا ہے اس پر اپنی معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت مصلح موعودؓ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اِس آیت میں اشارہ فرماتا ہے کہ لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ تمہاری آنکھیں اُس کو نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ وہ لطیف ہستی ہے لیکن وہ خود چل کر تمہارے پاس آجاتا ہے۔“
(تعلق باللہ، انوار العلوم، جلد 23، صفحہ 208)

محبت الٰہی ازل سے ہی انسانی فطرت میں سمائی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان قرآن کریم میں موجود ہے کہ فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ٭ۙ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (روم: 30) ترجمہ: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ قائم رکھنے اور قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

انسان دراصل دو اُنس یعنی دو محبتوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک خدا تعالیٰ کی محبت دوسرے انسان سے محبت۔ اگر ایک انسان کے دل میں خدا کی محبت موجود نہیں ہے اور دوسری جانب وہ مخلوق سے محبت اور ہمدردی کرتا ہے تو وہ مکمل انسان کہلانے کا حقدار نہیں۔ اگر اُسکے دل میں خدا کی محبت تو موجود ہے لیکن اُس میں خدا تعالیٰ کی مخلوق سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ نہیں پایا جاتا تو ایسا انسان بھی انسان کہلانے کا مستحق ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ اُسکا ایسا دعویٰ ہی غلط ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک انسان جو اپنے خالق سے تعلق اور محبت رکھتا ہو اسکا دل خدا کی مخلوق کی ہمدردی اور محبت سے خالی ہو۔

اگر کوئی انسان یہ کہے کہ میں خدا کی ذات میں یقین نہیں رکھتا۔ میرا مذہب، انسانیت سے محبت اور ہمدردی ہے اِسکے علاوہ کچھ نہیں۔ اور آجکل اسی قسم کے خیالات اس مادی دور میں پڑھنے اور سُننے میں آتے ہیں۔ ایسے خیالات والا انسان مکمل انسان نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ خدا کی محبت کی وجہ سے ہی انسان کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ خدا کا نور ہی انسان کے دل کو منور کرتا ہے اور جو روشنی اس دل میں پیدا ہوتی ہے تو نہ صرف وہ دل بلکہ اس سے پیوند رکھنے والی ہر شئے منور ہوجاتی ہے۔ تب انسان کی محبت کامل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وجود اس کائنات کی ایک کھلی حقیقت ہے۔ اس دنیا کے نباتات، جمادات، حیوان، چرند، پرند اور انسان اپنے ظاہر و باطن سے اعلان کر رہے ہیں کہ وہ اپنے آپ وجود میں نہیں آئے بلکہ انہیں کسی نے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ہر شئے کا اپنے رب سے پہلا رشتہ مخلوق اور خالق کا ہے۔ جہاں تک انسان کا معاملہ ہے تو اس کا اپنے پروردگار سے تعارف دو بنیادوں پر ہے۔

ایک بنیاد تو داخلی ہے اور دوسری خارجی۔ داخلی طور پر ہر انسان کی فطرت میں اللہ نے اپنے وجود اور توحید کے تصور کو پنہاں کر دیا ہے جس کا اشارہ قرآن مجید کے الفاظ میں عہد اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) سے بھی ملتا ہے (سورہ الاعراف: 173) چنانچہ جب ایک انسان اپنے باطن میں جھانکتا ہے تو اپنے اندر ایک خالق اور مالک ہستی کو محسوس کرتا ہے اور اسے تسلیم کر کے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔

دوسری جانب جب انسان خارجی ماحول پر نظر دوڑاتا ہے تو اسے کائنات کی خلقت، نظام ربوبیت اور نظم وضبط یہ ماننے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کوئی برتر و بالا ہستی موجود ہے جو اس کائنات کی تخلیق کر کے اسے تدبیر کے ساتھ چلا رہی ہے۔

غرض انسانی روح کی فطرت میں ہمیشہ سے یہ بات پنہاں تھی کہ وہ اپنے مالک حقیقی کی بندگی کرے اور اس کی محبت کے حصول کی سعی کرے۔ یہ انسانی فطرت کی آواز تھی جس نے کہا کہ اے میرے رب تو ہی ہمارا رب ہے تو ہی ہمارا ملجا و ماویٰ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں کہ

”اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ یعنی کیا تم اپنی جانوں میں غور نہیں کرتے۔ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی روح میں بڑے بڑے عجیب وغریب خواص اور تغیرات رکھے گئے ہیں کہ وہ اجسام میں نہیں اور روحوں پر غور کر کے جلد تر انسان اپنے ربّ کی شناخت کر سکتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ یعنی جس نے اپنے نفس کو شناخت کر لیا اُس نے اپنے رب کو شناخت کر لیا۔ پھر ایک اور جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی یعنی میں نے رُوحوں کو پوچھا کہ کیا میں تمہارا پیدا کرنے والا نہیں تو تمام روحوں نے یہی جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ روحوں کی فطرت میں یہی منقش اور مرکوز ہے کہ وہ اپنے پیدا کنندہ کی قائل ہیں اور پھر بعض انسان غفلت کی تاریکی میں پڑ کر اور پلید تعلیموں سے متاثر ہو کر کوئی دہریہ بن جاتا ہے اور کوئی آریہ اور اپنی فطرت کے مخالف اپنے پیدا کنندہ سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے باپ اور ماں کی محبت رکھتا ہے یہاں تک کہ بعض بچے ماں کے مرنے کے بعد مر جاتے ہیں پھر اگر انسانی رُوحیں خدا کے ہاتھ سے نہیں نکلیں اور اسکی پیدا کردہ نہیں تو خدا کی محبت کا نمک کس نے اُنکی فطرت پر چھڑک دیا ہے اور کیوں انسان جب اُسکی آنکھ کھلتی ہے اور پردۂ غفلت دُور ہوتا ہے تو دل اُسکا خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور محبت الٰہی کا دریا اس کے صحن سینہ میں بہنے لگتا ہے آخر ان روحوں کا خدا سے کوئی رشتہ تو ہوتا ہے جو اُنکو محبت الٰہی میں دیوانہ کی طرح بنا دیتا ہے وہ خدا کی محبت میں ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ تمام چیزیں اسکی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ عجیب تعلق ہے ایسا تعلق نہ ماں کا ہوتا ہے نہ باپ کا۔ پس اگر بقول آریوں کے رُوحیں خود بخود ہیں تو یہ تعلق کیوں پیدا ہو گیا اور کس نے یہ محبت اور عشق کی قوتیں خدا تعالیٰ کے ساتھ روحوں میں رکھ دیں یہ مقام سوچنے کا مقام ہے اور یہی مقام ایک سچی معرفت کی کُنجی ہے۔“ (چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23، صفحہ 166 تا 167)

ایک اور جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

”نجات کا تمام مدار خدا تعالیٰ کی محبت ذاتیہ پر ہے اور محبت ذاتیہ اُس محبت کا نام ہے جو روحوں کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق ہے...... اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ...... فرماتا ہے جیسا کہ اس کا یہ قول اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی یعنی میں نے روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا پیدا کنندہ نہیں ہوں تو روحوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔

اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسانی رُوح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اس کا خدا پیدا کنندہ ہے۔ پس رُوح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعًا وفطرتًا محبت ہے۔ اس لئے کہ وہ اُسی کی پیدائش ہے۔ اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا یعنی رُوح کا خدائے واحد لاشریک کا طلبگار ہونا اور بغیر خدا کے وصال کے کسی چیز سے سچی خوشحالی نہ پانا یہ انسانی فطرت میں داخل ہے۔ یعنی خدانے اس خواہش کو انسانی رُوح میں پیدا کر رکھا ہے جو انسانی رُوح کسی چیز سے تسلّی اور سکینت بجز وصال الٰہی کے نہیں پاسکتی۔ پس اگر انسانی روح میں یہ خواہش موجود ہے تو ضرور ماننا پڑتا ہے کہ روح خدا کی پیدا کردہ ہے جس نے اس میں یہ خواہش ڈالدی ...... اس سے ثابت ہوا کہ انسانی روح درحقیقت خدا کی پیدا کردہ ہے۔‘‘

(چشمۂ مسیحی، روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 363،364)

اللہ تعالیٰ نے انسان میں جو فطری محبت الٰہی رکھی ہے اس کو ایک سمت دینے کے لئے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ تم اپنے آباء واجداد کو جس شدت کے ساتھ یاد کرتے ہو ویسے ہی شدید محبت اپنے رب سے کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ محبت الٰہی میں اپنی جان، مال، وقت اور تمام استعدادوں کو قربان کردو، جسکے نتیجے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت نصیب ہوجائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

’’اللہ تعالیٰ نے حقوق کے دو ہی حصے رکھے ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد۔ اس پر بہت کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح پر تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس جگہ دو رمز ہیں۔ ایک تو ذکر اللہ کو ذکر آباء سے مشابہت دی ہے۔ اس میں یہ سِرّ ہے کہ آباء کی محبت ذاتی اور فطرتی محبت ہوتی ہے۔ دیکھو بچہ کو جب ماں مارتی ہے وہ اس وقت بھی ماں ماں ہی پکارتا ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی تعلیم دیتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے فطری محبت کا تعلق پیدا کرے۔ اس محبت کے بعد اطاعت امر اللہ کی خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ یہی وہ اصلی مقام معرفت کا ہے جہاں انسان کو پہنچنا چاہئے۔‘‘ (لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن، جلد 20 صفحہ 282)

انسانی دل کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کا دل کسی نہ کسی محبت میں گرفتار رہتا ہے۔ لہٰذا انسانی دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتی جب تک اس میں غیر اللہ کا بسیرا ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی غیور ہے۔ محبت الٰہی اور غیر اللہ کی محبت کبھی اکٹھی نہیں ہوسکتی۔ اس ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:

’’خدا نے انسان کی ایسی فطرت رکھی ہے کہ وہ ایک ایسے ظرف کی طرح ہے جو کسی قسم کی محبت سے خالی نہیں رہ سکتا اور خلا یعنی خالی رہنا اُس میں محال ہے پس جب کوئی ایسا دل ہو جاتا ہے کہ نفس کی محبت اور اُس کی آرزوؤں اور دنیا کی محبت اور اُس کی تمناؤں سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور سفلی محبتوں کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے تو ایسے دل کو جو غیر کی محبت سے خالی ہو چکا ہے خدا تعالیٰ تجلّیات حسن و جمال کے ساتھ اپنی محبت سے پُر کر دیتا ہے۔‘‘ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22 صفحہ 56 تا 57)

ایک مقام پر آپؑ فرماتے ہیں:

’’منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے جس کیلئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے محسوس ہونے لگتا ہے جب کہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔ کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیّت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جُھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے حواس اسکے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا۔ اور پورا آرام اس کا اسی کے کنارِ عاطفت میں ہوتا ہے۔ اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دُور ڈال دیا جاوے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اسکے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جاوے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اسکے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا۔ سو وہ کششِ محبت جو اس کو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے؟

درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کیلئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلّق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کررہی ہے۔ اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے......سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی رُوح کا کھینچے جانا درحقیقت اسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے۔‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن، جلد 10، صفحہ 363 تا 364)

قرآن کریم میں کئی جگہوں پر اس بات کے ثبوت ملتے ہیں کہ اگر انسانی دل کی زمین نم ہو تو تبھی اس میں آسمانی بارش کے ذریعہ آبیاری ہوتی ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ کی محبت دل میں موجود ہو تو تبھی نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ اور دَنَا فَتَدَلّٰی کا نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:

’’روح القدس کی اعلیٰ تجلّی کی یہ کیفیت ہے کہ جب بقاء اور لقاء کے مرتبہ پر محبت الٰہی انسان کی محبت پر نازل ہوتی ہے تو یہ اعلیٰ تجلّی روح القدس کی اُن دونوں محبتوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جس کے مقابل پر دوسری تجلیات کالعدم ہیں مگر یہ تو نہیں کہ دوسری تجلیات کا وجود ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ ایک ذرہ محبت خالصہ کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ انسان کی محبت پر اس کی محبت نازل ہوتی ہے اور اُسی مقدار پر روح القدس کی چمک پیدا ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک بندھا ہوا قانون ہے کہ ہر یک محبت کے اندازہ پر الٰہی محبت نزول کرتی رہتی ہے۔ اور جب انسانی محبت کا ایک دریا بہہ نکلتا ہے تو اس طرف سے بھی ایک دریا نازل ہوتا ہے اور جب وہ دونوں دریا ملتے ہیں تو ایک عظیم الشان نور اُن میں سے پیدا ہوتا ہے جو ہماری اصطلاح میں روح القدس سے موسوم ہے۔‘‘

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن، جلد 5، صفحہ 78 تا 79 حاشیہ)

پس دوطرفہ محبت کے نتیجے میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

’’جیسی جیسی محبت الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اُٹھتی ہیں ایسا ہی اس طرف سے بھی ایک نہایت صاف اور شفّاف دریائے محبت کا زور شور سے چھوٹتا ہے اور دائرہ کی طرح اسکو اپنے اندر گھیر لیتا ہے اور اپنے الٰہی زور سے کھینچ کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے اور جیسا یہ امر صاف صاف ہے ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے۔ ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں تو اس دوطرفہ صفائی محبت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے کہ دونوں طرف سے آثار خلوص واتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں نہ صرف ایک طرف سے ہو۔‘‘ (سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن، جلد 2 صفحہ 106)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی مؤقف تھا کہ خدا اور بندے کی محبت کے اتصال کیلئے ضروری ہے کہ بندے میں محبت الٰہی کا مادہ پہلے سے موجود ہو۔ لہٰذا دونوں محبتوں کے باہم اتصال کے بعد صفات الٰہی کی معرفت عطا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

’’جب خدا نے چاہا کہ انسان خدا کی معرفت میں ترقی کرے تو اُس نے پہلے سے ہی انسانی روح میں معرفت کے حواس پیدا کر رکھے ہیں اگر وہ پیدا نہ کرتا تو پھر کیونکر انسان اس کی معرفت حاصل کر سکتا تھا۔ انسان کی روح میں جو کچھ ہے دراصل خدا سے ہے اور وہ خدا کی صفات ہیں جو انسانی آئینہ میں ظاہر ہیں۔ ان میں سے کوئی صفت بُری نہیں بلکہ ان کی بد استعمالی اور اُن میں افراط تفریط کرنا بُرا ہے۔‘‘ (نسیم دعوت، روحانی خزائن، جلد 19 صفحہ 389،390)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی استعداد عطا فرمائی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا۔ انسان کو نجات صرف اس صورت میں مل سکتی ہے جب اس کا دل غیر اللہ کی محبت سے خالی ہوجائے اور خدا کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے۔

جب خدا سے ایک لمحہ کیلئے علیحدہ ہونا اس کیلئے موت ہوجاتا ہے تو اس کا نفس تمام آلائشوں سے پاک ہوجاتا ہے۔ صرف محبت الٰہی اسکی روح کی غذا ہوتی ہے۔ اس کیفیت کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

’’پھر ایک تیسرا سرچشمہ ہے جس کو روحانی حالتوں کا مبدء کہنا چاہئے اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفسِ مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے: یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ○ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً○ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ○ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ○ یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا۔

اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آ جا۔

یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی بھی نہیں سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت اور نیز روکوں کے دور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔‘‘ (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن، جلد 10، صفحہ 318)

پھر وہ خدا کا بندہ نجات کے حصول کی خاطر خدا تعالیٰ کی ذاتی محبت اور اس کی پوری معرفت اور اسکے پورے تعلق کو اپنی روح میں بسا لیتا ہے۔ لیکن یہ حالت صرف اس صورت میں ممکن ہوتی ہے جب بندے کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت دونوں جوش ماریں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

’’دراصل نجات اُس دائمی خوشحالی کے حصول کا نام ہے جس کی بھوک اور پیاس انسانی فطرت کو لگا دی گئی ہے جو محض خدا تعالیٰ کی ذاتی محبت اور اسکی پوری معرفت اور اسکے پورے تعلق کے بعد حاصل ہوتی ہے جس میں شرط ہے کہ دونوں طرف سے محبت جوش مارے۔‘‘

(چشمۂ مسیحی، روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 359)

جو لوگ معرفت الٰہی میں ترقی کرتے ہیں اور اپنی پیدائش کی اصل غرض وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا کفیل و کارساز ہوتا ہے اور اُن کی مقبولیت کے نشانات دُنیا پر ظاہر کرتا ہے اور ان کو استجابت دُعا کا معجزہ عطا کرتا ہے۔ ہمیشہ ان کو اپنی حفاظت کے حصار میں رکھتا ہے۔ ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال:18) اور (اے محمد!) جب تُو نے (ان کی طرف کنکر) پھینکے تو تُو نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ ہے جس نے پھینکے۔

دراصل انسان اپنے خالق کو اس دن سے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے جس دن سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ انسان کے علم کی محدودیت کی بنا پر مکمل طور پر اللہ کی ذات اور صفات کا احاطہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ نیز انسان کی تفہیم اور عقل کے ساتھ مفادات، تعصّبات اور جذبات کی وجہ سے اللہ کے بارے میں غلط تصورات بھی خلط ملط ہوتے چلے گئے۔ نتیجے کے طور پر انسان اپنے خالق کے درست تصور سے دور ہوتا چلا گیا۔ اسی دوری کی وجہ سے خدا کو دنیاوی بادشاہوں کی طرح سمجھ کر اس کے شریک مقرر کئے گئے۔ کبھی تقدیر کے خالق خدا کو ہی اسباب و علل کا پابند بنا دیا گیا۔ کبھی خدا کی صفت رحم میں افراط کر کے ہر گناہ کو جائز کر لیا گیا تو کبھی اسکی صفت قہاری کو حاوی کرتے ہوئے مایوسی اختیار کر لی گئی۔ یہ افراط و تفریط اور غلط فہمی محض ان قوموں میں ہوتی ہے جو وحی سے نا آشنا ہیں تو اتنی قابل تشویش بات نہ ہوتی۔ لیکن کم و بیش یہ ساری خامیاں وحی کے حامل مسلمانوں میں بھی پائی جاتی رہی ہیں۔ اسکی بنیادی وجہ اللہ کی کتاب سے راہنمائی لینے کی بجائے فلسفے اور خواہش پرستی کی بھول بھلیوں میں کھو جانا ہے۔

ایک برتر ہستی سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ انسان چاہے نہ چاہے، وہ کسی نہ کسی کو اپنا معبود بنانے پر مجبور ہے۔ مگر معبود بننے کے لائق صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

انسانوں کی اکثریت کا المیہ دیکھیں کہ انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔ ہر دور میں اُنہوں نے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ اِنکی حمد کی ہے۔ انکی عظمت کے گن گائے ہیں۔ ان سے مدد مانگی ہے۔ ان کے سامنے سر جھکایا ہے۔ ان سے محبت کی ہے۔ انہی کا اعتراف کیا ہے۔ انہی کے شکرگزار بنے ہیں۔ انہی کیلئے محبت اور انہی کیلئے نفرت کی ہے۔ انہی کے نام کو آنکھوں کی روشنی اور انہی کی یاد کو زبان کی مٹھاس بنایا ہے۔

یہ سب تو اللہ کا حق ہے۔ ہر دور میں تھا۔ ہر دور میں رہے گا۔ اللہ کے نیک بندوں کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا جینا مرنا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ہر مشکل میں اسی پر بھروسہ کرتے اور ہر کامیابی پر اسی کی حمد کے ترانے پڑھتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عرب پر غلبہ کے بعد صفا پہاڑ پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی جو حمد کی، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

’’اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے اور حمد بھی اسی کیلئے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔‘‘ (مسلم، حدیث نمبر 1218)

آج جو دُنیا میں ہر طرف بد امنی، بے چینی، خود غرضی اور دہشت گردی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی بلکہ بُنیادی وجہ یہی ہے کہ انسان کا اپنے خالقِ حقیقی سے تعلق اور پیوند ٹوٹ چکا ہے۔ اسی تعلق اور پیوند کو قائم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نبیوں، رسولوں، رشیوں، منیوں، اوتاروں کو مبعوث فرماتا رہا ہے اور اِس آخری زمانہ میں بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں نبوت کے منصب پر فائز فرما کر تمام اقوام عالم کی طرف اِسی غرض سے بھیجا ہے کہ تا بنی نوع انسان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے کچھ ایسی محبت تھی اور پیار تھا کہ کوئی معاملہ ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور کرتے تھے۔ اُٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے کھاتے، پیتے غرض یہ کہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کا نام ضرور لیتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مطالعہ جس گہرائی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور کسی نے نہیں کیا۔ اسی لئے جس محبت سے آپ اپنے پیارے کا نام لیتے تھے اور اس کا ذکر کرتے رہتے تھے کسی اور انسان نے نہیں کیا۔

بخاری شریف کی یہ مشہور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوا کرتے تھے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپ کے قدم یا پنڈلیاں سوج جاتیں۔ جب آپ سے کہا جاتا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو آپ جواب دیتے کہ کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ اللہ اللہ کیا محبت اور کیا تعلق باللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ اور جو جواب آپ نے دیا وہ کس طرح آپ کے قلب مطہر کے جذبات کو کھول کر پیش کر دیتا ہے۔ خدا کی یاد اور اس کے ذکر کی یہ تڑپ اور کس کے دل میں ہے؟ کیا کوئی اور اس کا نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان میں اپنے خالق و مالک کی محبت اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرئی ہوئی تھی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ کے اس تعلق باللہ اور عبادات اور جوش محبت الٰہی کے نظارے دیکھ کر مکہ کے لوگ کہا کرتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ کہ محمد تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آپ اپنے رب کے سچے عاشق تھے۔ اور آپ کے تعلق باللہ اور محبت الٰہی کا اظہار آپؐ کی نمازوں، دعاؤں اور ذکر الٰہی سے خوب عیاں ہے۔

ترمذی کتاب الدعوات میں یہ روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَمَالِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (ترمذی کتاب الدعوات) کہ اے اللہ مَیں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ مَیں تجھ سے ایسے عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ اپنی اتنی محبت میرے دل میں ڈال دے جو میری اپنی ذات، میرے مال، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہو۔

......☆......☆......☆......

ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل

(محمد شریف کوثر، مربی سلسلہ، استاذ جامعہ احمدیہ قادیان)

عصر حاضر میں دنیا کی بہت بڑی تعداد لادینیت اور دہریت کی طرف مائل ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ کائنات خودبخود معرض وجود میں آگئی، اور اس کا نہ تو کوئی خالق ہے اور نہ یہ کسی کی مخلوق ہے۔ وہ اللہ کے تصور اور عقیدہ کا کلیۃً انکار کردیتے ہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے سوالات اور ذہنی وسوسوں کا تسلی بخش جواب دینے والا انہیں کوئی نہیں ملتا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت نہ ہوتی، تو شاید ہی کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا حقیقی ایمان باقی رہتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم ہے کہ اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قرآن مجید کے وہ معارف سکھائے، جس نے دہریوں کے ہر سوال کا مدلل جواب دیا۔ ہر وسوسے کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آپ کی کتب کے مطالعہ سے بہت سی سعید روحیں دہریت اور لادینیت کے دلدل سے نکل گئیں اور انہیں حقیقی خدا کی معرفت حاصل ہوگئی۔

حضرت میاں محمد دین پٹواری رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ:

آریہ، برھمو، دہریہ لیکچروں کے بد اثر نے مجھے اور مجھ جیسے اکثروں کو ہلاک کردیا تھا۔ اوران اثرات کے ماتحت لایعنی زندگی بسر کررہا تھا کہ براہین احمدیہ پڑھتے پڑھتے جب میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کو پڑھتا ہوا صفحہ 90 کے حاشیہ نمبر 1، اور صفحہ 149 کے حاشیہ نمبر 11 پر پہنچا تو معاً میری دہریت کافور ہوگئی اور میری آنکھ ایسے کھلی جس طرح سویا ہوا یا مرا ہوا زندہ ہوجاتا ہے۔

(اخبار الحکم 14/اکتوبر 1938)

یہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مؤلفات کی برکت جس سے روحانی اور دینی طور پر مردہ از سرنو زندہ ہوجاتے ہیں۔ یہ ہے وہ تریاق جو روحانی طور پر بے حس جسم میں زندگی کے آثار نمایاں کردیتا ہے۔ بایں وجہ احباب جماعت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی خزائن کا خود بھی مطالعہ کرنا چاہئے اور ''دہریت'' کی بیماری میں مبتلاء افراد کی شفاء کیلئے یہ کتب ان کو بھی مطالعہ کیلئے دینی چاہئیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت کی تعلیمات پیش کرنے کی کوشش کرے گا جن میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات کیلئے عقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ دلائل ایسے ہیں کہ اگر کوئی ملحد نیک نیتی سے ان پر غور کرے تو وہ ضرور اللہ کے وجود کا قائل ہوجائے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس نصرہ اللہ تعالیٰ نصرہٗ العزیز دُنیا میں بڑھتی ہوئی ملحدانہ سوچ کے متعلق فرماتے ہیں:

''آج مسیحیت تو اپنی کمزوری کی طرف بڑھ رہی ہے، گوکہ ایک مقابلہ ان کے ساتھ بھی ہے، لیکن اسکے ساتھ ہی جو اُبھرنے والا خطرہ ہے اور اُبھرتا چلا جارہا ہے وہ ہے دہریت۔ دوسرے مذاہب نے خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق نہ پاکر، براہ راست خدا تعالیٰ کے تعلق کو نہ دیکھ کر دین سے دوری اختیار کرنی شروع کردی ہے، اکثریت ان میں سے لامذہب ہوگئی ہے، بلکہ دہریہ ہوگئی ہے۔ آپ لوگوں نے آج دہریت کا خاتمہ بھی کرنا ہے۔ توحید کا قیام کرنا ہے۔'' (تقریب تقسیم اسناد جامعہ احمدیہ یو.کے، کینیڈا، جرمنی 25/مارچ 2018، اخبار بدر 9/اگست 2018، صفحہ 12، کالم 2)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اقتباس میں فرمایا ''آپ لوگوں نے آج دہریت کا خاتمہ بھی کرنا ہے، توحید کا قیام کرنا ہے'' یہ تو ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ 'دہریہ' مذہبی کتب کے دلائل کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں عقلی دلائل سے ہی قائل کرنا ہوتا ہے۔ عقلی دلائل میں سے سب سے قبل فطری دلیل کے ذریعہ اُن کو سمجھایا جاسکتا ہے۔

فطری دلیل:

ایک دہریہ کو یہ بتانا اور اس کی ضمیر کو بیدار کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق سب سے اہم دلائل میں سے ایک انسان کی فطرت کی دلیل ہے۔ انسان کی فطرت خود یہ سوال پیدا کررہی ہوتی ہے کہ آیا کائناتِ عالم کا کوئی خالق و مالک ہے یا نہیں؟ اور ہمیں کس نے اور کیوں پیدا کیا؟ اس فطری آواز کے بعد بہت سے لوگوں میں مزید تحقیق کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اپنے دل سے ایسا انسان یہ سوال کرتا ہے کہ کیا میرا وجود محض ایک اتفاق کا نتیجہ ہے یا کہ مجھے کسی بالا ہستی نے پیدا کیا ہے، تو اسے اس سوال کے جواب میں بغیر اس کے کہ وہ عقلی دلیل کے رستہ پر پڑ کر غور و فکر کے نتیجہ میں کوئی رائے قائم کرے وہ یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ میرا کوئی خالق ہے جس نے مجھے، اور اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ بعض لوگ اپنی فطرت کی آواز کو دبا کر اُسے نظر انداز کرتے ہیں اور دہریت کے راستہ پر چل پڑتے ہیں۔ الغرض انسانی فطرت انسانی وجود، اُس کی تخلیق، ہستی باری تعالیٰ کا ایک زبردست ثبوت ہے جس سے کوئی عقلمند انسان انکار نہیں کرسکتا اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا سراسر احسان ہے کہ اُس نے ہماری ہدایت کیلئے ہماری فطرت کے اندر ہی ایمان کا بیج بو رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَہٗ (یٰس: 79-78) کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا تو پھر یہ کیا انقلاب ہوا کہ وہ ایک کھلا کھلا جھگڑالو بن گیا۔ اور ہم پر باتیں بنانے لگا۔ اور اپنی خلقت کو بھول گیا۔

اس آیت کی روشنی میں ایک دہریہ کو یہ سمجھانا چاہئے کہ:

(الف): انسان کو اللہ تعالیٰ نے نطفہ کے ذریعہ پیدا کیا۔ جب وہ رحم مادر سے جنم لیتا ہے تو اُسے سانس لینے کیلئے آکسیجن درکار ہوتی ہے، کیا یہ آکسیجن خود بخود بن گئی۔ اس جگہ اگر کوئی زہریلی گیس ہوتی تو کیا وہ سانس لے سکتا تھا؟ پیدائش کے بعد اُسکے نازک معدہ کو نازک غذا کی ضرورت تھی، اُس کیلئے ماں کے دودھ کا انتظام کیا۔ اگر اُسے کہا جاتا دودھ نہیں ملے گا تو روٹی یا نباتاتی جانوروں کی طرح گھاس کھا، کیا وہ زندہ رہ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔

پس سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظام یہ ترتیب اور موقع محل کے مطابق زندگی کی بقا اور اسکی استمراریت کیلئے اشیاء خودبخود مہیا ہوگئیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اُس ربّ العالمین کی صفت ربوبیت کے ذریعہ یہ زندگی قائم و دائم ہے۔

ایک دہریہ، اور اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان نہ رکھنے والے کو مذکورہ حقائق پر گہرائی، اور تدبر سے غور کرنا چاہئے اگر وہ ایسا کرے گا تو یقیناً اُسے اللہ تعالیٰ کا ادراک اور اُس کی معرفت حاصل ہوجائے گی۔

تخلیق کائنات کی عقلی دلیل:

قرآن کریم کی بے شمار آیات ایسی ہیں اگر ایک دہریہ اُن پر صحت نیت کے ساتھ غور کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ادراک حاصل ہوسکتا ہے، اُسے چاہئے کہ کائنات کی تخلیق پر غور کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَتۡ رُسُلُہُمۡ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (ابراہیم: 11) یعنی ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا اللہ کے بارہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انکار کرنے والے کو فرمارہا ہے کہ کیا تمہیں شک ہے کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ یعنی آسمان وزمین تمہارے سامنے موجود ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اپنے فرائض متواتر ادا کرتے چلے جارہے ہیں۔ کیا ان کی تخلیق اور لاکھوں سالوں سے انکا اپنے فرائض جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کئے ہیں، انہیں احسن طور پر ادا کرتے چلے جانا، اس کی حقیقت کی عکاسی نہیں کرتی کہ اُسے کوئی چلا رہا ہے۔ ایک واقعہ کے ذریعہ اس مضمون کی مزید وضاحت کی جاتی ہے:

قدیم زمانے میں ایک دہریہ ملحد ایک مسلمان بادشاہ کے پاس آیا، اور یہ کہا کہ میں اللہ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا۔ میرا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات خودبخود معرض وجود میں آگئی ہے۔ اور اس کا نظام خودبخود چل رہا ہے۔ اُس ملحد نے بادشاہ سے کہا کہ کسی عالم کو بلائیں جو مجھ سے

اس موضوع پر بحث کرے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک مسلمان بزرگ کو جو دریا کی دوسری طرف رہائش پذیر تھے، دربار میں حاضر ہونے کیلئے پیغام بھیجا۔ پیغام پہنچانے والے سے مسلمان بزرگ عالم نے دربار میں حاضر ہونے کی وجہ دریافت کی، چنانچہ اُس نے ملحد کے سوال کا ذکر کیا۔ وہ مسلم بزرگ عالم دربار میں حاضر ہوئے، اور آتے ہی اُس ملحد کی موجودگی میں بادشاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ بادشاہ سلامت، آج میرے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ میں آپ کے دربار میں حاضر ہونے کیلئے دربار کے کنارے کشتی کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک دیکھا کہ دریا کے پانی سے بڑے بڑے لکڑی کے تختے نمودار ہوئے، پھر وہ آپس میں جڑنے لگے، پھر لوہے کے کیل نکلے وہ انہیں جوڑنے لگے۔ پھر رنگ کے بڑے بڑے ڈبے پانی سے نکلے اور خود بخود اُن تختوں پر رنگ وروغن ہونے لگا۔ اور پھر خود بخود وہ کشتی تیار ہوگئی۔ اور میرے پاس کنارے پر آکر کھڑی ہوگئی۔ پھر میں اس میں بیٹھ گیا، پھر وہ کشتی بغیر کسی رُبان کے چلنے لگی۔ اور دوسرے کنارے رُک گئی۔ میں اُس سے اترا اور آپ کے دربار میں حاضر ہوگیا۔

جب اُس ملحد دہریہ انسان نے یہ قصہ سنا تو غصہ میں بادشاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا، کیا آپ نے اس احمق انسان کو مجھ سے بحث کیلئے بلایا ہے؟ کیا اسکو اتنی عقل نہیں کہ لکڑی کے تختے خود بخود کیسے پانی سے نمودار ہوئے اور کشتی بن گئے؟ یہ ہرگز ممکن نہیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

وہ مسلم بزرگ عالم کھڑے ہوئے، اور عقلی دلیل کے ذریعہ اُس ملحد کو سمجھایا کہ جب تمہاری عقل کشتی کے از خود معرض وجود میں آجانے کو تسلیم نہیں کرتی، تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ کائنات خود بخود معرض وجود میں آگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق رب العالمین ہے، جس نے اس جہاں کو پیدا کیا اور اسے چلا رہا ہے۔ انتہائی بدبخت وہ انسان ہوگا جو اس اللہ رب العزت کا ادراک ومعرفت حاصل نہ کر سکے۔

اسی عقلی دلیل کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنی نوع انسان کو سمجھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’اے سعید انسان تو ایسا مت کر۔ تیرا خدا وہ ہے جس نے بیشمار ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا۔ اور جس نے زمین وآسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اس پر بدظنی رکھتا ہے۔‘‘
(کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 21)

قدیم زمانے کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل عقلی دلیل کے ذریعہ سمجھایا کہ: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۝ (نوح: 14 تا 17) یعنی تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ سے کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تم کو مختلف طریقوں پر پیدا کیا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کیسے سات آسمانوں کو طبقہ بر طبقہ پیدا کیا اور اس نے اُن میں چاند کو ایک نور بنایا اور سورج کو ایک روشن چراغ۔

قارئین کرام، یہاں سات آسمانوں کا ذکر ہے۔ عربی زبان میں سات کا عدد کثرت کیلئے اور تکمیل کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

چاند دھیمی روشنی دیتا ہے۔ چاند کی روشنی اپنی ذاتی روشنی نہیں وہ سورج کی روشنی کو ہی بڑے حسین انداز میں منعکس کرتا ہے۔ چاند ہم سے چار لاکھ کلومیٹر دور ہے۔

سورج ہمیں تیز روشنی اور گرمی دیتا ہے۔ زمین اور چاند کے درمیان جو فاصلہ ہے سورج کا قُطر اس سے ساڑھے تین گنا زیادہ ہے۔ زمین میں جتنا مادہ ہے اس سے تین لاکھ گنا زیادہ مادہ سورج میں ہے۔ سورج کے بالائی حصہ میں جو زرد سطح ہم کو نظر آتی ہے اُس کی حرارت چھ ہزار ڈگری ہے اور سورج کے وسط میں تو حرارت ایک کروڑ ڈگری سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جوہری توانائی کے اخراج سے یہ حرارت پیدا ہوتی ہے۔ سورج ہماری زمین سے پندرہ کروڑ کلومیٹر دور ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک معمولی چراغ بنانے کیلئے بھی کسی بنانے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورج اور چاند جیسے عظیم الشان روشنی دینے والے وجود خود بخود کیسے بن سکتے ہیں؟ عقل سلیم سے سوچنے والے صرف اسی ایک دلیل سے اللہ تعالیٰ کی ہستی تک پہنچ سکتے ہیں۔

نظام عالم کی عقلی دلیل:

سورۃ یٰس میں اللہ تعالیٰ نے فلکیات کے تعلق سے اپنی ہستی کے دلائل اس طرح بیان فرمائے: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۝ (یٰس: 38 تا 41) ترجمہ: اور ان کیلئے رات بھی ایک نشان ہے اس سے ہم دن کو کھینچ نکالتے ہیں۔ پس اچانک وہ پھر ظلمات میں ڈوب جاتے ہیں اور سورج (ہمیشہ) اپنی مقررہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ کامل غلبہ والے (اور) صاحب علم کی (جاری کردہ) تقدیر ہے۔ اور چاند کیلئے بھی ہم نے منازل مقرر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ سورج کی دسترس میں نہیں کہ چاند کو پکڑ سکے اور نہ ہی رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور سب کے سب (اپنے اپنے) مدار پر رواں دواں ہیں۔‘‘

تخلیق کائنات اور پھر اسکی مسلسل حرکت کو بطور عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ’’اولو الالباب‘‘ یعنی اصحاب عقل کو دعوت فکر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران: 191) دن کے بعد رات کا آنا اور رات کے بعد دن کا آنا اللہ تعالیٰ کی ہستی کی بڑی دلیل ہے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ زمین گول ہے اور زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے اور زمین کا جو حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو سورج کی طرف نہیں ہوتا وہاں رات ہوتی ہے۔ اتنی عمدگی سے زمین گھوم رہی ہے کہ ہمیں ذرہ بھی دھکا نہیں لگتا۔ ایک لمبے زمانے تک لوگ یہی سمجھتے رہے کہ زمین ساکن اور تمام آسمانی اجرام زمین کے گرد گھوم رہے ہیں جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے۔

ایک لٹو کو ہم گھماتے ہیں تو وہ تھوڑی دیر اپنے محور پر گھوم کر گر جاتا ہے، لیکن ہماری زمین اربوں سال سے گھوم رہی ہے اور گھومنا بند نہیں ہوتا۔ گھومنے کی رفتار میں فرق ہوتا ہے لیکن وہ انتہائی خفیف فرق ہے۔ اس کے گھومنے کی رفتار کم ہوتی جا رہی ہے لیکن صرف ایک صدی میں تخمیناً ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ کے برابر اور یہ ہمارے ریسرچ کیلئے محرک ہے۔ اس سے ہمیں زمین اور چاند کے ماضی کے باہمی تعلقات کا علم ہوتا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ نہ صرف زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے اور چوبیس گھنٹے میں اس کا ایک روٹیشن ہوتا ہے۔ بلکہ وہ سورج کے گرد بھی گھوم رہی ہے اور سورج کے گرد ایک چکر ایک سال میں پورا کرتی ہے۔ 30 کلومیٹر فی سیکنڈ کی تیز رفتار سے گھوم رہی ہے لیکن اس حرکت سے بھی کوئی دھکہ نہیں لگتا اور ہم محسوس بھی نہیں کرتے۔ البتہ اس کا ایک واضح نتیجہ آسمان کو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوران سال سورج بارہ برجوں میں سے گزر کر ایک سال کے بعد پھر آسمان پر اپنے سابقہ مقام پر آجاتا ہے۔

نظام شمسی ایک بہت بڑے نظام یعنی کہکشاں کے نظام کا حصہ ہے۔ بیسویں صدی میں یہ انکشاف ہوا کہ سورج اپنے تمام نظام شمسی کے اجرام کو لئے ہوئے ہماری Galaxy کہکشاں کے مرکز کے گرد 200 کلومیٹر فی سیکنڈ سے زیادہ رفتار کے ساتھ گھوم رہا ہے اور مرکز کہکشاں کے گرد ایک چکر 20 کروڑ سال میں پورا کرتا ہے۔ سورج کے ساتھ ہم سب بھی اسی تیز رفتاری سے مرکز کہکشاں کے گرد گھوم رہے ہیں اور مسلسل Nonstop سفر کے باوجود ہمیں کوئی تھکان محسوس نہیں ہوتی اور زمین کی کشش ثقل بھی ہمیں ادھر ادھر جانے نہیں دیتی، مضبوطی کے ساتھ زمین پر قائم رکھتی ہے۔ یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ موٹر کار، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سب کسی چلانے والے کے محتاج ہیں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ زمین اور سورج اور چاند اور دوسرے اجرام کو چلانے والا کوئی خدا نہیں ہے۔

بذریعہ قبولیت دعا عقلی دلیل:

ایک اہم عقلی دلیل جو قرآن شریف میں

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

جس گھر میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے خدا تعالیٰ اسے برباد نہیں کیا کرتا

(ملفوظات، جلد 3، صفحہ 232)

اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ جب کوئی انسان گھبرا کر اسکے حضور میں دعا کرتا ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے۔ اور یہ بات کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں بلکہ ہر زمانہ میں اس کے نظارے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرۃ: 187) یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال کریں تو انہیں کہہ دے کہ میں ہوں اور پھر قریب ہوں پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ کیوں کر معلوم ہو کہ خدا دعا سنتا ہے، کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض دعا کرنے والے کے کام ہو جاتے ہیں جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے۔ اگر سب دعائیں قبول ہو جائیں تب بھی کچھ بات تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ اُن کی دعائیں قبول ہوئیں اور ان کے کام ہو گئے، یا بیمار شفایاب ہو گئے۔ وہ اتفاقی طور پر خود بخود ہو گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت اپنے ساتھ نشان رکھتی ہے چنانچہ حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے ثبوت باری تعالیٰ کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور پر بیمار ہوں چنے جائیں اور بانٹ لئے جائیں اور ایک گروہ ڈاکٹر کا اسکا علاج کریں اور ایک طرف میں اپنے حصہ والوں کیلئے دعا کروں پھر دیکھو کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ (دس دلائل ہستی باری تعالیٰ، صفحہ 21) اب اس طریق امتحان میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

لاعلاج مریض کے شفایاب ہونے کے سلسلہ میں ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں ایک طالب علم جسکا نام عبدالکریم ولد عبدالرحمن ساکن حیدرآباد دکھن سے قادیان تعلیم کیلئے آیا تھا۔ قادیان میں قیام کے دوران ایک دن اُسے سگ دیوانہ نے کاٹ لیا۔ اُس زمانے میں ایسے انسان کی موت یقینی سمجھی جاتی تھی۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عبدالکریم کو بمقام کسولی (ضلع سولن صوبہ ہماچل) علاج کیلئے بھجوایا۔ اُس زمانے میں وہاں ایسے انسان کا علاج ہوتا تھا۔ وہاں اُسکا علاج ہوا، اور وہ صحت یاب ہوکر واپس قادیان آ گیا۔ چند دن کے بعد اس پر آثار دیوانگی ظاہر ہوئے۔ بایں وجہ کسولی کے ڈاکٹر سے پوچھا گیا، ڈاکٹر نے جواب میں ٹیلی گرام بھجوایا کہ

Sorry nothing can be done for Abdul Karim.

ترجمہ: افسوس کہ عبدالکریم کے واسطے کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے لاعلاج مریض کیلئے دعا کی اور وہ شفایاب ہو گیا۔

ایسا مریض جس کے بارے میں اُس مرض کا ماہر ڈاکٹر اس حد تک مایوس ہوکر جواب دے رہا ہے کہ افسوس ایسی حالت میں مریض کو بچانے کیلئے کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ دعا سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ تو یہ دلیل ہے اس حقیقت کی کہ ''اللہ'' موجود ہے وہ سمیع الدعا ہے۔ دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل چاہئے اسے چاہئے کہ سچے دل سے خدا کے سامنے جھکتے ہوئے اس سے دعا مانگے۔ اللہ خود بخود اسے اپنی معرفت عطا کر دیگا۔ عقل کے علاوہ اسکا دل بھی اس دلیل سے مطمئن ہو جائے گا۔

احتیاطی دلیل:

بعض اوقات ہم دنیا میں ایک کام محض اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ اسکا اختیار کرنا گو ویسے کسی معقول بنا پر ضروری نہ ہو مگر احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھ کر ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ہم رات کے وقت کسی جنگل بیابان میں ڈیرہ لگاتے ہیں تو بعض اوقات باوجود اس علم کے کہ جنگل کے اس حصہ میں کسی درندہ یا چور ڈاکو کا اندیشہ نہیں ہے ہم احتیاطاً رات کے وقت پہرہ کا انتظام کر لیتے ہیں اس خیال سے کہ گو بظاہر کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی خطرہ کا احتمال ہو جائے اور اُس وقت ہم بے دست و پا ہوں ایسی حالت میں ہماری عقل ہمیں یہی مشورہ دیتی ہے کہ اگر تو کوئی خطرہ پیدا نہ ہوا تب بھی پہرہ کا انتظام ہمارے لئے نقصان دہ نہیں اور اگر کوئی خطرہ پیدا ہو گیا تو لاریب پہرہ کا انتظام ہمیں بہت فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ الغرض بسا اوقات ہم ایک کام محض احتیاطی پہلو کے طور پر اختیار کرتے ہیں اور ساری دنیا اس بات پر متفق ہے کہ اس قسم کے احتیاطی انتظام بھی ضروری اور مفید ہوتے ہیں۔

اب اس اصول کے ماتحت ہم ہستی باری تعالیٰ کے اصول پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ خدا پر ایمان لانا، انکار کرنے سے بہرحال زیادہ پُرامن اور زیادہ احتیاط کا طریق ہے۔ اگر تو کوئی خدا نہیں اور یہ سارا کارخانۂ عالم محض کسی اتفاق کا نتیجہ ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارا ایمان لانا ہمارے واسطے کسی طرح نقصان دہ نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی خدا ہے (اور یقیناً ہے) تو ہمارا یہ ایمان لاریب مفید اور فائدہ مند ثابت ہوگا۔

کہتے ہیں کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا تھا کہ خدا کی ہستی کا کیا ثبوت ہے؟ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سائل سیدھا سادہ آدمی ہے اسے یہی جواب دیا کہ دیکھو تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ اگر کوئی خدا نہیں ہے تو ماننے والے اور نہ ماننے والے سب برابر ہیں۔ کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر خدا ہے تو خوب یاد رکھو کہ انکار کرنے والے کی خیر نہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''محض عقلی دلائل مذہب کی سچائی کیلئے کامل شہادت نہیں ہوسکتے اور یہ ایسی مہر نہیں ہے کہ کوئی جعلساز اسکے بنانے پر قادر نہ ہو بلکہ یہ تو عقل کے چشمہ عام کی ایک گداگری متصور ہوسکتی ہے۔ پھر اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ عقلی باتیں جو ایک کتاب نے لکھیں درحقیقت وہ الہامی ہیں یا کسی اور کتاب سے چرا کر لکھی گئی ہیں اور اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ چرائی ہوئی نہیں ہیں تو پھر بھی ہستی باری تعالیٰ پر وہ کب دلیل قاطع ہوسکتی ہیں اور کب کسی طالب حق کا نفس اس بات پر پوری تسلی پا سکتا۔ ہے کہ فقط وہی عقلی باتیں یقینی طور پر آیت خدا نما ہیں اور کب یہ اطمینان بھی ہوسکتا ہے کہ وہ باتیں بکلی غلطی سے مبرا ہیں۔ پس اگر ایک مذہب صرف چند باتوں کو عقل یا فلسفہ کی طرف منسوب کر کے اپنی سچائی کی وجہ بیان کرتا ہے اور آسمانی نشانوں اور خارق عادت امور کے دکھلانے سے قاصر ہے تو ایسے مذہب کا پیرو فریب خوردہ یا فریب دہندہ ہے اور وہ تاریکی میں مرے گا۔

غرض محض عقلی دلائل سے تو خدائے تعالیٰ کا وجود بھی یقینی طور پر ثابت نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ کسی مذہب کی سچائی اس سے ثابت ہو جائے اور جب تک ایک مذہب اس بات کا ذمہ وار نہ ہو کہ وہ خدا کی ہستی کو یقینی طور پر ثابت کر کے دکھلائے تب تک وہ مذہب کچھ چیز نہیں ہے اور بدقسمت ہے وہ انسان جو ایسے مذہب پر فریفتہ ہو۔ ہر ایک وہ مذہب لعنت کا داغ اپنی پیشانی پر رکھتا ہے جو انسان کی معرفت کو اُس مرحلہ تک نہیں پہنچا سکتا جس سے گویا وہ خدا کو دیکھ لے اور نفسانی تاریکی روحانی حالت سے بدل جائے اور خدا کے تازہ نشانوں سے تازہ ایمان حاصل ہو جائے اور نہ صرف لاف کے طور پر بلکہ واقعی طور پر ایک پاک زندگی مل جائے۔'' (براہین احمدیہ، حصہ پنجم، روحانی خزائن، جلد 21 صفحہ 60)

......☆......☆......☆......

منکرین ہستی باری تعالیٰ کے دلائل اور ان کا ردّ

(محمد عارف ربانی، مربی سلسلہ، نظارت نشر و اشاعت قادیان)

وہ عظیم الشان اور بلند و بالا ہستی جس کا جلوہ آسمان کی بلندیوں، فلک بوس پہاڑوں، نیلگوں آسمان میں چمکتے تاروں، زمین میں بہتے ہوئے پانیوں، وسیع و عریض سمندروں، لہلہاتے سبزہ زاروں، چٹیل ریگستانوں، سرسراتی ہواؤں، نباتات جمادات، حیوانات اور حشرات اس وسیع و عریض کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہمیں نظر آتا ہے، اس کے متعلق امام زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدأ الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

اور پھر وہ برتر اور بزرگ ہستی جو ساری کائنات کو پیدا کر کے اسکی ربوبیت اور پرورش کے سامان مہیا کرنے والی ہے اور جس نے ہماری دنیا جیسی لاکھوں دنیائیں پیدا کر رکھی ہیں اسکے بارے میں شک کرنا اور پھر اس کی ہستی سے ہی منکر ہو جانا کیا انسان کو زیبا ہے جو کہ بذات خود اس کی ہستی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ تو کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ جس انسان کی فطرت اور نیچر میں خدا تعالیٰ نے اپنی ہستی کا اقرار ریکارڈ کیا ہوا ہے وہی انسان خدا تعالیٰ سے لاتعلقی اور مذہب سے دوری کی بنا پر اور دنیا کی چمک دمک، سائنسی اکتشافات اور گمراہ کن فلسفۂ جدیدہ سے مسحور اور مرعوب ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا ہی منکر ہوتا جا رہا ہے جبکہ یہ ساری صلاحیتیں اس کو اسی برتر ہستی نے عطا کی ہیں۔ ورنہ انسان اپنی حقیقت میں لاشئ محض ہے۔ ایک سانس کے اوپر یا نیچے ہو جانے سے یا تو عالم وجود میں آجاتا ہے یا پھر عالم فنا میں چلا جاتا ہے۔ خود انسانی فطرت میں ہستی باری تعالیٰ کا ایک ثبوت ہے کہ کٹر سے کٹر دہریہ انسان پر بھی جب کبھی مصیبت کی گھڑی آتی ہے تو وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگ جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی فطری تقاضا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِىٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا۟ بَلَىٰ شَهِدْنَآ (الاعراف: 173) ترجمہ: اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں میں سے ان کی اولادوں کو لیا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ ٹھہرایا (اور پوچھا) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! ہاں! ہم (اس بات کی) گواہی دیتے ہیں۔

ایک برتر ہستی کی تلاش انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ امام الزماں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اسکی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے، جس کیلئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے ...... درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبودِ حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے۔ گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گمشدہ چیز کو تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے۔ سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی روح کا کھینچے جانا درحقیقت اسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے۔“ (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن، جلد 10، صفحہ 363)

الغرض فطرتِ انسانی ہستی باری تعالیٰ کا ایک زبردست ثبوت ہے جس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا سراسر احسان ہے کہ اس نے ہماری ہدایت کیلئے ہماری فطرت کے اندر ہی ایمان کا بیج بو رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے: وَفِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات: 22) یعنی اے لوگو! تمہیں ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں تمہارے تو خود اپنے نفسوں میں خدائی آیات موجود ہیں مگر تم دیکھو بھی۔

منکرین ہستی باری تعالیٰ اپنے مزعومہ نظریہ کی تائید میں بعض دلائل پیش کرتے ہیں چنانچہ ذیل میں منکرین ہستی باری تعالیٰ کے دس موٹے موٹے دلائل اور انکا ردّ لکھا جاتا ہے۔

پہلی دلیل منکرین ہستی باری تعالیٰ اپنے عقیدہ کی تائید میں یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ کائنات خود بخود اپنے کسی اندرونی قانون اور سلسلہ اسباب وعلل کے ماتحت ہمیشہ سے یا کسی خاص زمانہ سے چلتی چلی آرہی ہے۔ اور اس کی تخلیق کرنے یا اس کو چلانے والی کوئی بالا ہستی موجود نہیں۔

جواب: بعض فلسفی و سائنسدان اس منظم کائنات کا وجود میں آنا اتفاقیہ مانتے ہیں۔ ایسے ہی کسی فلسفی کو ایک عرب کے بدو نے کیا خوب جواب دیا کہ جب جنگل میں مینگنی کو دیکھ کر اُونٹ کا پتا لگ جاتا ہے اور پاؤں کے نشانات سے چلنے والے کا، تو ستاروں والا آسمان اور یہ زمین جس میں راستے بنے ہوئے ہیں اِن کو دیکھ کر لطیف و خبیر خدا کی دلیل کیوں نہ ملے۔ (انوار الاسلام، جلد 6، صفحہ 294 تا 295)

ایک معمولی سے معمولی چیز چاہے وہ ایک دھاگا ہی کیوں نہ ہو اُس کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ اس کو بنانے والا کوئی نہیں تو سننے والا چاہے کتنا بڑا دہریہ ہی کیوں نہ ہو شاید قہقہے مار کر ہنسنے لگے اور کہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ یہی دلیل اگر ہستی باری تعالیٰ کی اُس کے سامنے پیش کی جائے تو منہ پھیر کر انکار کر دیتا ہے لیکن بغیر کسی دلیل کے۔ قرآن مجید نے اس دلیل کو ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: أَفِى ٱللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ (ابراہیم: 11) کیا اللہ کے بارہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟

پس یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک غور کرنے والی طبیعت کے لئے دنیا کی ہر چیز اور اس کے اندر کارفرما حکیمانہ قوانین ہستی باری تعالیٰ کے عظیم ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

اگرچہ کہ مغربی سائنسدانوں اور فلاسفروں کے ایک قلیل طبقہ نے سائنس اور فلسفہ کو بنیاد بناتے ہوئے اور اپنی مسخ شدہ فطرت کے زیر اثر خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا ہے اور اسی بنیاد پر بنی نوع انسان کو گمراہی کی طرف لے گئے ہیں لیکن اسی زمرہ میں سے بعض ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں اور اُن کی سائنس دانی ہی اُن کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ چنانچہ نیوٹن جن کا شمار دنیا کے عظیم ترین سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ اُن کے مطابق کائنات کی توجیہ خدا پر عقیدہ کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتے ہیں:

This most beautiful system of Sun, planets and Comets could only proceed from the Councel and dominion of an intellignet and powrful Being. (Our star system and the steller Universe by Charles Whyte P. 131)

سورج، سیاروں، دمدار ستاروں کا یہ خوبصورت نظام صرف ایک دانا اور مقتدر ہستی کے مشورے اور تسلط سے چل سکتا ہے۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بہت سے سائنسدان تخلیق کے آغاز اور حیات کے تعلق میں وقت اور اتفاق کے کردار پر نظر ڈالنے کے بعد اس ناگزیر نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس کائنات کی تشکیل، منصوبہ بندی، ترتیب اور تخلیقی عمل کو برقرار رکھنے کیلئے ایک حکیم و علیم، قادر مطلق اور حیّ و قیوم ہستی کا وجود لازمی ہے۔ ایسا وجود جس کے بغیر زندگی کی تخلیق اور ارتقا حسابی نقطہ نظر سے تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا...... پرنسٹن یونیورسٹی کے ایک ممتاز ماہر حیاتیات پروفیسر ایڈون کونکلن (Edwin Conklin) اس بارہ میں لکھتے ہیں: ”زندگی کا حادثاتی طور پر وجود میں آجانا ایسا ہی ہے جیسے یہ تصور کیا جائے کہ کسی چھاپہ خانہ میں دھماکہ کے بعد ایک مکمل لغت تشکیل پا جائے۔“

اگر ارتقاء کو اندھے اتفاقات کا نتیجہ قرار دیا جائے تو اس کیلئے اتنا غیر معمولی طویل عرصہ درکار ہو گا کہ جسکے تصور سے بھی بڑے سے بڑے حساب دان کا ذہن چکرا جاتا ہے۔ اس طویل مدت کو نہ تو الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی انسانی ذہن ان اعداد و شمار کی وسعت کا کماحقہ ادراک کر سکتا ہے۔
(الہام، عقل، علم اور سچائی، صفحہ 413، 414)

دوسری دلیل ہستی باری تعالیٰ کے انکار کی منکرین کی طرف سے یہ پیش کی جاتی ہے کہ قانونِ نیچر اور سلسلہ اسباب و علل اس قدر کامل و مکمل ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کائنات کیلئے قطعاً کسی خدا یا کسی بالا ہستی کی

ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔اور بغیر کسی ضرورت کے کسی بالا ہستی کو ماننا ایک وہم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا وغیرہ۔

جواب: واضح رہے کہ منکرین ہستی باری تعالیٰ کی اس بے بنیاد دلیل پر اتنے سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک سوال کا جواب ان کے پاس نہیں ہے۔اور یوں لگتا ہے کہ جس دلیل کی بنیاد پر یہ ہستی باری تعالیٰ کو ایک وہم قرار دیتے ہیں وہ دلیل بذات خود ان کا ایک وہم ہے مفروضہ ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس وسیع وعریض کائنات میں بے شمار سیاروں کے باوجود زندگی صرف ایک حقیر سے سیارے یعنی زمین پر اور وہ بھی خود بخود وجود میں آگئی اوران بے شمار سیاروں میں سے صرف زمین پر ہی زندگی ممکن بنانے والے تمام حالات خود بخود جمع ہو گئے۔

پھر کائنات کے صرف اسی حقیر سے کرے پر سوچنے سمجھنے والی ایک مخلوق (انسان) مادی ارتقاء کے نتیجے میں خود بخود وجود میں آگئی (معلوم نہیں اب یہ ارتقائی عمل کیوں ختم ہو گیا کہ اب ملین کی تعداد میں بندر انسان نہیں بن پاتے) اور یہ عمل کھربوں برس سے خود بخود چلتا ہی چلا جارہا ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ جب کائنات میں صرف غیر متحرک مادہ تھا، اس کے سوا کوئی چیز موجود نہ تھی تو یہ عجیب وغریب اتفاق کہاں سے وجود میں آگیا جس نے ساری کائنات کو حرکت دے دی جس واقعہ کے اسباب نہ مادہ کے اندر موجود تھے اور نہ مادہ کے باہر وہ واقعہ وجود میں آیا تو کیسے آیا؟

کیا ایسا ممکن نہیں تھا کہ ستارے آپس میں ٹکرا کر تباہ ہو جائیں۔ مادہ میں حرکت پیدا ہوجانے کے بعد کیا یہ ضروری تھا کہ محض حرکت نہ رہے بلکہ ایک ارتقائی حرکت بن جائے؟ اور حیرت انگیز تسلسل کے ساتھ موجودہ کائنات کو وجود میں لانے کی طرف دوڑنا شروع کردے؟

آخر وہ کون سی منطق تھی جس نے ستاروں کے وجود میں آتے ہی ان کو لا متناہی خلا میں نہایت باقاعدگی کے ساتھ پھرانا شروع کر دیا؟ پھر وہ کون سی منطق تھی جس نے کائنات کے ایک بعید ترین گوشہ میں نظام شمسی کو وجود دیا؟

وہ کون سی منطق تھی جس سے ہمارے کرہ زمین پر وہ عجیب وغریب تبدیلیاں ہوئیں جن کی وجہ سے یہاں زندگی کا قیام ممکن ہوسکا اور جن تبدیلیوں کا سراغ آج تک کائنات کی بے شمار دنیاؤں میں سے کسی ایک دنیا میں معلوم نہ کیا جاسکا ہے؟

وہ کون سی منطق تھی جو ایک خاص مرحلہ پر بے جان مادہ سے جاندار مخلوق پیدا کرنے کا سبب بن گئی؟

وہ کون سی منطق تھی جس نے کائنات کے ایک چھوٹے سے رقبہ میں حیرت انگیز طور پر وہ تمام چیزیں پیدا کردیں جو ہماری زندگی اور ہمارے تمدن کے لئے درکار تھیں؟ پھر وہ کون سی منطق ہے جو ان حالات کو ہمارے لئے باقی رکھے ہوئے ہے؟

کیا محض ایک اتفاقی حادثہ کا پیش آجانا اس بات کی کافی وجہ تھی کہ یہ سارے واقعات اس قدر حسن وترتیب کے ساتھ مسلسل پیش آتے چلے جائیں اور اربوں وکھربوں سال تک ان کا سلسلہ جاری رہے اور پھر بھی ان میں کوئی فرق نہ آنے پائے؟

کیا اس بات کی کوئی واقعی توجیہہ کی جاسکتی ہے کہ محض اتفاق سے پیش آجانے والے واقعہ میں لزوم کی صفت کہاں سے آگئی اور اتنے عجیب وغریب طریقہ پر مسلسل ارتقاء کرنے کا رجحان اس میں کہاں سے پیدا ہو گیا؟

غرض ایسے ہی ان گنت سوال ہیں جن کا منکرین ہستی باری تعالیٰ کے پاس کوئی جواب نہیں اور نہ ہی وہ ان کی کوئی توجیہہ پیش کر سکتے ہیں۔

حضرت مرزا بشیر احمد ایم اے رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کیا یہ عظیم الشان نظام جس نے دنیا کی اربوں چیزوں کو ایک لڑی میں پرو رکھا ہے بغیر کسی خالق اور متصرّف کے خود بخود چل رہا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شخص جو آدم کی اولاد سے ہے اور دل ودماغ رکھتا ہے اس بات پر تسلی پا سکتا ہے کہ یہ کائنات جو اس قدر گوناگوں عجائبات کا مجموعہ ہے خود بخود اپنے آپ سے ہے۔خلاصہ کلام یہ کہ یہ تمام کائنات مع اپنے حکیمانہ نظام کے خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک ایسی زبردست دلیل ہے کہ کوئی عقلمند شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

پھر آپؓ اسکی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ فرض بھی کرلیا کہ مثلاً

”زمین خود بخود پیدا ہو گئی۔اس پر چلنے پھرنے والی چیزیں بھی خود بخود پیدا ہو گئیں ۔انسان بھی اپنے آپ نیست سے ہست میں آگیا اس کے ناک کان آنکھ سب خود بخود ظاہر ہو گئے ۔الغرض یہ سب کچھ کسی اتفاقی قانون کے نتیجے میں ہو گیا، لیکن یہ کس طرح ہوا کہ آنکھوں میں جو دیکھنے کی طاقت تھی اس کے ظاہر کرنے کیلئے اس قانون نے نو کروڑ میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان چراغ بھی روشن کر دیا تا کہ اس کی روشنی زمین پر پہنچے اور پھر انسانی آنکھ اپنی قوت بینائی کو استعمال کر سکے......

غرض کسی طریق کو بھی اختیار کیا جاوے اس بات کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں کہ یہ کائنات اور اس کا حکیمانہ نظام ایک ایسی ہستی کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو خالق ہے، مالک ہے، حکیم ہے، علیم ہے، قدیر ہے، متصرّف ہے، غرض ان تمام صفات سے متّصف ہے جو مذہب خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔“ (ہمارا خدا، مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 67 تا 70)

تیسری دلیل جو منکرین ہستی باری تعالیٰ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے وہ مسئلہ ارتقاء ہے یعنی جو چیزیں اس وقت دنیا میں نظر آتی ہیں ابتداء میں وہ ایک ادنی حالت میں تھیں اور پھر آہستہ آہستہ ارتقاء کر کے اپنی موجودہ شکل کو پہنچی ہیں جو چیزیں اس ماحول کے مطابق تغیّر پذیر نہیں ہو سکیں وہ آہستہ آہستہ ضائع ہو گئیں۔اور اس سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ اس عالم میں کوئی ترتیب (Design or Plan) نہیں ہے بلکہ موجودہ کائنات محض اتفاقی حالات کا نتیجہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ڈارون کے اس نظریہ کی تشریح اور پھر ہستی باری تعالیٰ کے انکار کے ضمن میں اس دلیل کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہ مسئلہ جو خدا کے وجود کے خلاف سب سے زیادہ پیش کیا جاتا ہے ارتقاء کا مسئلہ ہے۔یعنی یہ دنیا جو ہمیں نظر آتی ہے پہلے دن سے اسی طرح نہیں چلی آئی بلکہ پہلے باریک ذرات تھے جو لاکھوں سال بعد ایک سے دو ہوئے، دو سے تین، پھر چار، پانچ حتّٰی کہ اس طرح بڑھتے گئے۔ادھر نباتات اور حیوانات میں اسی طرح آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی۔جو بہتر نسل تھی وہ اور زیادہ بہتر پیدا کرتی گئی حتی کہ بندر بن گیا اور پھر اس سے اوپر بعض اور جانور اور پھر ان سے آدمی بنے۔ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ بندر سے انسان بنے مگر ہمیں قرآن کریم یہ ضرور بتاتا ہے کہ دنیا کی پیدائش تدریجی تغیر کے ساتھ ہوئی ہے...... یہ نہیں کہ ایک ہی دن میں سب چیزیں پیدا ہو گئیں یا یہ کہ ایک ہی دن میں ایک شے پیدا ہو گئی۔سب چیزیں بھی تدریجاً پیدا ہوئیں اور ہر ایک چیز بھی آہستہ آہستہ ہی کامل ہوئی...... ہم کہتے ہیں خواہ کچھ مان لو اس ارتقاء کے مسئلہ سے دہریت باطل ہو جاتی ہے کیوں؟ اس لئے کہ جو لوگ ادنی جانوروں سے ترقی کر کے انسان کی پیدائش مانتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے کچھ حیوانات پیدا ہوئے پھر انہوں نے ترقی کی اور، اَور پیدا ہوئے اور اس ترقی کے ساتھ ساتھ دماغ کی بھی ترقی ہوتی گئی حتی کہ اعلی درجہ کا انسان پیدا ہو گیا۔اس پر آکر جسمانی ترقی تو بند ہوگئی لیکن انسانی دماغ کی ترقی جاری ہے۔ہم کہتے ہیں یہی خدا کے ہونے کا ثبوت ہے۔کیوں کہ اگر نیچر ہی سب چیزوں کے پیدا کرنے والی ہوتی خدا نہ ہوتا تو جسمانی ترقی بھی جاری رہتی اور انسان سے آگے کچھ اور بنتا۔مگر یہ ظاہر ہے کہ جسمانی تغیّر بند ہو گیا ہے۔اور اس کے مقابلہ میں انسانی روح کو مضبوط اور ترقی یافتہ بنانے کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔کون سی عقل اس امر کو تسلیم کرسکتی ہے کہ نیچر ایک مقصد قرار دیتی ہے اور اس مقصد کے حصول پر اپنا راستہ بدل دیتی ہے۔ انسان کی پیدائش پر ارتقاء جسمانی کا سلسلہ بند ہو جانا اور عقلی اور ذہنی ترقی کا سلسلہ رک نہ جانا بتاتا ہے کہ اس تمام ارتقاء کا بانی اور اس کا ملانے والا کوئی ایسا وجود ہے جس نے اس تمام دنیا کو ایک خاص غرض اور مقصد کیلئے پیدا کیا ہے۔جب وہ مقصد پورا ہو گیا تو ارتقاء کی لہریں جو جاری تھیں اس نے بند کر دیں۔اگر خدا تعالیٰ نہیں تو چاہئے تھا کہ انسان کی پیدائش کے بعد بھی برابر مخلوقات میں تبدیلی ہوتی رہتی اور نئے سے نئے حیوانات پیدا ہوتے رہتے۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ حیوان پیدا ہو گیا جسکا ذہن اس قابل تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر جذب کر سکے اور روحانی ترقیات حاصل کر سکے تو ارتقاء کی لہر بالکل پلٹ گئی اور بجائے جسمانی ترقی کے خالص ذہنی ترقی شروع ہو گئی گویا مقصود پورا ہو گیا اور اب جسمانی ارتقاء کی ضرورت نہ رہی جس کے ذریعہ سے ایک جنس سے دوسری جنس پیدا کی جائے۔“ (ہستی باری تعالیٰ، انوار العلوم، جلد 6، صفحہ 289)

پھر پیدائش عالم کے متعلق سورۃ حٰم السجدۃ کے حوالہ سے قرآنی اصل پر روشنی ڈالتے ہوئے

آپ فرماتے ہیں:

”غرض قرآن کریم بتاتا ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے میں تدریجی ترقی کو مدنظر رکھا گیا ہے پہلے آسمان، زمین، نباتات اور جانوروں کو پیدا کیا گیا۔ ان تمام تغیرات کے بعد جو لاکھوں بلکہ کروڑوں سالوں میں ہوئے، انسانوں کو پیدا کیا گیا......تو دلیل ارتقائی جس کو خدا کی ہستی کے ردّ میں پیش کیا جاتا ہے وہی خدا کی ہستی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ (ایضاً، صفحہ 293)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ارتقاء تو یقیناً ہوا ہے مگر یہ اندھا ارتقاء نہیں۔ اس سفر کے ہر دوراہے پر جانوروں نے کبھی بھی اپنا رستہ خود منتخب نہیں کیا۔ اس راستہ میں کسی باشعور خالق کے منصوبہ کے بغیر کسی واضح منزل کا تعیّن ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ زندگی کا ہر قدم کسی بھی سمت میں اٹھ سکتا تھا۔ صحیح سمت میں ایک قدم بھی اٹھنے کا امکان بہت کم تھا۔ ہر قدم کا ہمیشہ صحیح سمت میں اٹھنا اور اربوں دفعہ اسی طرح ہوتے چلے جانا تا کہ وہ راستہ اختیار کیا جاسکے جو بالآخر انسان کی تخلیق پر منتج ہو، ایک ایسا محیّر العقول افسانہ ہے جس پر کہانیوں والے بھوت پریت بھی اعتبار نہیں کریں گے۔ اسکے باوجود بعض سائنسدان اس پر یقین رکھتے ہیں۔“ (الہام، عقل، علم اور سچائی، صفحہ 352)

منکرین ہستی باری تعالیٰ کی اسی دلیل کا ردّ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ فرماتے ہیں:

”اس دنیا کا اپنی ابتدائی حالت میں بہت ادنیٰ اور سادہ ہونا اس کائنات کو اور بھی زیادہ پرحکمت اور عجیب وغریب چیز ثابت کرتا ہے اور خالق فطرت کی ہستی پر ایک مزید دلیل پیدا ہوتی ہے کہ کس طرح اس نے مادہ کی اس ابتدائی ادنیٰ حالت میں یہ مخفی طاقتیں ودیعت کر دیں کہ وہ آہستہ آہستہ ایک نہایت عظیم الشان اور پر رعب و پرحکمت عالم کی صورت اختیار کر گیا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ ہی کس طرح اس کے اندر سے وہ مکمل اور حکیمانہ قانون بھی پیدا ہوتا گیا جس کے ماتحت آج دنیا کی بے شمار عجیب وغریب چیزیں اپنے اپنے دائرہ کے اندر کام کرتی ہوئی لوگوں کی عقول کو محو حیرت کر رہی ہیں۔“ (ہمارا خدا، مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، صفحہ 74)

چوتھی دلیل جو منکرین کی طرف سے ہستی باری تعالیٰ کے خلاف پیش کی جاتی ہے وہ بھی مسئلہ ارتقا پر مبنی ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ خلق عالم اور خلق آدم کے متعلق جو تعلیم مذاہب نے پیش کی ہے وہ سب مسئلہ ارتقاء کی روشنی میں غلط اور باطل ثابت ہوگئی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ مذاہب کی تعلیم جھوٹی اور خلاف واقعہ ہے اور جب مذاہب باطل ہوگئے تو خدا کا عقیدہ بھی جو انسان کو مذہب سے حاصل ہوا ہے خود بخود باطل اور غلط ثابت ہوگیا۔

جواب: درحقیقت خلق عالم اور خلق آدم کے متعلق ان مذاہب کی تعلیمات پر تو اعتراضات ہو سکتے ہیں جو انسانی دست برد سے اچھوتی نہیں رہی اور ان مذاہب کے ماننے والوں نے اصولی تعلیمات کو قصے کہانیوں کے رنگ میں کچھ کا کچھ بنا دیا لیکن اسلام کی اصولی تعلیم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا جو انسانی دست برد سے محفوظ رہی۔ بلکہ وہ تو خلق عالم اور خلق انسان کے متعلق حقیقی سائنسی نظریہ کی مؤید ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ فرماتے ہیں:

”مسئلہ ارتقاء نے خلقِ عالم اور خصوصاً خلقِ انسان کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے جو اس زمانہ کے معروف الہامی مذاہب کی عرفی تعلیم کے خلاف نظر آتا ہے......حالانکہ اگر لوگ ذرا غور وفکر سے کام لیتے تو بات نہایت معمولی تھی کیوں کہ اول تو بہت سے خیالات جو اس وقت مختلف مذاہب کے متبعین میں خلق عالم اور خلقِ آدم کے متعلق پائے جاتے ہیں وہ دراصل بعد کے علماء کے اپنے حواشی ہیں اور ان مذاہب کی اصل الہامی کتب یا دیگر مستند کتابوں میں ان کا کوئی پتا نہیں چلتا اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے غلط ثابت ہونے سے ہرگز کوئی اعتراض مذہب پر وارد نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ پیدائش عالم کے متعلق بعض خیالات ایسے بھی ہیں جو بعد کی دست برد سے یا بعض صورتوں میں غیر زبانوں میں تراجم کی غلطی کی وجہ سے مذہبی کتب کا حصہ بن گئے ہیں مگر درحقیقت اصل الہامی کتب میں وہ پائے نہیں جاتے تھے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی مذہب کی تعلیم پر حقیقتاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور تیسرے یہ کہ ان خیالات میں سے بعض واقعی اصل الہامی کتب میں پائے جاتے ہیں مگر ان کا مطلب سمجھنے میں اکثر لوگوں نے غلطی کھائی ہے اور اس غلط تشریح کی وجہ سے جدید محققین کو اعتراض کا موقع مل گیا ہے۔

مثلاً......قرآن شریف میں آتا ہے کہ ہم نے آدم کو مٹی سے بنا کر پھر اپنے حکم سے اس کے اندر جان ڈالی اور اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گویا نسل انسانی کا آغاز اس طرح پر ہوا ہے کہ خدا نے ایک مٹی کا بت بنایا اور پھر اس میں پھونک مار کر جان ڈال دی اور اس کے بعد نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حالانکہ آیت قرآنی کا صرف اتنا مطلب ہے کہ آدم کی خلقت میں اجزائے ارضی کا خمیر ہے جس کی وجہ سے وہ مادیات کی طرف جلد مائل ہو جاتا ہے اور اسی لئے خدا نے اسکی بناوٹ میں روحانی عنصر کا چھینٹا دے دیا ہے تا کہ اسکے مادی عناصر اسکی روحانی ترقی میں روک نہ ہو جائیں ......قرآن صرف یہ کہتا ہے کہ خدا نے آدم کو آواز دینے والی تیار شدہ مٹی سے پیدا کیا اور پھر اسکے اندر اپنے حکم سے جان ڈالی۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ایک حیوان ناطق ہے جو دوسرے حیوانوں سے ممتاز طور پر صفت نطق کے ذریعہ ترقی کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اسکا جسم اور اسکی روح دونوں خدا کی مخلوق ہیں جو ایک خاص طریق عمل کے مطابق عالم وجود میں آئے ہیں، لیکن اس بات کے متعلق قرآنِ شریف خاموش ہے کہ مٹی سے کونسی مٹی مراد ہے کیوں کہ سارے کیمیاوی سالٹ مٹی ہی کا حصہ ہیں۔ اور پھر اس بات کے متعلق بھی خاموش ہے کہ خدا نے انسان کو مٹی سے کس طرح بنایا، کتنے عرصہ میں بنایا، کتنے درجوں اور کس قسم کے درجوں میں سے گزار کر موجودہ حالت کو پہنچایا وغیرہ ذلک......پس کوئی سائنسدان قرآن شریف کے بیان پر اعتراض نہیں کرسکتا کیوں کہ اس میں خلق انسان کی ایسی ایک اجمالی اور صحیح کیفیت بیان کی گئی ہے جو سائنس کی کسی ثابت شدہ حقیقت کے خلاف نہیں بلکہ خود سائنس کیلئے ایک اصولی شمع ہدایت کا کام دیتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص قرآن شریف کے اس بیان پر اپنی طرف سے حاشیے چڑھا کر پھر اسے سائنس کے کسی مسئلہ کے مقابل پر لاتا ہے تو اُس کا ذمہ وار وہ خود ہے اسلام پر اسکی وجہ سے کوئی حرف گیری نہیں کی جاسکتی۔ (ہمارا خدا، مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، صفحہ 88 تا 94)

پانچویں دلیل جو دہریوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے یہ ہے کہ جس قانون نیچر کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بالا ہستی کا پیدا کردہ ہے وہ بعض صورتوں اور بعض حالات میں ایسا ظالمانہ ہے اور اس طرح اندھا دھند طریق پر چلتا ہے کہ کوئی شخص اس کا مطالعہ کر کے اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ یہ کسی صاحب شعور ہستی کا پیدا کردہ ہے بلکہ اس کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یونہی کسی اندرونی تغیر یا سلسلہ اسباب وعلل کے نتیجہ میں یہ سب کچھ چل رہا ہے۔ مثلاً بعض اوقات غیر معمولی حادثات کا پیش آنا اور اسکے نتیجہ میں بے گناہ لوگوں کا نقصان اٹھانا یا مارا جانا۔ وباؤں اور بیماریوں کا پھیلنا۔ مصائب وآلام کا پیش آنا۔ بچوں کا اندھا یا بہرہ یا لولا یا مجنون پیدا ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں جو آئے دن دنیا میں ہوتی رہتی ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ دنیا کے اوپر کوئی خدا وغیرہ نہیں ہے ورنہ یہ اندھیر نگری اور یہ مصائب وآلام ہرگز نہ ہوتے۔

جواب: حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ”الہام، عقل، علم اور سچائی“ میں دکھ اور الم کے مسئلہ کے تحت اس مضمون پر نہایت لطیف روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”ایسے معاملات کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں بالارادہ ناانصافی کا سوال نہیں بلکہ ایسی تکالیف تخلیق کے وسیع تر منصوبہ کا ناگزیر نتیجہ ہیں اور یہ انسانی معاشرہ کے عمومی ارتقا میں ایک بامقصد کردار ادا کرتی ہیں ......راحت کی طرح تکلیف بھی زندگی کے ارتقاء کی لازمی اور بنیادی شرط ہے جس کا ارتقاء کے اس سفر میں جرم وسزا کے نظریہ سے کوئی تعلق نہیں۔“

(الہام، عقل، علم اور سچائی، صفحہ 162)

پھر آپؒ فرماتے ہیں:

”جو لوگ خدا تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں جو خالق ہے ان کیلئے اس جامع منصوبہ کی حکمت اور دانائی کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی مشکل نہیں ہونی چاہئے کیونکہ انہیں اس تخلیق میں ایک واضح سمت، توازن اور مقصد نظر آتا ہے۔ اتنی مہارت سے ترتیب دیئے گئے اس رنگا رنگ اور معطر گلدستے میں کہیں کوئی ایک آدھ کانٹا بھی موجود ہو تو کیا اسے بدصورت کہا جاسکتا ہے؟ اگر دہریہ کا وہم درست ہو تو معصوم اور دکھی لوگوں کیلئے نجات کا واحد راستہ صرف موت ہے۔ لیکن تخلیق کے بارہ میں اگر مومن کا نظریہ درست ہو تو اس صورت میں موت ایک بالکل

مختلف انداز میں نجات دہندہ بن جاتی ہے۔ ان کیلئے موت ایک نئی زندگی کی ابتداء ہے جو ان مبتلائے آزار معصوم لوگوں پر لامحدود جزا کے دروازے کھول دیتی ہے۔اگر وہ اس جزا کا تصور کر سکتے ہوں جو اس دنیوی زندگی میں پہنچنے والی عارضی اذیت کی تلافی کے طور پر ان کی منتظر ہے تو وہ اذیت کے باوجود مسکراتے ہوئے زندگی بسر کریں۔گویا یہ تکلیف ایک کانٹے کی ہلکی سی چبھن کی مانند ہے جو راحت اور خوشی کی ابدی زندگی کے رستے میں انہیں اٹھانا پڑی ہے۔‘‘(الہام،عقل،علم اور سچائی،صفحہ 165)

اس اعتراض کا ردّ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد ایم اےؓ فرماتے ہیں:

’’یہ اعتراض صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترضین نے ان دو قسم کے قوانین پر پوری طرح غور نہیں کیا جو خدا کی طرف سے اس دنیا میں جاری ہیں اور یہی سمجھ رکھا ہے کہ دنیا کا سارا کاروبار ایک ہی قانون کے ماتحت چل رہا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور حق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے دنیا میں دو مختلف قانون جاری ہیں۔ایک قانونِ نیچر ہے جو نظام عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور سلسلۂ اسباب وعلل اور خواص الاشیاء کے ماتحت جاری ہے اور جسکے اثرات و نتائج اسی دنیا میں ساتھ ساتھ رونما ہوتے جاتے ہیں۔دوسرا قانون شریعت ہے جو انسان کے اخلاق و روحانیات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور انبیاء و مرسلین کے ذریعہ دنیا میں نازل ہوتا رہا ہے اور جس کی جزا سزا کیلئے بعد الموت کا وقت مقرر ہے اور مندرجہ بالا اعتراض ان دو قانونوں کے مخلوط کر دینے اور ان کے صحیح امتیاز کو ملحوظ نہ رکھنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے ......مثلاً قانونِ شریعت انسان کو کہتا ہے کہ خدا کا قرب اور اسکی رضا حاصل کرنے کیلئے تمہیں چاہئے کہ اپنے خدا کی اس اس طرح عبادت کرو۔مگر وہ انسان کو اس عبادت پر مجبور نہیں کرتا۔یعنی اگر کوئی شخص اس ہدایت کے خلاف چلنا چاہے تو وہ خلاف ورزی کر سکتا ہے اور کوئی چیز اس کا ہاتھ نہیں روکتی اور گو اس خلاف ورزی کا اثر باریک طور پر اسی دنیا میں ظاہر ہو جائے مگر اسکی اصل اور معیّن سزا اگلے جہان میں ہی ملتی ہے......

مگر قانون نیچر کی یہ حالت نہیں بلکہ اس کیلئے یہی دنیا دارالعمل ہے اور یہی دارالجزاء ہے اور یہ دونوں قانون سوائے استثنائی حالات کے......کبھی ایک دوسرے کے دائرہ عمل میں دخل انداز نہیں ہوتے۔یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اگر کوئی شخص نیچر کے کسی قانون کی زد میں آجائے تو پھر وہ اس کے اثر سے صرف اس وجہ سے محفوظ رہے کہ وہ قانون شریعت کے لحاظ سے مجرم نہیں ہے بلکہ عام حالات میں وہ یقیناً قانونِ نیچر کی زد میں آنے کا نتیجہ بھگتے گا اور قانون شریعت کی پابندی اسے اس نقصان اور تکلیف سے نہیں بچا سکے گی......

دنیا میں جو حادثات پیش آتے ہیں یا بیماریاں پڑتی ہیں یا مصائب کا سامنا ہوتا ہے اور ان میں بعض اوقات نیک اور معصوم لوگ بھی نقصان اٹھاتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قانونِ نیچر قانونِ شریعت سے الگ ہے اور قانونِ شریعت کی نیکی قانونِ نیچر کی سزاؤں سے بچا نہیں سکتی جب تک ان احتیاطوں کو کام میں نہ لایا جائے جو قانونِ نیچر خود اس کیلئے پیش کرتا ہے۔مثلاً پانی میں ڈوبنا ایک نیچر کا واقعہ ہے اور کسی شخص کی مذہبی نیکی اسے اس کے اثر سے بچا نہیں سکتی۔‘‘(ہمارا خدا،مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ،صفحہ نمبر 211)

چھٹی دلیل جو منکرین ہستی باری تعالیٰ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے وہ بھی دلیل پنجم کی طرح قانون نیچر کے ایک فرضی اندھیر پر مبنی ہے۔کہا جاتا ہے کہ دنیا میں بعض ایسی چیزوں کا وجود پایا جاتا ہے کہ جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور ان کی مضرّت عیاں ہے۔مثلاً یہ جو دنیا میں بے شمار ضرر رساں حیوانات اور زہریلی بیل بوٹیاں اور مہلک سامان پائے جاتے ہیں جن کا صرف نقصان ہی نقصان ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں ان کا وجود ظاہر کرتا ہے کہ اس کائنات کے اوپر کوئی خدا نہیں ورنہ یہ چیزیں دنیا میں نہ پائی جاتیں۔

اس دلیل کا ردّ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد ایم اےؓ تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ اعتراض معترضین کی جہالت کا نتیجہ ہے کیوں کہ اگر غور سے کام لیا جائے تو اس بات میں ذرّہ بھر شک نہیں رہتا کہ دنیا کی کوئی چیز بھی درحقیقت بغیر کسی فائدہ اور غرض و غایت کے نہیں ہے......حیوانات میں بھی اور نباتات میں بھی اور جمادات میں بھی ایسی چیزیں موجود ہیں جو آج سے پہلے محض بے فائدہ نظر آتی تھیں اور سوائے ضرر رسانی کے ان کا اور کوئی کام نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آج وہی چیزیں طرح طرح سے انسان کی خدمت میں لگی ہوئی نظر آتی ہیں۔حتیٰ کہ سانپ اور بچھو اور مہلک بیماریوں کے جراثیم اور مختلف اقسام کے خطرناک زہر وغیرہ بھی اس خدمت انسانی سے باہر نہیں اور کوئی دن ایسا نہیں چڑھتا جس میں قرآن شریف کے اس قول کی صداقت کہ خدا نے زمین و آسمان کی کسی چیز کو باطل نہیں پیدا کیا (سورۃ صٓ:28) بیش از بیش وضاحت کے ساتھ ثابت نہ ہوتی جاتی ہو......یہ ضرر رسانی اس رنگ میں بھی مفید اور نفع مند ہے کہ اس سے بنی نوع انسان کی اخلاقی اصلاح اور مادی ترقی میں بالواسطہ طور پر بہت بڑی مدد ملتی ہے......کبھی کبھی تکالیف اور دکھوں کا پیش آنا انسان کے اخلاق حسنہ کی عمارت کی تکمیل کیلئے از بس ضروری ہے۔(ہمارا خدا،مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 226 تا 230)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

’’سائنس کے متعلق جو اصولی انکشاف قرآن کریم نے کئے ہیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیا میں ہر چیز کا فائدہ ہے اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے فضول پیدا نہیں کی یہ بات پہلے بیان نہ ہوئی تھی صرف اسلام نے آج سے تیرہ سو سال قبل یہ عظیم الشان علمی نکتہ دنیا کو بتایا کہ کوئی چیز خواہ وہ بظاہر کتنی ہی بری ہو اس کے اندر ضرور اہم فوائد ہونگے۔گویا اصل غرض ہر چیز کی پیدائش کی نیک اور مفید ہے چنانچہ فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ (الانعام:2) سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور جو نور اور ظلمت دونوں کا بنانے والا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ ظلمات مثلاً مصائب، تکالیف،آفات،دکھ،درد،بیماری،موذی جانور وغیرہ سب کا خالق ہے اسی طرح نور یعنی آرام و آسائش،سکھ،مفید اشیاء وغیرہ کا بھی خالق ہے اور ہر چیز کی پیدائش سے اسکی حمد ہی ثابت ہوتی ہے پھر فرمایا الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا (الملک:3) زندگی اور موت سب سے خدا کی حمد ہی نکلتی ہے۔کیسا عجیب نظریہ پیش کیا ہے کہ ہر موذی چیز بھی مفید ہے۔گویا اس طرح موذی اشیاء کے فوائد معلوم کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔مثلاً سنکھیا برا خیال کیا جاتا ہے مگر ہزاروں ہیں جو اس کے ذریعہ بچتے ہیں۔اگر چند لوگ غلطی سے اسے کھا کر مر جائیں تو اس سے سنکھیا کے فوائد کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔سنکھیا بہت سی امراض میں استعمال ہو رہا ہے۔(بحوالہ رسالہ گلدستہ وقف نو اپریل تا جون 2020،صفحہ 10،11)

پھر اسی ضمن میں مزید فرماتے ہیں:’’یہ کہنا غلط ہے کہ بعض چیزیں مفید نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہمیں ان کے فائدے معلوم نہیں ہوتے اس لئے ان کو نقصان رساں سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر ایک چیز تمہارے فائدہ کیلئے پیدا کی ہے اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ بعض چیزیں صرف ضرر رساں ہیں دنیا کی کون سی چیز ہے جس کا صرف نفع ہی ہوتا ہے مگر باوجود اس کے بعض چیزوں کو اچھا کہا جاتا ہے یہ ضرر رساں جانور بھی اپنے اندر فائدے رکھتے ہیں۔سانپ کا زہر بیسیوں بیماریوں میں مفید ہے شیر کی چربی بیسیوں بیماریوں میں مفید ہے اسی طرح اور بہت سے موذی جانور ہیں جن کے بہت سے فوائد دریافت ہوئے ہیں۔‘‘(ہستی باری تعالیٰ،انوار العلوم،صفحہ 388)

ساتویں دلیل اگر خدا تعالیٰ فی الواقع ہوتا تو چاہئے تھا کہ خدا تعالیٰ کا خیال دنیا میں الہام کے ذریعہ سے پیدا ہوتا مگر ہم جیسا کہ انسانی ارتقاء کی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بالا ہستی کا خیال آہستہ آہستہ قوموں میں پیدا ہوا ہے۔پہلے جن چیزوں سے انسان ڈرا یا جن کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوا ان کی پوجا شروع کی اور پھر علمی ترقی کے ساتھ ساتھ ان مادی اشیاء کی بجائے ایک غیر مرئی بالا ہستی کو تجویز کر لیا۔خیالات کے اس ارتقاء سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا خیال انسانی دماغ کی ایجاد ہے نہ کہ کسی حقیقت پر مبنی یا کسی الہام کا نتیجہ ہے۔

جواب: حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’اگر ہم اس اعتراض کی حقیقت پر غور کریں تو پہلے اس کے مندرجہ ذیل اجزاء معلوم ہوتے ہیں: (1) خدا تعالیٰ کا خیال ڈر اور حیرت سے پیدا ہوا ہے (2) اس میں تدریجی ترقی ہوئی ہے۔

اب اگر یہ دونوں باتیں صحیح ہیں تو خدا تعالیٰ کے متعلق جو خیال بنی نوع انسان میں پیدا ہوا ہے اس سے یہ ثابت ہونا چاہئے کہ سب سے پہلے جن چیزوں کی عبادت شروع ہوئی ہے وہ وہی چیزیں ہیں جن سے سب سے پہلے بنی نوع انسان کو خوف پیدا ہوسکتا تھا۔اب

اگر ذرا بھی تدبر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سب سے پہلے انسان کو خوف درندوں سے ہو سکتا تھا کیوں کہ جس وقت انسان کے پاس حفاظت کا پورا سامان نہ تھا اور آبادیوں کا دستور نہ شروع ہوا تھا سب سے زیادہ خطرہ درندوں سے ہی ہو سکتا تھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ درندوں کی پرستش کیڑوں کی پرستش سے بہت کم ہے زیادہ تر سانپ کے پجاری ملتے ہیں۔ شیروں اور بھیڑیوں کی پوجا سانپ سے بہت کم ہوتی ہے......پس اگر تدریجی ترقی ہوتی تو سب سے پہلے شیر اور بھیڑیئے اور ریچھ وغیر کی پرستش ہوتی مگر ان کی پرستش اس کثرت سے اور اس قدر پرانی نہیں ہے جس قدر کہ سانپ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ خدا کے خیال کے تدریجاً پیدا ہونے کا خیال ہی غلط ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ اعتراض تب ہی پڑ سکتا تھا جبکہ تسلیم کیا جائے کہ انسان اچانک دنیا میں پیدا ہو گیا تھا اور اس وجہ سے اسے بعض چیزوں کو دیکھ کر حیرت اور خوف پیدا ہوا۔ مگر یہ عقیدہ رکھ کر تو فوراً ایک بالا رادہ ہستی کو تسلیم کرنا ہوگا جس نے ارادہ کیا کہ انسان پیدا ہو اور وہ ہو گیا اور خود یہ عقیدہ ہی خدا تعالیٰ کے وجود کو ثابت کر دے گا۔ پس خدا تعالیٰ کے انکار کے ساتھ اس امر کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ انسان کی پیدائش بتدریج اور مختلف تغیّرات سے ہوئی ہے اور اس قسم کے معترضین کا عقیدہ بھی یہی ہے......

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ درست ہے کہ خوف و حیرت سے خدا کا خیال پیدا ہوا تو چاہئے تھا کہ سب سے پہلے چاند اور سورج کی پرستش شروع ہوتی کیوں کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو سب کو اور سب سے پہلے نظر آتی ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی پرستش ستارہ پرستی سے پہلے کی ہے۔ حالانکہ سورج چاند وغیرہ کو ہر شخص شروع سے ہی دیکھتا چلا آیا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ خیال ہی غلط ہے کہ پہلے دوسری چیزوں کی عبادت شروع ہوئی بعد میں ایک وراء الوریٰ ہستی کا خیال پیدا ہوا ہے۔ خود تاریخ اس کو ردّ کر رہی ہے اور ان لوگوں کا استدلال تاریخ سے درست نہیں ہے۔ پرانی سے پرانی اقوام میں ہمیں ایک خدا کے خیال کا پتہ لگتا ہے۔'' (ہستی باری تعالیٰ، انوار العلوم، جلد 6 صفحہ 276)

آٹھویں دلیل اگر خدا ہوتا تو نظر آتا۔ چنانچہ پڑھے لکھے دہریہ تک بھی یہی کہتے ہیں کہ خدا دکھا دو پھر ہم مان لیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اسکا ردّ کرتے ہیں ہوئے فرماتے ہیں:

''اس کا حقیقی جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے دیکھنے اور معلوم کرنے کا طریق الگ ہے اور یہ کہنا کہ دوسری چیزوں کی طرح ہی خدا بھی ہمیں دکھاؤ نہایت ہی بیہودہ اور خلاف عقل سوال ہے۔ ہم نے کب کہا ہے کہ خدا کوئی مادی چیز ہے جسے اور مادی چیزوں کی طرح دیکھا جا سکتا ہے......ہم آٹے کا خدا نہیں مانتے اور نہ پتھر کا خدا مانتے ہیں۔ اگر اس قسم کے خداؤں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو مندروں میں دیکھ لیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک وراء الوریٰ ہستی مانتے ہیں اور یہ صاف بات ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز دیکھ کر ہی نہیں مانی جاتی بلکہ اور طریقوں سے بھی مانی جاتی ہے۔ مادی اشیاء میں سے بھی بعض کے وجود کا علم سونگھنے سے بعض کا چکھنے سے بعض کا ٹٹولنے سے بعض کا سننے سے معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی کہے کہ گلاب کے پھول کی خوشبو مجھے دکھا دو یا لوہے کی سختی مجھے دکھا دو یا خوبصورت آواز دکھا دو تو وہ شخص نہایت ہی نادان ہوگا اور جب مادی چیزوں میں سے سب کی سب دیکھنے سے نہیں مانی جاتیں تو پھر خدا تعالیٰ کے متعلق یہ کہنا کہ ہم اسے دیکھے بغیر نہیں مانیں گے کس قدر نادانی ہے۔ علاوہ ازیں سب چیزیں حواس خمسہ سے بھی نہیں معلوم کی جاسکتیں۔ بعض قیاس سے بھی معلوم کی جاتی ہیں۔ ایسی چیزیں نہ سونگھی جاتی ہیں نہ چکھی جاتی ہیں نہ دیکھی جاتی ہیں نہ ٹٹولی جاتی ہیں نہ سنی جاتی ہیں......پس جبکہ دنیوی اور مادی اشیاء میں حواس خمسہ کے سوا اور ذرائع سے بھی انسان چیزوں کے وجود کا پتہ لگایا کرتا ہے تو خدا تعالیٰ جو مادی نہیں اس کے متعلق یہ شرط کیونکر لگائی جاسکتی ہے کہ اسے دکھا دو یا حواس خمسہ کے ذریعہ سے اسکا ثبوت دو۔ ثبوت بیشک ہر دعویٰ کیلئے ضروری ہے مگر وہ ثبوت دعویٰ کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ بے تعلق اور بے جوڑ۔

خدا تعالیٰ کی ذات کیسی ہے؟ اس کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے لَا تُدۡرِکُهُ الۡأَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡأَبۡصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الۡخَبِيرُ (الانعام: 104) ابصار علم کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم خدا کو ان ظاہری آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ اپنے علم اور فہم سے بھی نہیں دیکھ یا معلوم کر سکتے۔ مگر جب خدا تعالیٰ خود تم پر اپنا اثر ڈالے تو جس طرح لوہے پر مقناطیس کا اثر پڑنے سے مقناطیس کا پتہ لگ سکتا ہے اسی طرح تم خدا کے اثر سے اس کو معلوم کر سکتے ہو۔ (ہستی باری تعالیٰ، انوار العلوم، جلد 6 صفحہ 283)

نویں دلیل جو منکرین ہستی باری تعالیٰ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر خدا کا کوئی وجود ہوتا تو مذہب میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ ان کا اتارنے والا بھی ایک مانا جاتا لیکن چونکہ اختلاف ہے اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے اور خدا کا کوئی وجود نہیں۔

جواب: مذہب کے اختلاف سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ مذاہب لوگوں کیلئے بطور نسخہ ہوتے ہیں جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں میں مختلف بیماریوں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق شریعت تجویز کرتا ہے......غرض اختلاف مذاہب سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں اصول میں وہ سب متفق ہیں اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ بعد میں آنے والوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے۔ ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آئے تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے۔ (احمدیہ پاکٹ بک، صفحہ 20، 21)

دسویں دلیل: جو لوگ خدا کے مقر ہیں وہ بھی گناہ کرتے ہیں۔ اگر خدا ہے تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے؟

جواب: نافرمانی سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے، ہمارے ملک میں کئی چور اور ڈاکو ہیں کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہاں کوئی حاکم نہیں؟ حالانکہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں حاکم ہے۔

یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لاکر لوگ گناہ کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ صرف منہ سے کہہ دینا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں اس سے دل میں ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ صریحاً نافرمانی کرتے ہیں۔ ان کے دل میں حقیقی ایمان نہیں بلکہ ان کے ایمان میں ضعف ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین ہو تو گناہ سرزد نہیں ہو سکتا جیسا کہ مامور زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے خدا کے طالب بندو! کان کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہیں۔ یقین ہی ہے جو گناہ سے چُھڑاتا ہے۔ یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے۔ یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے۔ کیا تم گناہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو؟ کیا تم جذبات نفس سے بغیر یقینی تجلی کے رُک سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو؟ کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچّی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو۔ کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کفارہ اور ایسا فدیہ ہے جو تم سے گناہ ترک کرا سکے؟......تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اس وقت تم میں پیدا ہوگی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جب کہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہوا ہے یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں کیوں کہ اس کے لوازم حاصل نہیں۔ وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے۔ تم ایسا قدم آگے نہیں اٹھاتے جو اٹھانا چاہئے۔ تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہئے۔ خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے؟ اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے؟ اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے اس کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اس بن کی طرف اٹھ سکتا ہے؟ سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیوں کر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے؟ گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا......وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ یقین ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکھا نہیں سکتا وہ جھوٹا ہے۔ ہر ایک مذہب جس میں بجز پرانے قصوں کے اور کچھ نہیں وہ جھوٹا ہے۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 66)

......☆......☆......☆......

توحید الٰہی اور مذاہب عالم

(کے این محمد شفیق، مربی سلسلہ استاذ جامعہ احمدیہ قادیان)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ (سورۃ النحل: 37) یعنی اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے اجتناب کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف لوگوں وخطوں میں مبعوث ہونے والے تمام رشی منی اوتار اور پیغمبروں کی مشترکہ تعلیم توحید پر مبنی تھی۔ غرض یہ کہ توحید باری تعالیٰ ہر مذہب کا اعلیٰ جزو ہے اور سب نبی اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''حقیقت میں کل دنیا کے مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے کل جہان کو پیدا کیا۔ مختلف ممالک اور احوال کے تغیر کی وجہ سے خیالات وعقائد میں بھی فرق پڑتا ہے، لیکن باوجود اس کے جس قدر تاریخی مذاہب ہیں سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللسان ہیں۔ گو اس کی صفات کے متعلق ان میں اختلاف ہو۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام، مسیحیت، یہودیت، بدھ ازم، سکھ ازم، ہندو ازم اور عقائد زرتشتی تو سب کے سب ایک اللہ، خدا، الوہیم، پرمیشور، پرماتما، ست گرو یا یزدان کے قائل ہی ہیں۔ مگر جو مذاہب کہ دنیا کے پردہ سے مٹ چکے ہیں ان کے متعلق بھی آثار قدیمہ سے پتا چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا کے قائل اور معتقد تھے خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جُدا شدہ ملک میں پیدا ہوئے ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں۔ خواہ روما میں، خواہ انگلستان میں، خواہ جاوا وسماٹرا میں، خواہ جاپان وچین میں، خواہ سائبیریا ومنچوریا میں۔''

(پاکٹ بک، صفحہ 1 تا 2)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام توحید باری تعالیٰ کے متعلق فرماتے ہیں:

''یاد رہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو، خواہ انسان ہو، خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر فریب ہو منزہ سمجھنا اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا۔ کوئی رازق نہ ماننا۔ کوئی معزّ اور مذل خیال نہ کرنا۔ کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلّل اسی سے خاص کرنا۔ اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہوسکتی۔ اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذاتِ باری کسی میں قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رسان نظر آتے ہیں یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا۔ تیسرے اپنی محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید یعنی محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گردانا۔ اور اسی میں کھوئے جانا۔''

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن، جلد 12، صفحہ 349)

پس اس سے کامل اور واضح تعریف توحید کی نہیں ہوسکتی ہے۔

ہندو دھرم

ہندوؤں کی بہت سی مقدس کتب ہیں، جیسے گیتا، وید، اُپَنِشَد وغیرہ جن میں توحید کی واضح تعلیم موجود ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ویدوں میں جابجا اگنی، اندر، سورج وغیرہ کو دیوتا اور طاقتور کہا گیا ہے لیکن ویدوں میں بعض منتر ایسے بھی ملتے ہیں جن میں یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ جو نام دیوتاؤں کے ہیں دراصل وہ ایک خدا کے ہی مختلف اسماء ہیں جن کو ہندو صاحبان الگ الگ دیوتا سمجھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور ان سے فضل تلاش کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی مقدس کتب میں توحید کی جو بنیادی تعلیمات ہیں ان میں سے بعض کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

گیتا میں لکھا ہے ''جن کا علم مادی خواہشات کی وجہ سے رخصت ہوگیا ہے وہ کمتر خداؤں کی عبادت کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی اتباع کرتے ہوئے وہ دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں اور ایسی رسوم اپناتے ہیں جن سے وہ ان خداؤں کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔''

(گیتا، باب 7 آیت 20)

قرآن مجید میں ہے کہ وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَلَا یَضُرُّہُمۡ یعنی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ فائدہ۔

اسی طرح وید میں ہے کہ ''لوگ اسکو اندرا، مترا، وُرُنا، اگنی کہتے ہیں اور وہ مقدس و مکرم گرُتمان ہے۔ جو خدا ایک ہے، لوگ زاہد اسکو کئی نام دیتے ہیں، وہ اسکو اگنی، یاما اور ماترِسوَن کہتے ہیں۔'' (رگ وید، منڈل 1، گیت 146، آیات 46 تا 47)

اُپِنشَد میں لکھا ہے کہ ''پروردگار واحد ہے۔ ہر ہستی میں اس کا ظہور ہے۔ ہر ایک حال کو جاننے والا ہے اور پاک بلند ہے اور ہر ایک کا فاعل ممتاز اور قادر ہے۔''

(شویتاشور اُپنشد: ادھیائے 6 شلوک 11)

اسی طرح اتھروید میں لکھا ہے کہ ''وہ آپ ایک اکیلا ہے اور ابھی بھی ایک ہی ہے۔''

(اتھروید: کانڈ 13 سوکت 4 منتر 12)

پھر لکھا ہے کہ ''سب جہان کا وہ ایک ہی مالک ہے اور سبھی مخلوق کے لئے سجدہ کے قابل اور عبادت کے لائق ہے۔''

(اتھروید: کانڈ 2 سوکت 2 منتر 1)

پھر خدا تعالیٰ کو واحد قرار دیتے ہوئے رگ وید میں لکھا ہے کہ ''نہ زمین اور آسمان اس کے علم اور قدرت کی حدود کو پاسکتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا استارہ اور نہ آسمان سے برسنے والی بارش۔ اس ایک کے سوائے کوئی دوسرا اس جہان پر حکومت نہیں رکھتا۔''

(رگ وید، منڈل 1، سوکت 52)

اسی طرح رگ وید ہی میں لکھا ہے کہ ''یہ انسانوں کا مالک ہے جس کے مثل کوئی نہیں سب جہاں کا صرف ایک ہی حاکم ہے۔''

(رگ وید، منڈل 6، سوکت 35)

حضرت کرشن جی مہاراج اپنے شاگرد ارجن کے ذریعے توحید کی یہ تعلیم دیتے ہیں کہ:

''ایشور ہی ساری کائنات میں موجود ہے وہ تمام روحوں کو جسموں میں داخل کر کے سارے سنسار کو اپنی قدرت سے چلاتا ہے۔ اے ارجن تو پورے طور پر اسی خدائے واحد کے چرنوں میں اپنے آپ کو سپرد کر جس کے نتیجے میں تجھے دائمی امن اور شانتی نصیب ہوگی۔''

(بھگوت گیتا: باب 18 آیت 61)

بھگوت گیتا میں بھی خدائے واحد کی وہی صفات درج کی گئی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: ''خدا انسان کا مقصود حیات ہے وہ رب ہے وہ مالک ہے وہ گواہ ہے وہی ملجا و ماویٰ ہے۔ وہی حقیقی دوست ہے وہی اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ وہ خزانہ ہے وہی حیّ و قیوم ہے۔'' (بھگوت گیتا، باب 9، آیت 18)

یہودیت

جب ہم یہودیت کی مذہبی کتب پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں بھی بڑی صراحت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی تعلیم ملتی ہے۔

عہد نامہ عتیق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''سنو! اے بنی اسرائیل! ہمارا مالک خدا ہے وہ ایک مالک ہے۔'' (استثناء، باب 6، آیت 4)

اسی طرح لکھا ہے: ''میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔''

(استثناء، باب 5 آیت 7 تا 9)

یہودیت میں بت پرستی کی مخالفت درج ذیل آیت سے ظاہر ہوتی ہے: ''میرے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ میری کوئی تصویر کشی نہ کرو۔ مجھ سے کسی کی مشابہت نہیں ہے۔ نہ آسمان پر، نہ زمین پر اور نہ ہی پانی کے نیچے۔ لہٰذا تم کسی اور کے سامنے نہ جھکو، ان کی طرف نہ دیکھو، میں ہی تمہارا خدا ہوں۔''

(کتاب مقدس خروج، باب 20 آیت 3)

اسی طرح خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے متعلق سموئیل میں لکھا ہے: ''خداوند کی مانند

کوئی قدوس نہیں۔ تیرے سوا کوئی نہیں۔ کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہیں۔''

(سموئیل باب 2 آیت 2)

اسی طرح لکھا ہے:''خداوند کے سوا کون خدا ہے۔'' (سموئیل باب 22 آیت 32)

''سو تو خداوند اے خدا بزرگ ہے۔ اس لئے کہ کوئی تیری مانند نہیں۔''

(سموئیل باب 7 آیت 22)

ان آیات میں نہایت ہی صفائی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ذات کو واحد قرار دیا گیا ہے۔

پھر خدا تعالیٰ کی توحید کو ایک اور رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سلاطین میں لکھا ہے:''تو ہی اکیلا زمین کی ساری مملکتوں کا خدا ہے۔ تو ہی نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے۔''

(سلاطین 2 باب 19 آیت 15)

استثناء میں لکھا ہے:''میرے آگے ترا کوئی دوسرا خداوند نہ ہو۔''

(استثناء باب 5 آیت 7)

اسی طرح کتاب تواریخ میں لکھا ہے: ''اور کہا اے خداوند اسرائیل کے خدا تجھ سا کوئی خدا نہ آسمان میں ہے اور نہ زمین میں۔''

(تواریخ باب 6 آیت 14)

عہد نامہ قدیم میں مذکوران حوالہ جات سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہودیت کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔

عیسائیت

انجیل کا اگر ہم سرسری ہی مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ دیگر مذاہب کی طرح عیسائیت کی بھی بنیادی تعلیم توحید ہے۔ چند حوالہ جات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

انجیل کہتی ہے:''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔''

(یوحنا باب 17 آیت 3)

اس آیت میں خدا تعالیٰ کو واحد قرار دیا گیا ہے اور عیسیٰؑ کو اس کا بھیجا ہوا مسیح نہ کہ خدا۔

یوحنا میں لکھا ہے:''تم جو آپس میں ایک دوسرے کی عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو اکیلے خدا سے ہی نہیں ڈھونڈتے کیوں کر ایمان لا سکتے ہو'' (یوحنا باب 5 آیت 44)

اسی طرح لکھا ہے:''جس خدا نے دنیا اور اس کی سب چیزوں کو پیدا کیا ہے وہ آسمان اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا۔''

(اعمال، باب 17، آیت 24)

نیز لکھا ہے:''اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔''

(مرقس باب 12 آیت 29، 30)

نیز بائبل کہتی ہے:''اور سوائے ایک کے اور کوئی خدا نہیں۔ آسمان اور زمین میں بہت سے ہیں جو خدا کہلاتے ہیں چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں لیکن ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے۔

(کرنتھیوں 1، باب 8، آیت 4-6)

اس آیت میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو اور بھی زیادہ کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ تمام زمین و آسمان میں سوائے ایک خدا کے اور کوئی خدا نہیں ہے۔

الغرض عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید میں مذکوران حوالہ جات سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔

سکھ ازم

سکھ مذہب والے حضرت بابا گرونانک جی کو سکھ مذہب کا بانی مانتے ہیں۔ سکھ مذہب بھی توحید کا علمبردار ہے۔ ان کی مذہبی کتاب میں بکثرت توحید کی تعلیم ہے۔ بابا نانک جی خدا کی وحدانیت کے قائل تھے اور اپنے ماننے والوں کو ایک خدا کی پرستش کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

اکو سمرے نانکا جیڑا جل تھل رہا سمائے
دوجا کاہے سمرئے جوجمّے تے مرجائے

(جنم ساکھی)

یعنی اے نانک صرف اس ایک پروردگار کی عبادت کر جو خشکی اور پانی پر سمایا ہوا ہے۔ ایسی دوسری کسی ہستی کی عبادت کیوں کی جائے جو پیدا ہوتی ہے اور مرجاتی ہے۔

گروگرنتھ صاحب کے شروع میں مرقوم ہے:

اِک اَونکارست نام کرتا پُرکھ نِر بَھو
نِرویرا کال مُورت اجونی سے بھنگ گُر پرساد

(سری گوروگرنتھ صاحب، جلد 1، صفحہ 1، ناشر بھائی چتر سنگھ جیون سنگھ بازار مائی سیواں امرتسر)

یعنی خدا ایک ہے اس کا نام سچ ہے سب کام بنانے والا نہ ڈرنے والا نہ دشمنی رکھنے والا۔ جس کی کوئی شکل نہیں پیدا ہونے سے ورے۔ خود سے پیدا ہونے والا۔ گورو کے پرساد سے ملتا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر گروگرنتھ صاحب میں مرقوم ہے:

''اوّل اللہ نور اپایا قدرت کے سب بندے
اک نور تے سب جگ اُپجیا
کون بھلے کون مندے۔''

(گروگرنتھ صاحب، 1349)

یعنی اول ذات خدا کی ہے اور اس کے نور اور قدرت کے سب بندے ہیں اور ایک ہی نور سے ساری کائنات معرض وجود میں آئی ہے لہٰذا کسی کو برا اور کسی کو اچھا کہنا غلط ہے۔ سب سے پیار کرنا خدا سے پیار کرنے کے مترادف ہے۔

گروگرنتھ صاحب صفحہ 188 پوڑی محلہ پنجم میں مرقوم ہے جس کا ترجمہ یوں ہے

''جو اپنے واہِ گورو یعنی خدا کی عبادت نہیں کرتے ان کی زندگی کسی کام کی نہیں۔ وہ اپنی موت آپ مرتے ہیں۔''

گروگرنتھ صاحب میں ایک اور مقام میں یوں مذکور ہے (ترجمہ)''اپنے آپ کو قربان کر کے پھر خدا ملتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا عقل کی بات ہو سکتی ہے۔'' (صفحہ 722)

اسی طرح گروگرنتھ صاحب صفحہ 9 آسا محلہ پہلا میں یہ عبارت درج ہے:

''سچے خدا کے نام کی مجھے بھوک لگتی ہے اور میری سب تکلیفیں اور مصیبتیں خدا کے نام کی بھوک سے دور ہو جاتی ہیں۔''

دنیا میں اس وقت جس قدر بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں، ان کی تعلیم میں آپس میں اس قدر اختلافات ہیں کہ انکے پیروکاروں میں اتفاق و اتحاد بظاہر پیدا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ البتہ وہ واحد نقطہ مرکزی جس پر تمام مذاہب کا اتحاد ہو سکتا ہے وہ توحید باری تعالیٰ ہے۔ اسی کی طرف قرآن مجید ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡہَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ

(سورۃ آل عمران: 65)

یعنی ''تو کہہ دے اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ربّ نہیں بنائے گا۔ پس اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ یقیناً ہم مسلمان ہیں۔''

اسلام

آیئے، اب دینِ کامل اسلام کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اسلام نے کس شاندار رنگ میں خدا تعالیٰ کی کامل اور خالص توحید کو نہایت واضح رنگ میں پیش فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''اسلام وہ مصفّا اور خالص توحید لے کر آیا تھا جسکا نمونہ اور نام و نشان بھی دوسرے ملتوں اور مذہبوں میں پایا نہیں جاتا۔ یہاں تک کہ میرا ایمان ہے کہ اگرچہ پہلی کتابوں میں بھی خدا کی توحید بیان کی گئی ہے اور کل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض اور منشاء بھی توحید ہی کی اشاعت تھی لیکن جس اسلوب اور طرز پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم توحید لے کر آئے اور جس نہج پر قرآن نے توحید کے مراتب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے کسی اور کتاب میں اس کا ہرگز پتہ نہیں ہے۔''

(ملفوظات، جلد 2، صفحہ 188 مطبوعہ قادیان 2003)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا (البقرۃ: 201) یعنی پس تم اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ ذکر۔

یہاں خدا تعالیٰ نے اپنی توحید کے بارے میں ایک فطری تعلیم دی ہے یعنی دنیا میں کوئی بھی باغیرت اور ہوشمند انسان اپنے آپ کو ایک سے زائد باپوں کی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح تم اپنے خالق و مالک ایک خدا کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرو۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے الخلق عیال اللہ کا نظریہ پیش کرتے ہوئے تمام مخلوق خدا کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان ہوں بدھ ہوں یا سکھ ہوں عیسائی ہوں یا یہودی یا کوئی دہریہ ہی کیوں نہ ہوں سب کو خدا کا کنبہ قرار دیا بغیر کسی تفریق رنگ و نسل یا زبان اور طبقہ یا ملت و مذہب کے۔

آج توحید کے فقدان کی وجہ سے باہمی تعلقات اور رشتے بہت بری طرح متاثر ہیں۔ آج توحید اور وحدت انسانی کے فقدان کی وجہ سے انسان مذہب کے نام پر، قومیت اور عصبیت کے نام پر لڑ رہا ہے اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں پیار ومحبت کی فضا کے قیام کیلئے ایک نہایت خوبصورت اصول بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ وہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کیلئے بھی پسند نہ کرے۔

آج دنیا کی ایک بڑی تعداد نے اپنے ہی مذاہب کی ان محبت بھری تعلیمات کو فراموش کیا اور حقیقی توحید سے دوری کی وجہ سے آپسی محبت واخوت میں رخنہ پیدا ہو گیا اور ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔

اس پرآشوب اور نہایت خطرناک زمانے میں انسان کو انسانیت سکھانے کیلئے نیز خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہوگئی ہے اس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کرنے نیز مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالنے کیلئے خدا نے اپنے مامور اور مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپؑ ایک جگہ فرماتے ہیں:

’’ہم سب کیا مسلمان اور کیا ہندو باوجود صدہا اختلافات کے اُس خدا پر ایمان لانے میں شریک ہیں جو دنیا کا خالق اور مالک ہے اور ایسا ہی ہم سب انسان کے نام میں بھی شراکت رکھتے ہیں یعنی ہم سب انسان کہلاتے ہیں اور ایسا ہی بباعث ایک ہی ملک کے باشندہ ہونے کے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ صفائی سینہ اور نیک نیتی کے ساتھ ایک دوسرے کے رفیق بن جائیں اور دین ودنیا کی مشکلات میں ایک دوسرے کی ہمدردی کریں اور ایسی ہمدردی کریں کہ گویا ایک دوسرے کے اعضاء بن جائیں۔‘‘ (پیغام صلح، روحانی خزائن، جلد 23، صفحہ 439)

اللہ تعالیٰ دنیا کو اپنے خالق و مالک و واحد ولاشریک ہستی کا عرفان حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا کو امن و عافیت کی اس رسی کو مستحکم طور پر تھامنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

......☆......☆......

حمد ربُّ العٰلمین

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا پاکیزہ منظوم کلام

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمال یار کا

اُس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقان زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اس تری گلزار کا

چشم مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغِ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

’’کر وہ عمل کہ جس کی جزا میں خدا ملے‘‘

کلام حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کر وہ عمل کہ جس کی جزا میں خدا ملے
ہمت بلند کر کہ یہی مدعا ملے

گر مل گیا خدا تجھے سب کچھ ہی مل گیا
باقی وہ کیا رہے گا جو رب العُلیٰ ملے

گر ذوقِ دید و وصلِ خدا چاہیے تجھے
کوشش سے کر دعا تجھے عشق خدا ملے

جب تک کسی کو بھوک نہ ہو اور پیاس ہو
کھانا لذیذ بھی ہو نہ اس کو مزا ملے

ہر اک مرض کے واسطے خالق ہے خود دوا
اے کاش اس علاج سے تجھ کو شفا ملے

دنیا بدل رہی ہے تغیر سے روز و شب
جو بے بدل ہے کاش وہ عین البقاء ملے

جو کچھ بغیر حق کے ہے باطل ہے جانِ من
طالب تو حق کا بن کہ تجھے حق نما ملے

عالم ہے مثل آئینہ رب جہان کا
جب آئینہ ہو صاف تو عکس صفا ملے

ہے واجب الوجود ازل سے ابد تلک
ممکن بھی ہے وجوب نما گر ہدا ملے

دنیا میں یہ نظام شریعت بھی راز ہے
قدرت کا ہر نظام بھی اس سے ہی آ ملے

انسان ہے خلاصہ سبھی کائنات کا
ہے سرِّ کائنات جو عقدہ کشا ملے

اک دائرہ کی شکل میں ہستی کا دور ہے
جیسے کہ سرِّ قُدس سے قدّوس آ ملے

قدسی درختِ ہستیٔ اقدس کا ہے ثمر
نقطۂ انتہا سے ہی ہر ابتدا ملے

(حیات قدسی حصہ پنجم صفحہ 455)

مَیں تجھ سے نہ مانگوں تو نہ مانگوں گا کسی سے
مَیں تیرا ہوں تو میرا خدا میرا خدا ہے

(کلام طاہر)

ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت دیگر کتب مقدسہ کی روشنی میں

(قمر الحق خان، مربی سلسلہ، استاذ جامعہ احمدیہ قادیان)

دنیا میں جس قدر بھی چھوٹے بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں ان سب میں کسی نہ کسی رنگ میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت مل جاتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے جس اصفیٰ اور اجلیٰ رنگ میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں اسکی نظیر کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی۔ تاہم اسکے کچھ نہ کچھ حصے دیگر مذاہب کی مقدس کتب میں راکھ کے ڈھیر کے نیچے سُلگتے ہوئے نحیف انگاروں کی مانند مل جاتے ہیں۔

ہندو مذہب

اس مذہب کے عقائد کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے پر قائم ہے۔ اس مذہب کی قدیمی شاخ سناتن دھرم کے ماننے والے خدا تعالیٰ کی تین بڑی صفات، پیدا کرنا، پرورش کرنا اور خاتمہ کرنا کو تین دیوتاوں برہما، وشنو اور شِو کیلئے مختص کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اس فرقہ کے متبعین کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ مختلف زمانوں میں دنیا کی اصلاح کیلئے مختلف جانداروں کی شکل میں اوتار دھارن کرتا ہے۔ انہی میں سے ایک طبقہ وحدت الوجود کا بھی قائل ہے۔ آج اس مذہب میں عناصر پرستی و اجسام پرستی کو ہی راہ ہدایت خیال کیا جاتا ہے۔ ہندو مذہب کی دوسری مشہور شاخ آریہ سماج میں توحید کے نام پر صفات باری تعالیٰ کو مجروح کرنے والے عقائد ہی پائے جاتے ہیں۔ بہر کیف اس مذہب کی مسلّمہ کتب مقدسہ میں ہستی باری تعالیٰ کے جو ثبوت ملتے ہیں ان میں سے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

ویدوں میں ثبوت ہستی باری تعالیٰ

رِگ وید میں لکھا ہے کہ (ترجمہ) ’’وہ ایک ہی خدا سب کا مالک ہے۔ وہی کمال نگران ہے۔ ہم اپنی بھلائی کیلئے اسکے حکموں پر عمل کرتے ہیں۔‘‘

(رِگ وید، منڈل 8، سوکت 25، منتر 16)

اسی طرح لکھا ہے کہ (ترجمہ) ’’جو خدا تمام انسانی دنیا کا ایک ہی معبود ہے اسی کے ان کلمات سے اچھی طرح عبادت کرو۔ وہی سُکھ کی بارش کرنے والا قادر مطلق، حق نما، سب کچھ جاننے والا اور تمام طاقتوں کا مالک ہے۔‘‘

(رِگ وید، منڈل 6، سوکت 22، منتر 1)

اسی طرح سام وید میں لکھا ہے ’’خدا ہمیشہ سب کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔ وہ برے لوگوں کو سزا دیتا ہے اور نیک لوگوں کو ان کے عمل کے مطابق سُکھ بانٹتا ہے۔‘‘

(سام وید، ادھیائے 1، کھنڈ 3، منتر 2)

پھر اتھرو وید میں توحید کے متعلق لکھا ہے کہ (ترجمہ) ’’وہ خدا نہ دوسرا ہے نہ تیسرا اور نہ چوتھا کہا جاتا ہے۔ وہ پانچواں، چھٹا اور ساتواں بھی نہیں کہا جاتا ہے۔ وہ آٹھواں، نواں اور دسواں بھی نہیں کہا جاتا ہے۔ وہ خدا تمام دنیا کے جانداروں اور بے جان شئے کو دیکھتا ہے۔ اسے سب طاقتیں حاصل ہیں۔ وہ اکیلا ہی موجود ہے۔ اسی میں زمین وغیرہ سبھی دیوتا موجود ہیں۔‘‘ (اتھرو وید، کانڈ 13، انواک 4، سوکت 5، منتر 3 تا 8)

یہودی مذہب

یہودیت کے بنیادی عقائد میں ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت نہایت رسوخ کے ساتھ موجود رہا ہے۔

توریت کی مشہور کتاب استثناء میں لکھا ہے: ’’سنو اے بنی اسرائیل ! ہمارا مالک خدا ہے، وہ ایک مالک ہے۔‘‘

(استثنا، باب 6 آیت 4)

بت پرستی کی مخالفت کرتے ہوئے توریت میں لکھا ہوا ہے: ’’میرے علاوہ کوئی خدا نہیں، تمہیں چاہئے کہ میری کوئی تصویر کشی نہ کرو۔ مجھ سے کسی کی مشابہت نہیں ہے، نہ آسمان پر، نہ زمین پر اور نہ ہی پانی کے نیچے۔ لہٰذا تم کسی اور کے سامنے نہ جھکو، ان کی طرف نہ دیکھو، میں ہی تمہارا خدا ہوں۔‘‘

(خروج، باب 20 آیت 3 تا 5)

اسی طرح سے کتاب استثنا میں لکھا ہوا ہے: ’’میرے علاوہ کوئی اور خدا نہیں، لہٰذا تم میری تجسیم نہ کرو۔ آسمانوں میں، زمین کے اوپر اور پانی کی گہرائیوں میں کوئی بھی میرا ہمسر نہیں ہے۔ پس تمہیں چاہیے کہ تم ان کو سجدہ نہ کرو اور نہ ہی ان کی خدمت کرو۔ میں ہی خدا اور مالک ہوں۔‘‘ (استثنا، باب 5 آیت 7 تا 9)

عیسائی مذہب

موجودہ عیسائی مذہب کے ماننے والے تثلیث کے حامی ہیں۔ تثلیث کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا بیک وقت ایک اکائی جو ہر بھی ہے اور اسی آن اپنی ذات یا وجود میں تین مختلف اقانیم بھی رکھتا ہے۔ یعنی خدا بیک وقت ایک ہوتے ہوئے بھی تین ہے اور تین ہوتے ہوئے بھی ایک ہے۔ یہ تینوں برابری کے ساتھ عبادت کے مستحق ہیں۔ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی بھی تثلیث کی بات نہیں کہی بلکہ ہمیشہ آپ نے ایک خدا کی بات لوگوں سے کی ہے۔ عیسائیت کی مقدس کتاب انجیل میں ایک خدا کی ہستی کے ثبوت بآسانی مل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں:

(1) ’’خدا تعالیٰ کے احکام میں سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل سنو! خداوند ہمارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے اور تم اپنے خداوند سے اپنے پورے دل اور اپنی پوری روح اور اپنی پوری جان اور دماغ سے پیار کرنا۔‘‘ (مرقس، باب 12 آیت 29-30)

(2) ’’ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہہ کر پکارتا ہے آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا۔ صرف وہی داخل ہوگا جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر عمل کرتا ہے۔‘‘

(متی، باب 7 آیت 21)

(3) ’’پہلے اللہ کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کی تلاش میں رہو۔ پھر یہ تمام چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔‘‘

(متی، باب 6 آیت 33)

(4) ’’جو کلام تم مجھ سے سنتے ہو وہ میرا اپنا کلام نہیں ہے بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔‘‘ (یوحنا، باب 14 آیت 24)

زرتشت مذہب

زرتشت مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے جو ایران کا قدیم قومی مذہب تھا۔ اسکے بانی حضرت زرتشت علیہ السلام ہیں۔ اس مذہب کے ماننے والوں کو ہندوستان میں پارسی کہا جاتا ہے جو خدا کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں۔ خدا کو وہ ’’اہورمزدا‘‘ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ’’عقلمند آقا‘‘ ہے۔ اسی نے کائنات کو پیدا کیا۔ حضرت زرتشتؑ کا قول ہے:

’’اے مالک ! مجھے سچ بتا، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کس نے زمین کو پختگی سے قائم کیا اور آسمان کو گرنے سے محفوظ رکھا ہوا ہے؟ ندیاں اور درخت کس نے تخلیق کئے ہیں؟ ہواؤں اور بادلوں کو کس نے چلایا ہے؟ اے مزدا! کس نے اچھے خیالات کو پیدا کیا ہے؟

اے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ مجھے حقیقت سے آشنا کر۔ تاریکی اور روشنی کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ سونا اور جاگنا کس کی تخلیق ہیں؟ فرض کی ادائیگی کے لئے عقلمند کو یاد دلانے کے طور پر کس نے صبح، دوپہر اور شام کو مقرر کیا ہے؟‘‘ (یاسنا، صفحہ 44 بحوالہ مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا، مصنفہ لیوس مور صفحہ 84، شائع کردہ البلاغ پبلیکیشنز، جامعہ نگر نئی دہلی 2010ء)

زرتشت علیہ السلام ایک خدا کے پرستار تھے۔ انہوں نے عبادت میں کثرت پرستی یعنی کئی دیوتاؤں کی پرستش کو منع کر دیا۔

(بحوالہ اردو انسائیکلو پیڈیا، جلد سوم، شائع کردہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، صفحہ 429)

بدھ مذہب

بدھ مت دنیا کا ایک قدیم مذہب ہے۔ اسکے بانی گوتم بدھ کہلاتے ہیں۔ بدھ مت گہرا فلسفہ، اعلیٰ روحانیت بلند اخلاقیات اور دینیاتی رسوم و روایات کا امتزاج ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات میں دکھوں سے بھری دنیا کو دکھوں سے نجات کا راستہ دکھانا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں بدھ خدا پرست نہیں تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بدھ نے ہندوؤں کے کئی خداؤں کے عقیدہ کا انکار کیا اور ویدوں کی گمراہ کن تعلیمات کی تردید کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بدھؑ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ’’یہ الزام جو بدھ خدا کا

منکر ہے، یہ محض افترا ہے بلکہ بدھ ویدانت کا منکر ہے اور ان جسمانی خداؤں کا منکر ہے جو ہندو مذہب میں بنائے گئے تھے۔ ہاں وہ وید پر بہت نکتہ چینی کرتا ہے اور موجودہ وید کو صحیح نہیں مانتا اور اس کو ایک بگڑی ہوئی اور محرف و مبدل کتاب خیال کرتا ہے۔‘‘(مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد 15، صفحہ 91)

دراصل بدھؑ کی تعلیمات کو ان کی وفات کے معاً بعد قلمبند نہیں کیا گیا تھا بلکہ بادشاہ اشوک کے زمانہ میں بدھؑ کی تعلیمات کو قلمبند کیا گیا۔ اس وقت تک بدھ عقائد میں اختلافات کا آغاز ہو چکا تھا اور راجہ اشوک کے بعد بدھ مذہب کا تنظیمی ڈھانچہ اور بدھ مذہب کے ماننے والے ہندو فلسفہ کے زیر اثر آگئے تھے لہٰذا بدھؑ کی حقیقی تعلیمات معاندین کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ جدید محققین جب اس مذہب کے بارہ میں تحقیق کرنے آئے تو ان کے ہاتھوں وہ محرف و مبدل کتب اور ان میں درج تعلیمات لگیں جو بدھ مذہب کے قرون اولیٰ کے اعتقادات سے متضاد تھیں۔ بدھ کی اصل تعلیمات کو جاننے کیلئے راجہ اشوک کے سنگی کتبوں میں ہزاروں سالوں سے منقش عبارتوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اشوک کے کتبوں کو اگر بدھ کی بنیادی تعلیم کیلئے معیار سمجھ لیا جائے تو بدھ لٹریچر کا تجزیہ آسان ہو جاتا ہے۔ بدھ لٹریچر کے جو حصے کتبات اشوک کے مطابق ہیں وہ حقیقی ہیں اور مخالف حصے الحاقی۔ خدا کے متعلق خاموشی یا انکار بدھ لٹریچر میں بعد کا اضافہ ہے۔ ابتدائی بدھ صحائف میں واضح طور پر خدا، اسکے دیوتاؤں اور اس کی بادشاہت کا ذکر موجود تھا۔

اشوک نے اپنے کتبات میں واضح طور پر خدا تعالیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اشوک کے کتبے جس رسم الخط اور زبان میں ہیں وہ متروک ہے۔ اس لئے علماء کو بعض جگہ متن کی تعیین میں سخت دقت پیش آئی۔ کچھ الفاظ مٹ گئے ہیں وہاں مناسب الفاظ تجویز کئے گئے۔ Princep جو کہ اشوک کے کتبے کا پہلا پڑھنے والا محقق ہے ستونی کتبہ ہفتم اور ’دَھولی‘ کے کتبہ میں تین جگہ ’’ایسانہ‘‘ لفظ کا ذکر پاتا ہے جس کے معنی ایشور کے ہیں۔ بعد کے علماء نے ’’ایسانہ‘‘ سے پہلے مٹے ہوئے حروف ایسے تجویز کئے کہ یہ الگ لفظ نہ رہا۔ بلکہ تجویز کردہ الفاظ کا حصہ بن گیا۔ Princep نے واضح طور پر ’’ایسانہ‘‘ پڑھ کر اس کے معنی خدا کے کئے ہیں۔ اس نے کتبہ دَھولی کو یوں پڑھا ہے:

’’خدا (ایسانہ) پر ایمان لاؤ اور اس کی ہستی کا اقرار کرو کیونکہ وہی اس بات کا سزاوار ہے کہ اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔‘‘
(دَھولی کا پہلا کتبہ)

مشہور محقق آرتھر للّی 1887ء میں لندن سے شائع شدہ اپنی کتاب Buddhism in Christendom میں یہ اقتباس تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اشوک کے وقت کے برہمن خدا تعالیٰ کو ’’ایسانہ‘‘ کہتے تھے۔
(صفحہ 219 بحوالہ ’فردوسِ گم گشتہ، مصنفہ عبدالقادر صاحب، صفحہ 16، شائع کردہ جامعہ احمدیہ ربوہ)

الغرض بدھ مذہب کا اسکے محفوظ مصادر کی مدد سے مطالعہ کرنے سے یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ اس مذہب کی بنیادی تعلیمات میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت واشگاف طور پر موجود ہیں۔

سکھ مذہب

سکھ مذہب کی بنیاد خدا پرستی پر قائم ہے۔ کسی دیوی دیوتا یا کسی مورتی کی پرستش سکھ مذہب میں جائز نہیں۔ سکھ مذہب کی ابتداء حضرت بابا نانکؒ سے ہوتی ہے جنہوں نے اپنی عمر اسلامی ارکان و عقائد پر پابند رہتے ہوئے، اسلامی اولیاء اللہ اور مقدس مقامات کی زیارت اور ان سے استفاضہ کرتے ہوئے گزاری۔ ڈیرہ بابا نانک کے مقام پر موجود ان کا مقدس چولہ سکھ مذہب میں نہایت متبرک اور قیمتی اثاثہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس چولہ پر قرآنی آیات اور ایسی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں جن سے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق بابا نانکؒ کے راسخ عقائد کی عکاسی ہورہی ہے۔

سکھ مذہبی لٹریچر میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت بکثرت موجود ہیں۔ سکھوں کی مقدس مذہبی کتاب ’’گروگرنتھ صاحب‘‘ کے سارے کلام میں ’’مول منتر‘‘ (بنیادی کلمہ) کو سب سے مقدس سمجھا جاتا ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

اِک اونکار، ستِ نام، کَرتا پُرکھ، نِربھَو، نِروَ
اکال مورتِ، اَجُونی، سَے بھنگ، گُر پَرسادِ

(سری گورو گرنتھ صاحب، جلد 1، صفحہ 1، ناشر بھائی چتر سنگھ جیون سنگھ بازار مائی سیواں امرتسر)

یعنی خدا ایک ہے، اسی کا نام سچ ہے، وہی قادرِ مطلق ہے، وہ بے خوف ہے، اسے کسی سے دشمنی نہیں، وہ ازلی و ابدی ہے، بے شکل و صورت ہے، قائم بالذات ہے، خود اپنی رضا اور توفیق سے حاصل ہوجاتا ہے۔

مول منتر کے بعد دوسرا درجہ ’’جپ جی‘‘ کو حاصل ہے۔ سکھ مذہب میں بنیادی طریقِ عبادت ’’نام سمرن‘‘ یعنی ذکر الٰہی ہے۔ یہ خدا کا نام لیتے رہنے کا ایک عام طریقہ ہے، جس کیلئے چھوٹی تسبیح کا بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اجتماعی شکل میں باجماعت موسیقی کے ساتھ گرنتھ صاحب کے کلام کا ورد بھی ہوتا ہے۔

گروگرنتھ صاحب راگ رام کلی محلہ 5 میں لکھا ہے :

صاحب میرا ایکو ہے، ایکو ہے بھائی ایکو ہے
آپے مارے آپے چھوڑے، آپ لیودیئے
آپے دیکھے وگے ، آپے نذر کریئے
جو کچھ کرنا سو کر رہیا ، اور نہ کرنا جائی
جیسا درتے تیسو کہیئے ، سب تیری وڈیائی

ترجمہ: میرا مالک ایک ہے، ہاں ہاں بھائی وہ ایک ہے۔ وہی مارنے والا اور زندہ کرنے والا ہے، وہی دے کر خوش ہوتا ہے۔ وہی جس پر چاہتا ہے اپنے فضلوں کی بارش کر دیتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے بغیر اور کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے ہم وہی بیان کرتے ہیں، ہر چیز اس کی حمد بیان کررہی ہے۔

الغرض اسلام کے علاوہ دیگر تمام ادیان کی کتب مقدسہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب میں ایک تعلیم مشترک پائی جاتی ہے کہ انسان کو سوائے ایک خدا کے کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہئے۔ اسی ایک حقیقت کو اجاگر کرنے کیلئے تمام انبیاء علیہم السلام دنیا کے الگ الگ مقامات پر مبعوث ہوئے ہیں۔ امام وقت حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :

’’میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ اسلام کے سوائے باقی سب مذاہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی گئی ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ وہ خدا جو تمام مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے اور جیسا وہ سب کی جسمانی ضروریات کو پورا کررہا ہے ایسا ہی روحانی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے۔ یہ سچ نہیں کہ دنیا کی ابتداء سے اس نے صرف ایک قوم کو ہی چن لیا ہے اور دوسروں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کبھی کسی قوم پر وہ وقت آجاتا ہے اور کبھی کسی پر...... پس اس میں شک نہیں کہ ابتداء میں ان تمام مذاہب کی بنیاد حق اور راستی پر تھی مگر مرورِ زمانہ سے ان میں طرح طرح کی غلطیاں داخل ہوگئیں یہاں تک کہ اصل حقیقت انہی غلطیوں کے نیچے چھپ گئی۔‘‘ (ریویو آف ریلیجنز، جلد 3 نمبر 10، صفحہ 352) ☆☆

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق دیگر مذاہب کے غلط خیالات کا ردّ

(شیخ مجاہد احمد شاستری، مینیجر ہفت روزہ اخبار بدر قادیان)

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق عقائد وخیالات کے ضمن میں مندرجہ ذیل تین مذاہب کا ذکر اختصار سے کیا جاتا ہے اور اسکے بالمقابل اسلام کی پاکیزہ تعلیم کا بھی مختصر ذکر کیا جائے گا۔

(1) یہودیت (2) عیسائیت (3) سناتن دھرم (ہندوازم)

یہودیت

دنیا کے قدیم مذاہب میں یہودیت کا شمار ہوتا ہے۔ یہودیت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب عہد نامہ قدیم کے حوالہ سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے کا نام حضرت اسحاق علیہ السلام تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک کا نام عیسو اور دوسرے کا یعقوب تھا۔ یعقوب کو اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ اسرائیل عبرانی لفظ ہے جسکے معنی ہیں ''خدا کا پہلوان'' حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے کا نام یہودہ تھا۔ وہ ملک فلسطین میں آباد ہوا اور اُس کی نسل یہودی کہلائی۔ یہودی مذہب میں دو اصول بہت اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلا عقیدہ خدا کی وحدانیت کا ہے۔ اسی طرح یہودی مذہب میں جزا سزا کا عقیدہ بھی موجود ہے۔

خدا تعالیٰ کا تصور:

یہودی ایک خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ توریت میں ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ ''میں ربّ تیرا خدا ہوں جو تجھے ملک مصر کی غلامی سے نکال لایا۔ میرے علاوہ کسی اور معبود کی پرستش نہ کرنا۔ اپنے لئے بُت نہ بنانا۔ کسی بھی چیز کی مورت نہ بنانا، چاہے وہ آسمان میں زمین پر یا سمندر میں ہو۔ نہ بتوں کی پرستش نہ اُنکی خدمت کرنا کیونکہ میں تیرا ربّ غیور خدا ہوں۔''

(خروج باب 20 آیت 2 تا 5 کتاب مقدس اصل عبرانی آرامی اور یونانی سے نیا اُردو ترجمہ ناشرین جیولنکس ریسورس کنسل ٹینٹس، ورجینیا۔ امریکہ سن اشاعت 2015ء)

باوجود اس کے کہ یہودیت ایک خدا کا اقرار کرتی ہے لیکن یہود کے بعض فرقے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں درج ہے کہ: وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ عُزَیۡرُ ۨابۡنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوۡلُهُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ ۚ یُضَاهِـُٔوۡنَ قَوۡلَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ۫ اَنّٰی یُؤۡفَكُوۡنَ (سورۃ التوبہ آیت 30) ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ عُزَیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ محض ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کے قول کی نقل کر رہے ہیں جنہوں نے (ان سے) پہلے کفر کیا تھا۔ اللہ انہیں نابود کرے یہ کہاں الٹے پھرائے جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ آج کل کے یہود میں کوئی ایسا فرقہ موجود نہیں جو حضرت عزیز کو ابن اللہ کہتا ہو لہٰذا یہ بات کہنی درست نہیں ہے۔ اس بات کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''دنیا میں کئی مذاہب آتے ہیں پھر مٹتے ہیں۔ ایک فرقہ تھا یہود سے وہ حضرموت (غربی کنارہ یمن) میں رہتا تھا۔ وہ عُزیر کو ابن اللہ کہتے تھے۔ ہجری چوتھی صدی کے اخیر تک ان کا بقایا رہا ہے۔ پس یہ اعتراض نہیں چاہئے کہ اب تو یہود نہیں کہتے عزیر ابن اللہ تھے کیونکہ دنیا میں ایسا ہوتا آیا ہے۔ دیکھو قسطلانی۔ داؤد ظاہری، لیث کے متبعین اب نہیں پائے جاتے۔ مگر کتابوں میں ان کا ذکر ہے۔''

(حقائق الفرقان، جلد 2، صفحہ 286)

یہود کے اس عقیدہ کے برخلاف اسلام نے توحید خالص کے نظریہ کو پیش فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلۡ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ○ وَلَمۡ یَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (سورۃ الاخلاص) ترجمہ: تُو کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور اُس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

یہودی مذہب میں اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق قرار دیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی پیدائش کے بعد تھک گیا۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے: ''یوں آسمان و زمین اور اُنکی تمام چیزوں کی تخلیق مکمل ہوئی۔ ساتویں دن اللہ کا سارا کام تکمیل کو پہنچا۔ اس سے فارغ ہو کر اُس نے آرام کیا۔ (خروج باب 2 آیت 1 تا 3 کتاب مقدس اصل عبرانی آرامی اور یونانی سے نیا اُردو ترجمہ ناشرین جیولنکس ریسورس کنسل ٹینٹس، ورجینیا، امریکہ سن اشاعت 2015ء)

اس کے مقابل پر اسلام یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور پیدا فرمانے میں یا ان کا انتظام کرنے میں اس کو کوئی تھکن محسوس نہیں ہوئی نہ اس کو آرام کی ضرورت پیش آئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (سورہ احقاف: 34) ترجمہ: اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس بات پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کرے؟ کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

عیسائیت

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور:

عیسائی مذہب میں خدا کا کیا تصور ہے اس بارے میں مارس ریلٹن لکھتا ہے:

''عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے جو تمام امکانی صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے۔ اُسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے اسکی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے۔ وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں۔''

Studies in Christian doctrine by H Maurice Relton publisher London, Macmillan 1960 Page 3

(بحوالہ عیسائیت کیا ہے؟ صفحہ 7 محمد تقی عثمانی دارالاشاعت کراچی)

عقیدہ تثلیث (Trinity)

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس اسی عقیدہ کو تثلیث کہا جاتا ہے۔ بہت سادہ الفاظ میں خدا بیک وقت ایک اکائی جوہر بھی ہے اور اسی آن میں اپنی ذات یا وجود میں تین مختلف اقانیم بھی رکھتا ہے، یعنی ایک تین میں اور تین ایک میں کا عقیدہ ہے۔

One in three and three in one

اس عقیدہ کی تشریح میں عیسائی علماء کے بیانات متضاد اور مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا باپ بیٹا اور روح القدوس کے مجموعے کا نام ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم یہ وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے۔ پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے اور باقی اقنوم سے ان کا کیا رشتہ ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جسکی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک خواب پریشان بن کر رہ گیا ہے۔

ردالوہیت مسیح:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا ہونے کی شدت سے تردید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ وَقَالَ الۡمَسِیۡحُ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبَّكُمۡ ؕ اِنَّهٗ مَنۡ یُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ الۡجَنَّةَ وَمَاۡوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ (المائدہ 73) یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہے۔ جبکہ مسیح نے تو یہی کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔ یقیناً وہ جو اللہ کا شریک ٹھہرائے اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالموں کے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اے عیسائیو! یاد رکھو کہ مسیح ابن مریم ہرگز ہرگز خدا نہیں ہے تم اپنے

نفسوں پر ظلم مت کرو۔ خدا کی عظمت مخلوق کو مت دو۔ ان باتوں کے سننے سے ہمارا دل کانپتا ہے کہ تم ایک مخلوق ضعیف درماندہ کو خدا کر کے پکارتے ہو سچے خدا کی طرف آجاؤ تا تمہارا بھلا ہو اور تمہاری عاقبت بخیر ہو۔''

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 55)

ردّ ابنیت مسیح:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کا شدت سے رد فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ○ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ○ ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ○ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ (سورہ مریم آیت 31 تا 37) ترجمہ: اُس نے کہا یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ نیز مجھے مبارک بنا دیا ہے جہاں کہیں میں ہوں اور مجھے نماز کی اور زکوٰۃ کی تلقین کی ہے جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی ماں سے حسن سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے سخت گیر اور سخت دل نہیں بنایا۔ اور سلامتی ہے مجھ پر جس دن مجھے جنم دیا گیا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے مبعوث کیا جاؤں گا۔ یہ ہے عیسیٰ بن مریم۔ (یہ) وہ حق بات ہے جس میں وہ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کی شان نہیں کہ وہ کوئی بیٹا بنا لے۔ پاک ہے وہ۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ اسے محض "ہوجا" کہتا ہے تو وہ ہونے لگتا ہے اور ہو کر رہتا ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی میرا ربّ اور تمہارا ربّ ہے۔ پس تم اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''خدا کیلئے بیٹا تجویز کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی موت کا یقین کرنا ہے۔ کیونکہ بیٹا تو اس لئے ہوتا ہے کہ وہ یادگار رہو۔ اب اگر مسیح خدا کا بیٹا ہے تو پھر سوال ہوگا کہ کیا خدا کو مرنا ہے؟'' (ملفوظات جلد 1 صفحہ 220، مطبوعہ قادیان 2003)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جب عیسائیوں نے معلوم کیا کہ بائبل کی تعلیم بہت سے لوگوں کو خدا کے بیٹے اور خدا کی بیٹیاں بلکہ خدا ہی بناتی ہے تو انہوں نے کہا کہ آؤ ہم بھی اپنے ابن مریم کو انہیں میں داخل کریں تا وہ دوسرے بیٹوں سے کم نہ رہ جائے۔ اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ عیسائیوں نے ابن مریم کو ابن اللہ بنا کر کوئی نئی بات نہیں نکالی بلکہ پہلے بے ایمانوں اور مشرکوں کے قدم پر قدم مارا ہے...... پس وہ لوگ خدائے تعالیٰ کو جسمانی اور جسم قرار دینے میں اور اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحمیت وغیرہ صفات کے معطل جاننے میں اور ان صفتوں میں دوسری چیزوں کو شریک گردانتے میں اکثر مشرکین کے پیشوا اور سابقین اوّلین میں سے ہیں۔''

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن، جلد 1، صفحہ 465 تا 466 حاشیہ نمبر 11)

ردّ تثلیث:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تثلیث کا عقیدہ رکھنے والوں کیلئے دردناک عذاب دیئے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (سورہ المائدہ 74) ترجمہ: یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے (بھی) جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ حالانکہ ایک ہی معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا دردناک عذاب ضرور آلے گا۔

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفت وحدہ لاشریک بتلائی...... اس کا نقش انسانی فطرت اور دل میں موجود ہے اور دلائل قدرت سے اسکی شہادت ملتی ہے۔ برخلاف اس کے انجیلی تثلیث کا نقش نہ دل میں ہے نہ قانونِ قدرت اس کا مؤید ہے۔'' (ملفوظات، جلد 1، صفحہ 343 مطبوعہ 2003 قادیان)

فرمایا: ''تثلیث کا عقیدہ بھی ایک عجیب عقیدہ ہے۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ مستقل طور پر اور کامل طور پر تین بھی ہوں اور ایک بھی ہو اور ایک بھی کامل خدا اور تین بھی کامل خدا ہو۔''

(چشمہ مسیحی روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 348)

ردّ کفارہ:

عیسائیوں کا خدا تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ انسان کے گناہ معاف نہیں کرسکتا۔ اس لئے اُس نے یہ تجویز نکالی کہ اپنے بیٹے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور اس بیٹے نے بنی نوع کے گناہوں کا کفارہ صلیب پر جان دے کر دیا۔ لہٰذا اب وہ شخص نجات یافتہ ہے جو کفارہ پر ایمان لاتا ہے ورنہ ہر شخص پیدائشی گناہ گار ہے۔ اس عقیدہ کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی ہستی پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ گناہ نہیں بخشتا نیز کامل قدرت کا مالک نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کو رد فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (الانعام: 165) تو (ان سے) کہہ دے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی کو اپنا ربّ پسند کرلوں؟ جبکہ وہی ہے جو ہر چیز کا ربّ ہے۔ اور کوئی جان (بدی) نہیں کماتی مگر اپنے ہی خلاف اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔ پھر تمہارے ربّ ہی کی طرف تمہارا لوٹ کر جانا ہے۔ پس وہ تمہیں اس پر آگاہ کرے گا جس کے متعلق تم آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے۔

امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اگر ہم عیسائیوں کے اس اصول (کفارہ۔ ناقل) کو لعنت کے مفہوم کے رو سے جانچیں جو مسیح کی نسبت تجویز کی گئی ہے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اصول کو قائم کر کے عیسائیوں نے یسوع مسیح کی وہ بے ادبی کی ہے جو دنیا میں کسی قوم نے اپنے رسول یا نبی کی نہیں کی ہوگی۔ کیونکہ یسوع کا لعنتی ہو جانا گو وہ تین دن کیلئے ہی سہی عیسائیوں کے عقیدہ میں داخل ہے اور اگر یسوع کو لعنتی نہ بنایا جائے تو مسیحی عقیدہ کے رو سے کفارہ اور قربانی وغیرہ سب باطل ہو جاتے ہیں۔ گویا اس تمام عقیدہ کا شہتیر لعنت ہی ہے۔'' (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 331)

سناتن دھرم (ہندوازم)

ہندومت ایک مذہب ہے جس کی بنیاد ہندوستان میں ہے۔ ہندومت کے پیروکار اِس کو سناتنا دھرما کہتے ہیں جو کہ سنسکرت کے الفاظ ہیں جنکا مطلب ہے ''لازوال قانون'' ہندومت قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ یہ مذہب قدیم سے چلے آرہے مختلف مذہبوں، رسموں عقیدوں کا مجموعہ ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں عقائد کم زیادہ ہوتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ مختلف جماعتوں اور اسکے نظریات کا مرکب ہے۔ یعنی دہریت، بت پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی، وغیرہ سب اس میں شامل ہے۔

ہندو دھرم کے احکام، اصول وضوابط اور معاشرتی طور طریقے میں بہت ہی زیادہ اختلاف ہے۔ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(1) ایک ایشور کی پوجا کرنے والے بھی ہندو اور 33 کروڑ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنے والے بھی ہندو (2) مورتی پوجا کرنے والے بھی ہندو اور اس کی مخالفت کرنے والے بھی ہندو (3) مندروں میں بے روک ٹوک جانے والے بھی ہندو اور مندروں سے مار کر بھگائے جانے والے شودر بھی ہندو (4) گائے، سانپ وغیرہ کے پجاری بھی ہندو اور ان کو ختم کرنے والے بھی ہندو۔

ہستی باری تعالیٰ کے بارے میں ہندوؤں کے خیالات:

ہندوؤں کی اکثریت بت پرست ہے اور ہزاروں کی تعداد میں دیوی دیوتا اور بت تراشے گئے ہیں لیکن ان سب کے باوجود ہر ایک ہندو ایک خدا تعالیٰ جسے وہ ایشور کے نام سے پکارتے ہیں کی ہستی کا قائل ہے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ہندو بتوں کو خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں میں تری مورتی یعنی تین مورتی کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ ہندو اپنے تین دیوتا برہما، وشنو، مہیش کو خدا تعالیٰ کی صفات علی الترتیب تخلیق، ربوبیت اور مالکیت میں شامل کرتے ہیں۔ ان تینوں دیوتاؤں کی فضیلت میں مختلف قصے کہانیاں بتائی جاتی ہیں۔

روح اور ذرات عالم کو انادی اور قدیم ماننے کا عقیدہ:

ہستی باری تعالیٰ کے بارے میں جو بڑے بڑے غلط عقائد ہندو مذہب میں پائے

جاتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ہندو روحوں اور ذرات عالم کو جن کو پرکرتی یا پرمانو بھی کہتے ہیں غیر مخلوق اور انادی سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ روح اور ذرات عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہے بلکہ اُس کا کام صرف جوڑنا ہے وہ روح کی تخلیق کرنے والا نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کو سختی سے رد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل آیت 86) ترجمہ: اور وہ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تُو کہہ دے کہ روح میرے ربّ کے حکم سے ہے۔

امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’انسانی رُوح کے پیدا ہونے کیلئے خدا تعالیٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ دو نطفوں کے ملنے کے بعد جب آہستہ آہستہ قالب تیار ہو جاتا ہے تو جیسے چند ادویہ کے ملنے سے اُس مجموعہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہو جاتی ہے کہ جو ان دواؤں میں فرد فرد کے طور پر پیدا نہیں ہوتی اسی طرح اُس قالب میں جو خون اور دو نطفوں کا مجموعہ ہے ایک خاص جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک فاسفرس کے رنگ میں ہوتا ہے اور جب تجلّی الٰہی کی ہوا کُن کے امر کے ساتھ اس پر چلتی ہے تو یکدفعہ وہ افروختہ ہوکر اپنی تاثیر اس قالب کے تمام حصوں میں پھیلا دیتا ہے تب وہ جنین زندہ ہو جاتا ہے پس یہی افروختہ چیز جو جنین کے اندر تجلّی ربّی سے پیدا ہو جاتی ہے اسی کا نام رُوح ہے اور وہی کلمۃ اللہ ہے۔‘‘

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن، جلد 23، صفحہ 159)

تناسخ کا عقیدہ:

تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کا خاص عقیدہ ہے۔ سنسکرت زبان میں اسے آواگون کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا گناہوں کے باعث بار بار مختلف جانداروں کی صورت میں جنم لینا۔ انسان کی روح، گدھے گھوڑے، بلی دیگر حیوانات، گاجر مولی، مرچ وغیرہ نباتات، جمادات میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ سب حیوانات، نباتات، جمادات پچھلے جنم میں انسان تھے، گناہوں کی وجہ سے ان شکلوں میں ہو گئے۔ اسی طرح انسانوں کا دکھ اور بیماری میں مبتلا ہونا پچھلے جنم میں گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ہے۔

سناتن دھرمیوں اور آریوں کی طرف سے اثباتِ تناسخ کی ایک دلیل انسانوں میں اختلاف کا پایا جانا بتائی جاتی ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ہندوؤں کی اس دلیل کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’حیوانات کی طاقتوں اور قوتوں کی تفاوت کا سبب تناسخ اور آواگون کو قرار دینا خدائے حکیم کے علم اور ست وِدّیا کو ضائع کرنا اور اس کی وحدت نظامی کو درہم و برہم کرنا ہے۔ جس حالت میں تم مثلاً ستاروں اور سورج اور چاند پر نظر ڈال کر اپنے منہ سے اقرار کرتے ہو کہ وہ تفاوت جو ان ستاروں کی قوت اور طاقت اور تمام لوازم میں واقع ہے وہ کسی تناسخ اور آواگون کا موجب نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت الٰہیہ نے یہی چاہا تا ہر ایک چیز اپنی اپنی حد بندی کی رُو سے حد باندھنے والے پر دلالت کرے اور اس طرح اس غیب الغیب اور وراء الوراء پر ایک دلیل قائم ہو جائے تو پھر کیوں اُسی منہ سے وہ تفاوت جو حیوانات میں پایا جاتا ہے اس کو تم تناسخ اور آواگون کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہو۔ یا تو یہ مان لو کہ کل تفاوت اور باہمی فرق طاقتوں اور قوتوں اور خاصیتوں کا جو آسمان کے ستاروں اور زمین کے جمادات نباتات حیوانات میں پایا جاتا ہے ان سب کا سبب تناسخ اور آواگون ہے اور یا یہ مان لو کہ یہ تمام تفاوت اور مختلف قسم کی حد بندیاں تمام عالم کی چیزوں میں خواہ وہ حیوانات ہیں یا غیر حیوان یہ صرف اسی وجہ سے ہیں کہ تا ان حد بندیوں سے ایک ذات حد باندھنے والی کا پتہ لگ جائے یہ کیا حماقت ہے کہ ان حد بندیوں کی دلیل بیان کرنے کے وقت ایک جگہ کچھ بیان ہے اور دُوسری جگہ اس کے مخالف بیان ہے۔‘‘

(چشمہ مَعرفت، روحانی خزائن، جلد 23، صفحہ 19)

خدا تعالیٰ کا تجسم اختیار کرنے کا عقیدہ:

ہندوؤں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ انسانی جسم اختیار کر کے لوگوں کی حفاظت کیلئے جنم لیتا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کے مشہور اوتار کرشن جی اور رامچندر جی کو ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ خدائی کے مقام پر فائز سمجھتا ہے۔

امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’یہ (یعنی مسیح کا انسانی جسم میں خدا ہونا۔ ناقل) ہندوؤں کے اُن اوتاروں سے مشابہ ہے جن کو آج کل آریہ لوگ بڑے جوش سے چھوڑتے جاتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ عیسائیوں کے خدا نے تو صرف ایک مرتبہ مریم بنت یعقوب کے پیٹ سے جنم لیا۔ مگر ہندوؤں کے خدا بشن نے نو مرتبہ دنیا کے گناہ دور کرنے کیلئے تولد کا داغ اپنے لئے قبول کر لیا۔ خصوصاً آٹھویں مرتبہ کا جنم لینے کا قصہ نہایت دلچسپ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب زمین دیئتوں کی طاقت سے مغلوب ہوگئی تو بشن نے آدھی رات کو کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوکر اوتار لیا اور جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان سے لوگوں کو چھڑایا۔ یہ قصہ اگرچہ عیسائیوں کے مذاق کے موافق ہے مگر اس بات میں ہندوؤں نے بہت عقلمندی کی کہ عیسائیوں کی طرح اپنے اوتاروں کو سولی نہیں دیا اور نہ ان کے لعنتی ہونے کے قائل ہوئے۔

قرآن شریف کے بعض اشارات سے نہایت صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو خدا بنانے کے موجد پہلے آریہ ورت کے برہمن ہی ہیں اور پھر یہی خیالات یونانیوں نے ہندوؤں سے لئے۔ آخر اس مکروہ اعتقاد میں ان دونوں قوموں کے فضلہ خوار عیسائی بنے اور ہندوؤں کو ایک اور بات دور کی سوجھی جو عیسائیوں کو نہیں سوجھی اور وہ یہ کہ ہندو لوگ خدائے ازلی ابدی کے قدیم قانون میں یہ بات داخل رکھتے ہیں کہ جب کبھی دنیا گناہ سے بھر گئی تو آخر ان کے پرمیشر کو یہی تدبیر خیال میں آئی کہ خود دنیا میں جنم لے کر لوگوں کو نجات دیوے۔ اور ایسا واقعہ صرف ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقتوں میں ہوتا رہا۔‘‘

(معیار المذاہب، روحانی خزائن، جلد 9، صفحہ 473)

اختتام

امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’خدا آسمان و زمین کا نور ہے۔ یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی اُسی کے فیض کا عطیہ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت رب العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبدء ہے اور تمام انوار کا علت العلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اُسی کی ہستی حقیقی تمام عالم کی قیّوم اور تمام زیر و زبر کی پناہ ہے۔ وہی ہے جس نے ہر یک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا اور خلعت وجود بخشا۔ بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے کہ جو فی حدّ ذاتہٖ واجب اور قدیم ہو۔ یا اس سے مستفیض نہ ہو بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان اور حجر اور شجر اور روح اور جسم سب اُسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن، جلد 1 صفحہ 191 حاشیہ نمبر 11)

اللہ کرے کہ انسان اپنے حقیقی خالق و مالک کو پہچانے اور اُسی کی عبادت کرے اور اس کے آگے سجدہ ریز ہو۔ آمین۔

......☆......☆......☆......

بقیہ اداریہ از صفحہ نمبر 1

ایک اور واقعہ توحید کی خاطر آپؐ کی جاں نثاری پر خوب روشنی ڈالتا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

’’جب یہ آیتیں اتریں کہ مشرکین رجس ہیں پلید ہیں شرّ البریّہ ہیں سفہاء ہیں اور ذرّیت شیطان ہیں اور انکے معبود وقود النّار اور حصب جہنم ہیں تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ اَے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تُو نے انکے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا اور انکے بزرگوں کو شرّ البریّہ کہا اور انکے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنّم اور وقود النّار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رجس اور ذرّیت شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ مَیں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ مَیں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا کہ اَے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ ہے اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کیلئے میں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے مَیں موت کے ڈر سے اظہار حق سے رُک نہیں سکتا اور اَے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تُو مجھے پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہوجا بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں **میں احکام الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رُکوں گا مجھے اپنے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہوکر ہمیشہ اِسی راہ میں مرتا رہوں۔** یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہا لذت ہے کہ اسکی راہ میں دکھ اٹھاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقّت نمایاں ہو رہی تھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابوطالب کے آنسو جاری ہوگئے اور کہا کہ میں تیری اِس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تُو اور ہی رنگ میں اور اَور ہی شان میں ہے جا اپنے کام میں لگا رہ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔‘‘ ☆

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 110)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو توحید کا وہ درس دیا کہ پیدائش سے لیکر وفات تک زندگی کا کوئی لمحہ کوئی گوشہ اللہ جل شانہ کے ذکر وفکر سے خالی نہ رکھا۔ آپؐ کا یہ قول اللہ کی محبت سے کس قدر لبریز ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے فرمایا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ پوری پوری رات اپنے ربّ کی یاد میں اور عشق ومحبت کی سرگوشیوں میں گزار دیتے۔ اور آپؐ کا یہ ارشاد تو بہت ہی حیرت انگیز ہے ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا عائشہ! میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے آپؐ کی آخری نصیحت یہی تھی کہ صرف ایک خدا کی پرستش کرنا یہود کی طرح شرک میں مبتلا نہ ہوجانا اور میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالینا۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

’’خدا تعالیٰ کی محبت کی یہ حالت تھی کہ جب ایک وقفہ کے بعد بادل آتے تو آپ اپنی زبان پر بارش کا قطرہ لے لیتے اور فرماتے۔ دیکھو! میرے ربّ کی تازہ نعمت!

جب مجلس میں بیٹھتے تو استغفار کرتے رہتے اور یوں بھی اکثر استغفار کرتے تاکہ آپ کی اُمت اور آپ کیساتھ تعلق رکھنے والے خدا تعالیٰ کے غضب سے بچے رہیں اور اُسکی بخشش کے مستحق ہوجائیں۔ ہر وقت خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونیکی یاد کو تازہ رکھتے۔

خدا تعالیٰ کے قرب کی اتنی خواہش تھی کہ ہمیشہ آپ دعا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا۔ یعنی اَے میرے ربّ! میرے دل میں بھی اپنا نور بھر دے اور میری آنکھوں میں بھی اپنا نور بھر دے اور میرے کانوں میں بھی اپنا نور بھر دے اور میرے دائیں بھی تیرا نور ہو اور میرے بائیں بھی تیرا نور ہو اور میرے اُوپر بھی تیرا نور ہو اور میرے نیچے بھی تیرا نور ہو اور میرے آگے بھی تیرا نور ہو اور میرے پیچھے بھی تیرا نور ہو اور اے میرے ربّ! میرے سارے وجود کو نور ہی نور بنادے۔‘‘

(نبیوں کا سردار صفحہ 271 مطبوعہ قادیان 2014)

’’جب بھی اللہ تعالیٰ کا آپ ذکر فرماتے آپ کی طبیعت میں جوش پیدا ہوجاتا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے جسم کے اندر کی طرف سے بھی اور باہر کی طرف سے بھی کُلّی طور پر خدا تعالیٰ کی محبت نے قابو پالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں آپ کو سادگی اس قدر پسند تھی کہ مسجد میں جس پر کوئی فرش نہیں تھا جس پر کوئی کپڑا نہیں تھا آپ نماز پڑھتے اور دوسروں کو پڑھواتے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ بارش کی وجہ سے چھت ٹپک پڑتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم گارے اور پانی سے لت پت ہوجاتا مگر آپ برابر عبادت میں مشغول رہتے اور آپ کے دل میں ذرا بھی احساس پیدا نہ ہوتا کہ اپنے جسم اور کپڑوں کی حفاظت کی خاطر آپ اُس وقت کی نماز ملتوی کردیں یا کسی دوسری جگہ پر جاکر نماز پڑھ لیں۔

اپنے صحابہ کی عبادتوں کا بھی آپ خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق جو نہایت ہی نیک اور پاکیزہ خصائل کے آدمی تھے آپ نے فرمایا عبداللہ بن عمرؓ کیسا اچھا آدمی ہوتا اگر تہجد بھی باقاعدہ پڑھتا جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے اُس دن سے تہجد کی نماز باقاعدہ شروع کردی۔‘‘ (ایضاً صفحہ 274)

’’اللہ تعالیٰ پر توکل کا یہ حال تھا کہ جب ایک شخص نے اکیلا پاکر آپ پر تلوار اُٹھائی اور آپ سے پوچھا اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟ اُس وقت باوجود اسکے کہ آپ بے ہتھیار تھے اور بوجہ لیٹے ہوئے ہونیکے حرکت بھی نہیں کرسکتے تھے۔ آپ نے نہایت اطمینان اور سکون سے جواب دیا ’’اللہ‘‘ یہ لفظ اس یقین اور وثوق سے آپ کے منہ سے نکلا کہ اُس کافر کا دل بھی آپ کے ایمان کی بلندی اور آپ کے یقین کے کامل ہونے کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا اور اُسکے ہاتھ سے تلوار گرگئی اور وہ جو آپ کو قتل کرنے کیلئے آیا تھا آپ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا ہوگیا۔ (ایضاً صفحہ 270)

ذیل میں ہم سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند ارشادات عالیہ پیش کرتے ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کی اعلیٰ وارفع شان کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

دُنیا کا مربی اعظم

اصل حقیقت یہ ہے کہ سب نبیوں سے افضل وہ نبی ہے کہ جو دنیا کا مربی اعظم ہے۔ یعنی وہ شخص کہ جس کے ہاتھ سے فساد اعظم دنیا کا اصلاح پذیر ہوا جس نے توحید گم گشتہ اور ناپدید شدہ کو پھر زمین پر قائم کیا۔ جس نے تمام مذاہب باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کرکے ہر یک گمراہ کے شبہات مٹائے جس نے ہر یک ملحد کے وسواس دور کئے اور سچا سامان نجات کا کہ جس کے لئے کسی بے گناہ کو پھانسی دینا ضرور نہیں اور خدا کو اپنی قدیمی اور ازلی جگہ سے کھسکا کر کسی عورت کے پیٹ میں ڈالنا کچھ حاجت نہیں، اصول حقہ کی تعلیم سے از سر نو عطا فرمایا۔

(براہین احمدیہ رُوحانی خزائن جلد 1 صفحہ 97، حاشیہ)

اعلیٰ درجہ کا یکرنگ صاف باطن نبی

آنحضرت اعلیٰ درجہ کے یک رنگ اور صاف باطن اور خدا کے لئے جان باز اور خلقت کے بیم وامید سے بالکل منہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکل کرنے والے تھے۔ کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہوکر اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے سر پر آوے گی اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دکھ اور درد اٹھانا ہوگا۔

(براہین احمدیہ رُوحانی خزائن جلد 1 صفحہ 111)

آنحضرتؐ کی شانِ ارفع واعلیٰ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مجدّد اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے۔ اِس فخر میں ہمارے نبی صلعم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں کہ آپ نے تمام دنیا کو ایک تاریکی میں پایا اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی۔ جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہ ہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا۔

(لیکچر سیالکوٹ رُوحانی خزائن جلد 20، صفحہ 206)

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرے اور اسکے نتیجہ میں آپؐ کے نقش قدم پر چلنے اور آپؐ کی کامل اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (منصور احمد مسرور)

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: یہ سب مضمون ابوطالب کے قصہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام عبارت الہامی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کے دل پر نازل کی صرف کوئی کوئی فقرہ تشریح کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔

قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے

آج رُوئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک فرقان مجید ہی ہے کہ جس کا کلام الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جس کے اصول، نجات کے بالکل راستی اور وضع فطرتی پر مبنی ہیں۔ جسکے عقائد ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہین قویہ ان کی صداقت پر شاہد ناطق ہیں جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں جس کی تعلیمات ہر یک طرح کی آمیزش شرک اور بدعت اور مخلوق پرستی سے بکلی پاک ہیں جس میں توحید اور تعظیم الٰہی اور کمالات حضرت عزت کے ظاہر کرنے کے لئے انتہا کا جوش ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ دوم، روحانی خزائن، جلد 1، صفحہ 81)

دُنیا کا مربی اعظم

اصل حقیقت یہ ہے کہ سب نبیوں سے افضل وہ نبی ہے کہ جو دنیا کا مربی اعظم ہے۔ یعنی وہ شخص کہ جس کے ہاتھ سے فساد اعظم دنیا کا اصلاح پذیر ہوا جس نے توحید گم گشتہ اور ناپدید شدہ کو پھر زمین پر قائم کیا۔ جس نے تمام مذاہب باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کر کے ہر یک گمراہ کے شبہات مٹائے جس نے ہر یک ملحد کے وساوس دور کئے اور سچا سامان نجات کا کہ جس کے لئے کسی بے گناہ کو پھانسی دینا ضرور نہیں اور خدا کو اپنی قدیمی اور ازلی جگہ سے کھسکا کر کسی عورت کے پیٹ میں ڈالنا کچھ حاجت نہیں، اصول حقہ کی تعلیم سے از سر نو عطا فرمایا۔

(براہین احمدیہ حصہ دوم، روحانی خزائن، جلد 1، صفحہ 97 حاشیہ)

دو نہایت مسکت دلائل کہ برہموسماج نے قرآن سے توحید حاصل کی

میں نے بخوبی تحقیق کیا ہے کہ برہموسماج والوں کی توحید کی طرف مائل ہونے کی بھی یہی اصل ہے کہ جو ان کے بعض بزرگوں میں سے وہ شخص جو بانی مبانی اس مذہب کا تھا، اس نے قرآن شریف ہی سے کسی قدر توحید کا حصہ حاصل کیا تھا مگر اپنی بدنصیبی سے پوری توحید حاصل نہ کر سکا پھر وہی تخم توحید جو خدا کی کلام سے لیا گیا تھا برہموسماج والوں میں پھیلتا گیا۔ اگر کسی صاحب کو حضراتِ برہمو میں سے ہماری اس تحقیق میں کچھ کلام ہو تو لازم ہے کہ وہ ہمارے اس سوال کا مدلّل طور پر جواب دیں کہ ان کو مسئلہ توحید کا کیونکر حاصل ہوا آیا بطور سماع پہنچا یا ان کے کسی بانی نے صرف اپنی عقل سے ایجاد کیا۔ اگر بطور سماع پہنچا تو کھول کر بیان کرنا چاہئے کہ بجز قرآن شریف اَور کون سی کتاب تھی جس نے خدا کا واحد لاشریک ہونا اور عیال واطفال سے پاک ہونا اور حلول اور تجسم سے منزہ رہنا اور اپنی ذات اور جمیع صفات میں کامل اور یگانہ ہونا اس زمانہ میں خطہ ہندوستان میں مشہور کر رکھا تھا جس سے یہ مسئلہ توحید ان کو حاصل ہوا اس کتاب کا نام بتلانا چاہیئے اور اگر یہ دعویٰ ہے کہ اس بانی کو توحید کی خبر بطور سماع نہیں پہنچی بلکہ اس نے صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اس مسئلہ کو پیدا کیا تو اس صورت میں یہ ثابت کر کے دکھلانا چاہیئے کہ بانی مذکور کے وقت میں یعنے جس زمانہ میں برہمو مذہب کا بانی مبانی ایک مذہب جاری کرنے لگا، اسوقت ہندوستان میں بذریعہ قرآن شریف ابھی توحید نہیں پھیلی تھی کیونکہ اگر پھیل چکی تھی تو پھر توحید کا دریافت کرنا ایک ایجاد خیال نہیں کیا جائے گا بلکہ یقینی طور پر یہی سمجھا جائے گا کہ اس برہمو مذہب کے بانی نے قرآن شریف سے ہی مسئلہ توحید کو حاصل کیا تھا۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن، جلد 1، صفحہ 218 حاشیہ)

خدا کی قدرت کی کوئی حد بست نہیں

اگر ہم خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کو غیر محدود مانتے ہیں تو یہ جنون اور دیوانگی ہے کہ اس کی قدرتوں پر احاطہ کرنے کی امید رکھیں کیونکہ اگر وہ ہمارے مشاہدہ کے پیمانہ میں محدود ہو سکیں تو پھر غیر محدود اور غیر متناہی کیونکر رہیں اور اس صورت میں نہ صرف یہ نقص پیش آتا ہے کہ ہمارا فانی اور ناقص تجربہ خدائے ازلی وابدی کی تمام قدرتوں کا حد بست کرنے والا ہوگا بلکہ ایک بڑا بھاری نقص یہ بھی ہے کہ اس کی قدرتوں کے محدود ہونے سے وہ خود بھی محدود ہو جائے گا اور پھر یہ کہنا پڑے گا کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کی حقیقت اور کنہ ہے ہم نے سب معلوم کر لی ہے اور اس کے گہراؤ اور تہ تک ہم پہنچ گئے ہیں اور اس کلمہ میں جس قدر کفر اور بے ادبی اور بے ایمانی بھری ہوئی ہے وہ ظاہر ہے حاجت بیان نہیں۔ (سرمہ چشم آریہ، رُوحانی خزائن، جلد 2، صفحہ 64)

اخبار بدر خود بھی پڑھیں اور اپنے دوست احباب کو بھی اسکے پڑھنے کی ترغیب دیں

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اخبار بدر کے خصوصی شمارہ دسمبر 2014 کے لئے اپنا پیغام ارسال کرتے ہوئے فرمایا :

’’یہ بات بدر کے ادارہ اور قارئین کو ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ یہ اخبار احباب جماعت کی روحانی اصلاح اور ترقی کیلئے جاری کیا گیا تھا اور ہمارے بزرگوں نے باوجود نامساعد حالات کے پوری جانفشانی سے اسے ہمیشہ جاری رکھنے کی سعی کی اور ان کی دعاؤں اور پاک کوششوں کی برکت سے ہی آج تک یہ جاری ہے اور یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ احمدی اسے پڑھیں اور اس سے استفادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہندوستان کے احمدیوں کو بالخصوص اور باقی دُنیا میں بسنے والے احمدیوں کو بالعموم اس کے مطالعہ کی اور اس سے وابستہ برکتوں کو سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔‘‘

سیّدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اس نہایت اہم اور بصیرت افروز ارشاد کے پیش نظر احباب جماعت احمدیہ بھارت کی خدمت میں گزارش کی جاتی ہے کہ ہر گھر میں اخبار بدر کے مطالعہ کو یقینی بنایا جانا بہت ضروری ہے۔ اخبار بدر میں قرآن وحدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کے علاوہ حضور انور کے خطبات جمعہ، خطابات، نیز حضور انور کے مختلف ممالک کے بابرکت دوروں کی نہایت دلچسپ اور ایمان افروز رپورٹیں باقاعدگی سے شائع ہوتی ہیں جس کا مطالعہ ہر احمدی کیلئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور سیّدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی شفقت سے اب یہ اخبار اردو کے علاوہ ہندی، بنگلہ، تامل، تیلگو، ملیالم، اُڑیہ، کنڑ زبانوں میں بھی شائع ہو رہا ہے۔ جن احمدی دوستوں نے اب تک اخبار بدر اپنے نام جاری نہیں کروایا ہے، ان سے درخواست ہے کہ اخبار بدر اپنے نام جاری کروا کر خود بھی اس کا مطالعہ کریں اور اپنے بچوں اور گھر کے دیگر افراد کو بھی اس کے مطالعہ کا موقع فراہم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیّدنا حضرت امیر المومنین کے ارشادات پر من وعن ان کی حقیقی روح کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اخبار بدر کے وقت پر نہ پہنچنے نیز چندہ جات کی ادائیگی یا کسی بھی طرح کی معلومات کیلئے دفتر مینیجر ہفت روزہ اخبار بدر سے رابطہ کریں۔ جزاکم اللہ (مینیجر ہفت روزہ اخبار بدر قادیان)

مورخہ 23 فروری 2020 کو حضور انور مسجد دار السلام کا افتتاح فرماتے ہوئے

مسجد دار السلام، ساؤتھ ہال، برطانیہ کی ایک خوبصورت تصویر

مسجد دار السلام ساؤتھ ہال کے افتتاحی ریسپشن کے موقع پر سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سامعین سے خطاب فرماتے ہوئے

مسجد دار السلام ساؤتھ ہال کے افتتاح کے موقع پر معززین حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے شرف ملاقات حاصل کرتے ہوئے
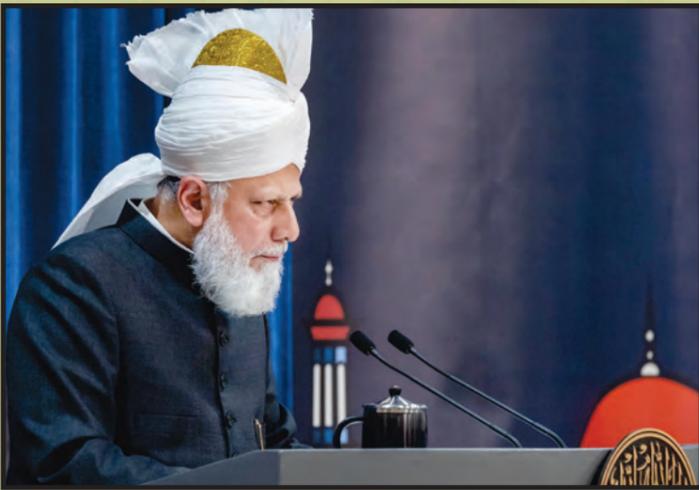
مورخہ 22 دسمبر 2019 کو منعقدہ نیشنل قائدین فورم مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ سے حضور انور خطاب فرماتے ہوئے

EDITOR
MANSOOR AHMAD
Mobile : +91 82830 58886
E-mail : badrqadian@rediffmail.com
Website : akhbarbadrqadian.in
: www.alislam.org/badr

Registered with the registrar of the newspapers for India at No. RN 61/57

ہفت روزہ بدر قادیان

Weekly **BADAR** Qadian

Qadian - 143516 Distt. Gurdaspur (Pb.) INDIA

Vol. 69 Thursday 24 - 31 - December - 2020 Issue. 52 - 53

MANAGER
SHAIKH MUJAHID AHMAD
Mobile : +91 99153 79255
e -mail:managerbadrqnd@gmail.com
SUBSCRIPTION
ANNUAL: Rs.700/-
By Air : 50 Pounds or
: 80 U.S $ or
: 60 Euro

ایک حدیث قدسی میں سیّدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ کے بارے میں فرماتے ہیں

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَے میرے بندو! مَیں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر رکھا ہے تم سب گم گشتہ راہ ہو سوائے ان لوگوں کے جن کو مَیں صحیح راستہ کی ہدایت دوں۔ پس مجھ سے ہدایت طلب کرو مَیں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اَے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں پس مجھ سے ہی رزق طلب کرو مَیں تم کو رزق دوں گا۔ اَے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو مَیں لباس پہناؤں پس مجھ سے لباس مانگو مَیں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اَے میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرو تو بھی مَیں تمہارے گناہ بخش سکتا ہوں پس مجھ سے ہی بخشش مانگو مَیں تمہیں بخش دوں گا۔ اَے میرے بندو! تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر نقصان پہنچانے کا ارادہ کرو اور نہ ہی تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو اگر نفع پہنچانے کی کوشش کرو۔ اَے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جنّ و اِنس سب کے سب اوّل درجہ کے متّقی اور پرہیزگار بن جائیں اور اس شخص کی طرح بن جائیں جو تم میں سے سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہے تو تمہارا ایسا ہو جانا بھی میری بادشاہت میں ایک ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتا۔ اَے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جنّ و اِنس تم میں سے جو سب سے زیادہ بدکار ہے اس کے قلبِ بدنہاد کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہت میں کسی چیز کی کمی نہیں کر سکتے۔ اَے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جنّ و اِنس ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور مجھ سے حاجات مانگیں اور مَیں ہر ایک انسان کی حاجات پوری کر دوں تو بھی میرے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی جتنی سمندر میں سُوئی ڈال کر اس کو باہر نکالنے سے سمندر کے پانی میں کمی آتی ہے۔ (مسلم، کِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ تَحْرِيْمِ الظُّلْمِ)

توحید حقیقی

سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو، خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر فریب ہو منزہ سمجھنا اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا، کوئی رازق نہ ماننا، کوئی معزّ اور مذل خیال نہ کرنا، کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا اپنی عبادت اسی سے خاص کرنا، اپنا تذلّل اسی سے خاص کرنا اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا اپنا خوف اسی سے خاص کرنا، پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہو سکتی اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذاتِ باری کسی میں قرار نہ دینا اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رسان نظر آتے ہیں یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا، تیسرے اپنی محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید یعنی محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گرداننا اور اسی میں کھوئے جانا۔ (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن، جلد 12، صفحہ 349)

Printed & Published by: Jameel Ahmed Nasir on behalf of Nigran Board of Badar. Name of Owner: Nigran Board of Badar. And printed at Fazle-Umar Printing Press. Harchowal Road, Qadian, Distt. Gurdaspur-143516, Punjab.
And published at office of Weekly Badar Mohallah - Ahmadiyya, Qadian Distt. Gsp-143516, Punjab. India Editor:Mansoor Ahmad

جمیل احمد ناصر، پرنٹر و پبلشر نے فضل عمر پرنٹنگ پریس قادیان میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائیٹر:-نگران بدر بورڈ قادیان